سیرتِ مصطفیٰ جانِ رحمت

صفحات 331

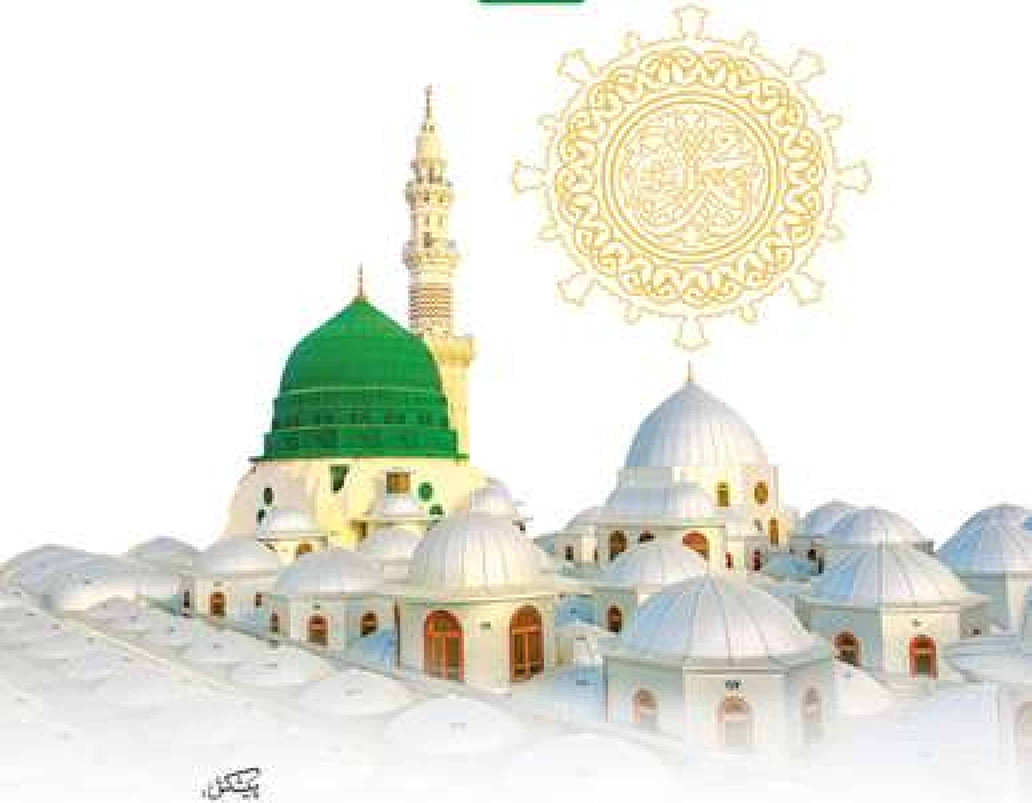

پیشکش:
المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)
Islamic Research Center

سیرتِ مصطفٰے جانِ رحمت

مصنف

مولانا محمد حامد سراج عطاری مدنی

معاون

مولانا محمد عبد الجبار عطاری مدنی

پیشکش:

المدینۃ العلمیۃ

Islamic Research Center

شعبہ سیرتِ مصطفٰی (دعوتِ اسلامی)

www.dawateislami.net

حوالہ نمبر:303

نام کتاب	سیرتِ مصطفیٰ جانِ رحمت
مصنف	مولانا محمد حامد سراج عطاری مدنی
معاون	مولانا عبد الجبار عطاری مدنی
صفحات	331
پیش کش	المدینۃ العلمیۃ Islamic Research Center شعبہ سیرتِ مصطفیٰ (دعوتِ اسلامی)
پہلی بار	ربیع الاول ۱۴۴۶ھ، ستمبر 2024ء
تعداد	

جملہ حقوق بحق مکتبۃ المدینہ محفوظ ہیں

مکتبۃ المدینہ

MAKTABA TUL MADINAH

دینی کتابوں کی اشاعت کا بین الاقوامی ادارہ

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، کراچی

Faizan-E-Madina,Mohalla Sodagaran,Old Sabzi Mandi,Karachi

UAN : +92211111252692 , , :92-313-1139278

www.dawateislami.net www.maktabatulmadina.com

ilmia@dawateislami.net feedback@maktabatulmadina.com

پاکستان کے چند مکتبۃ المدینہ

اسلام آباد: شبیر شریف روڈ G-11 مرکز اسلام آباد	051-5553765	لاہور: داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ	04237311679
ملتان: نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ	0614511192	فیصل آباد: امین پور بازار	0412632625
پشاور: مکتبۃ المدینہ سٹی ٹاور شاپ# ایف 16،15 کابلی روڈ پشاور سٹی	0092 341 1458486	حیدر آباد: فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن	0222620122
سکھر: مکتبۃ المدینہ، فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ سکھر	0092 312 2611826	میر پور آزاد کشمیر: چوک شہیداں	05827437212

دنیا بھر کے چند مکتبۃ المدینہ

سعودی عرب: 00971-52564194 7	متحدہ عرب امارات: 00971-45146911	انگلینڈ: 0044 7872 119618	جرمنی: 0049 1521 6972748
ملائیشیا: 0060 16-934 1591	آسٹریلیا: 0061 430 539 226	اٹلی: 0039-3392358897	امریکہ: 001 (847) 800-3865
جاپان: 0081-8097526831	ترکی: 0090-5318980786	بھارت: 0091 93703 84948	ساؤتھ افریقہ: 0027 79 271 9161
ساؤتھ کوریا: 0082 105517-2612	بنگلہ دیش: 00880 1934-457874	کویت: 00965-99972721	

المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی) DAWAT-E-ISLAMI مکتبۃ المدینہ MAKTABA TUL MADINAH

فہرست

فہرست	3
المدینۃ العلمیہ کا تعارف	15
ہدیۂ قارئین	17
پہلا باب — زمانۂ جاھلیت	**23**
زمانۂ جاہلیت	24
سرزمینِ عرب اور اہلِ عرب	25
زمانۂ جاہلیت اور جنازہ	27
زمانۂ جاہلیت کا تلبیہ	28
زمانۂ جاہلیت اور غیر حرم والے	30
زمانۂ جاہلیت کا قانونِ قصاص	31
زمانۂ جاہلیت اور قانونِ دِیَت وفدیہ	32
زمانۂ جاہلیت اور غلامی	32
زمانۂ جاہلیت اور بیٹیاں	33
زندہ بیٹی کنویں میں پھینک دی!	34
عرب ہی کیوں؟	36
ذہنی آزمائش	39
دوسرا باب — مصطفٰی جانِ رحمت صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے آباء واَجداد	**40**
خاندانِ مصطفٰی	41
آباء واجداد سارے مؤمن	41
نسبِ مصطفٰی	42
حضرتِ فِہر	44
حضرتِ غالب	44
حضرتِ لؤی	44
حضرتِ کعب	45
حضرتِ مُرَّہ	45

www.dawateislami.net

فہرست

حضرتِ کِلاب	46
حضرتِ قُصَیّ	46
حضرتِ عبدِ مناف	49
حضرتِ ہاشم	50
حضرتِ عبد المطلب	52
حضرتِ عبد اللہ	54
حضرتِ آمنہ	56
قبل از ولادت والدِ گرامی کی وفات کی حکمتیں	57
ذہنی آزمائش	59
تیسرا باب — مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت	60
نورِ مصطفیٰ کے منتقل ہونے کا سال	61
ولادتِ مصطفیٰ کی برکتیں	61
فصلِ بہار آگئی	62
ولادتِ مصطفیٰ	63
برکاتِ نبوّت کا ظہور	64
شاہِ ایران کی پریشانی	65
ولادتِ مصطفیٰ میں پنہاں حکمتیں	66
ذہنی آزمائش	67
چوتھا باب — مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضاعت	68
بی بی ثُوَیبہ کا واقعہ	69
رضاعت کی حکمتیں	70
رضاعی مائیں	71
داستانِ رضاعت	73
مبارک حلیمہ تجھے ہو مبارک	74
ہوئے ہر طرف اجالے اجالے	75
میرے گھر حبیبِ خدا آگئے ہیں	76
اٹھی چار سو رحمتوں کی گھٹائیں	76

www.dawateislami.net

انوکھی نشوونما	77
شقِّ صدر کا واقعہ	79
ذہنی آزمائش	80
پانچواں باب مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایامِ کفالت	**81**
والدہ ماجدہ کے ساتھ سفرِ مدینہ	82
یہودیوں کی دشمنی	83
سیدہ آمنہ کے آخری لمحات	84
سیدہ آمنہ کا وصال	84
سردارِ قریش کے لاڈلے	86
شفیق دادا کی کفالت میں	87
چچا کی کفالت میں	88
ذہنی آزمائش	89
چھٹا باب مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیارا لڑکپن	**90**
پاکیزہ اخلاق	91
روئے انور سے بارانِ رحمت کی طلب	91
تجارت کے لئے سفرِ شام	93
کاروان کی دعوت	93
راہب کی تفتیش	94
حربِ فجار	95
حِلفُ الفضول میں شرکت	96
تجارتی اسفار	98
ذہنی آزمائش	99
ساتواں باب مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جوانی کے واقعات	**100**
قریش کے تجارتی سفر	101
مکہ کی ایک کامیاب تاجرہ	101
پھر سے شام کا سفر	102
سستی چستی میں بدل گئی	103

www.dawateislami.net

فہرست

نسطورا راہب سے ملاقات	103
برکتیں ہی برکتیں	104
حضرت خدیجہ کا تعارف	105
حضرت خدیجہ سے نکاح	107
پیکرِ صدق ووفا	107
کعبہ کی تعمیر	109
کون آیا؟	110
اب تک کا کردار	111
ذہنی آزمائش	112
آٹھواں باب — مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ	**113**
غارِ حرا میں عبادت	114
غارِ حرا میں تنہائی کی وجہ	115
نبوت کی علامتیں	116
پہلی وحی کی کیفیت	117
حضرت خدیجہ کا ڈھارس دینا	117
ورقہ بن نوفل کی پیشین گوئیاں	118
پہلی وحی سے ملنے والا اہم سبق	119
دوسری وحی کا نزول	120
نزولِ وحی کی صورتیں	120
ذہنی آزمائش	121
نواں باب — مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دعوتِ اسلام	**122**
دعوتِ دین کا پہلا مرحلہ	123
اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن	123
”دارِ ارقم“ اسلام کی پہلی تربیت گاہ	124
دارِ ارقم ہی کیوں؟	124
دعوتِ دین کا دوسرا مرحلہ	126
دعوتِ دین کا تیسرا مرحلہ	127

www.dawateislami.net

مال وزر کی پیش کش 127
تبلیغِ اسلام روکنے کے لئے کفار کی چالیں 128
(1) مذاق واستہزا 128
(2) جھوٹا پروپیگنڈا کرنا 130
(3) متبادل پیش کرنا 131
(4) سودے بازی 132
ذہنی آزمائش 134
دسواں باب مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور کافروں کی ایذا رسانی 135
کافروں کی دشمنی کی وجہ 136
رئیسانِ قریش کا قرآن سننا 137
معاشرے میں آپ کا مقام 140
ابو لہب کے آپ پر مظالم 140
ابو جہل کے آپ پر مظالم 141
دعائے ضرر کی وجہ 143
عقبہ کی گستاخی 143
معزز صحابہ پر ظلم وستم کے واقعات 144
حضرت بلالِ حبشی 145
خَبّاب بن اَرَت 146
آلِ یاسر 147
حق پر ہونے کے باوجود مظلوم کیوں؟ 148
ذہنی آزمائش 149
گیارھواں باب ہجرتِ حبشہ 150
پہلی ہجرتِ حبشہ 151
دوسری ہجرتِ حبشہ 152
مہاجرین کے خلاف کافروں کی سازش 153
شاہی دربار میں پیشی 154

www.dawateislami.net

شاہی دربار میں رب کی رحمتوں کے انوار	155
ہجرتِ حبشہ کی چند حکمتیں	156
ذہنی آزمائش	157
بارھواں باب — بائیکاٹ، عامُ الحزن اور سفرِ طائف	158
حضرت امیر حمزہ کا قبولِ اسلام	159
حضرتِ عمر کا قبولِ اسلام	161
بائیکاٹ کی ابتدا	162
شعبِ ابی طالب کی مصیبتیں	164
بائیکاٹ کا عرصہ اور اختتام	165
بائیکاٹ کی حکمتیں	166
شفیق چچا اور حضرت خدیجہ کا وصال	167
عامُ الحزن (غم کے سال) کی وجوہات	168
سفرِ طائف کی وجہ	169
طائف کے واقعات	170
طائف والوں کا ظلم و تشدد	171
عجیب التجا	172
رحمت کا دریا ہمارا نبی	172
دشمنوں کا رحم کھانا	173
جنات کا قبولِ اسلام	174
ذہنی آزمائش	175
تیرھواں باب — بیعتِ عَقَبہ اُولیٰ و ثانیہ	176
طائف سے واپسی اور حق کی دعوت	177
قبائل کو پیش کش	178
”انصار“ اللہ اور رسول کے مُحِبّ	179
موسمِ حج میں تبلیغی سرگرمیاں	179
انصار کا اسلام قبول کرنا	180
مدینہ پاک میں نورِ اسلام	181

www.dawateislami.net

معراجِ مصطفیٰ کا معجزہ	181
معراج کی حکمتیں	182
بیعتِ عقبہ اولیٰ	183
مدینے کے اولین مبلغ	184
انصار اشاعتِ اسلام کا سبب کیوں؟	185
ایک اور حکمت	185
بیعت کی وجہ	186
حضرت مصعب بن عمیر کی کوششیں	187
انصار کی پیش کش	188
بیعت کی شرائط	189
بیعت کے بدلے جنت	191
انصار میں بارہ نقیب	192
کافروں کی شرارتیں	192
ذہنی آزمائش	193
چودھواں باب — ہجرتِ مدینہ	**194**
ہجرتِ مدینہ کی وجوہات	195
صحابۂ کرام کی ہجرت	196
سب سے پہلے مہاجر	197
کفار کانفرنس	198
اللہ پاک کی خفیہ تدبیر	200
مولا علی کیلئے اعزاز	201
داستانِ شبِ ہجرت	201
شہرِ مکہ سے محبت کا اظہار	203
قدرت کے انتظامات	203
خاندانِ ابو بکر کی خدمات	204
سفرِ ہجرت کے اسباق	205
ذہنی آزمائش	207

www.dawateislami.net

پندرھواں باب یکم تا تین ہجری کے واقعات	208
مدینے کے والی مدینے میں	209
خادم اور مخدوم کا فرق	209
قبا میں قیام	210
اسلام کی پہلی مسجد	210
پہلا جمعہ اور بنو نجار میں آمد	211
حضرت ابو ایوب کی سعادت	212
اسلام کی دوسری مسجد	213
حجروں کی تعمیر	213
مسجد کی اہمیت اور چبوترۂ صفہ	213
اہلِ بیت کی مدینہ آمد	214
رشتۂ اخوت اور منشورِ مدینہ	215
اذان کی ابتداء	216
حضرت عائشہ سے شادی	216
قبلے کی تبدیلی	217
مکہ والوں کی دھمکیاں	218
اذنِ جہاد	219
غزوہ اور سریہ کا فرق	221
چند سرایا	221
غزوۂ ابوا	222
حضرت عبد اللہ بن جحش کا سریۂ نخلہ	222
غزوۂ بدر الکبریٰ	223
صحابۂ کرام کا جوش و جذبہ	224
فضائے بدر پیدا کر!	226
جنگ کی ضرورت نہیں!	227
اسلامی مساوات کا عملی مظاہرہ	227
قریش کی جاسوسی	228
موت کی سواریاں	228
جنگ کی روداد	229

www.dawateislami.net

دعائیں ہی دعائیں	229
جنگ کے نتائج	231
قیدیوں کا معاملہ	232
غزوۂ بدر کے اسباق	232
غزوۂ بنو قینقاع	234
غزوۂ سویق	235
غزوۂ اُحُد	236
کافروں کی جنگی تیاری	236
مسلمانوں کو اطلاع	237
لشکروں کی آمد	238
مسلمانوں کی جنگی حکمتِ عملی	239
کافروں کی چال	239
جنگ کا آغاز	240
مسلمانوں کا پلڑا بھاری	240
فتح قریب...... لیکن!	241
کافروں کا واپسی حملہ	242
فریبانہ صدا اور اس کا اثر	243
مژدۂ جاں فزا	244
جنگ کون جیتا؟	244
شہدا کی تدفین	245
مدینہ واپسی	246
غزوۂ احد کے اسباق	247
غزوۂ حمراء الاسد	249
غزوۂ غطفان	250
تین ہجری کے متفرق واقعات	252
ذہنی آزمائش	253
سولھواں باب — غزوۂ اُحُد کے بعد سے صلحِ حدیبیہ تک	**254**
رجیع کا واقعہ	255
واقعۂ بئر معونہ	257

www.dawateislami.net

قاصد کی شہادت	257
کافروں کی دھوکہ بازی	258
دو قتل	259
اسباق و نتائج	260
بنو نضیر کی بد عہدی	261
غزوۂ بنو نضیر کا سبب	261
غزوۂ بنو نضیر	262
مالِ غنیمت اور مالِ فَے میں فرق	263
غزوۂ بدرِ صغریٰ	264
شراب کی حرمت	265
سن چار ہجری کے متفرق واقعات	266
غزوۂ دُومۃُ الجندل	266
غزوۂ بنی مصطلق	267
حضرتِ جُویریہ سے نکاح	268
واقعۂ اِفک	269
غزوۂ خندق کے اسباب	270
مسلمانوں کی حکمتِ عملی	271
خندق کی تیاری	272
آزمائش در آزمائش	272
جنگ کی صورت حال	273
جنگ کے نتائج	275
غزوۂ بنو قریظہ	275
پانچ ہجری کے متفرق واقعات	278
غزوۂ بنو لحیان	278
عمرے کا ارادہ	279
جنگ سے احتیاط	280
سفارتی کوششیں	281
حضرت عثمان بطورِ سفیر	282
بیعتُ الرضوان	283

www.dawateislami.net

صلحِ حدیبیہ کا معاہدہ	283
مسلمانوں کی کیفیت	284
صلح کی حکمتیں	285
ذہنی آزمائش	286
سترھواں باب — بعداز حدیبیہ تا رحلت شریف	287
سلاطین کے نام دعوتِ اسلام	288
سن چھ ہجری کی متفرق لڑائیاں	290
غزوۂ خیبر	290
جنگ کی روداد	291
عمرۃُ القضا	292
غزوۂ موتہ کے اسباب	293
حیرت انگیز منظر	293
جنگ کی روداد	294
حضرت جعفر اور حضرت عبد اللہ کی شہادت	295
"سیف اللہ" حضرت خالد بن ولید	295
جنگ کا نتیجہ	296
غزوۂ فتحِ مکہ کے اسباب	297
معاہدے کا اختتام	298
جنگ کی تیاری اور روانگی	299
عاجزی و انکساری کے پیکر	300
مکہ شریف میں داخلہ	300
بیت اللہ شریف میں داخلہ	302
دشمنوں کے ساتھ سلوک	302
عام معافی کے نتائج	304
غزوۂ حنین	304
اوطاس کا سریہ	305
غزوۂ طائف	306

www.dawateislami.net

مالِ غنیمت کی تقسیم 308
سن آٹھ ہجری کے متفرق واقعات 308
غزوۂ تبوک 309
مسجدِ ضرار کا واقعہ 310
حضرت صدیقِ اکبر بطور امیرِ حج 310
وفود کے آنے کا سال 310
سن نو ہجری کے متفرق واقعات 311
حجۃ الوداع 312
الوداعی خطبے کے اقتباسات 313
حج کی تکمیل 315
جیشِ اسامہ کی روانگی 315
دین کی مضبوط عمارت 316
مرضِ وفات اور اس کی کیفیت 317
عظیم حادثے کا دن 318
ذہنی آزمائش 320
اٹھارواں باب متفرقات 321
رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے کاتبین 322
رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مؤذن 323
رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے خدمت گزار 324
رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مقرر کردہ قاضی 325
رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اموال کے منتظم 324
رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے راز دار 324
رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی غذائیں 325
رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بعض سواریاں 327
مصادر و مراجع 329

www.dawateislami.net

المدینۃُ العلمیۃ

(Islamic Research Centre)

عالمِ اسلام کی عظیم دینی تحریک دعوتِ اسلامی نے مسلمانوں کو درست اسلامی لٹریچر پہنچانے اور اس کے ذریعے اصلاحِ فرد و معاشرہ کے عظیم مقصد کے لئے 1421ھ مطابق 2001ء کو جامعۃ المدینہ گلستانِ جوہر کراچی میں المدینۃ العلمیۃ کے نام سے ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا جس کا بنیادی مقصد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کو دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق شائع کروانا تھا۔ جمادی الاولیٰ 1424ھ / جولائی 2003ء کو اسے عالمی مدنی مرکز فیضانِ مدینہ پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ کراچی میں منتقل کر دیا گیا۔ امیرِ اہلِ سنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی علامہ محمد الیاس عطار قادری دامت بَرَکاتُہمُ العالیہ کے نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اِشاعتِ علمِ شریعت کا عزم پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ ادارہ چھ 6 شعبہ جات میں تقسیم کیا گیا۔ پھر ان میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔ اس کی کراچی کے علاوہ ایک شاخ مدنی مرکز فیضان مدینہ، مدینہ ٹاؤن فیصل آباد، پنجاب میں بھی قائم ہو چکی ہے، دونوں شاخوں میں 126 سے زائد علما تصنیف و تالیف یا ترجمہ و تحقیق وغیرہ کے کام میں مصروف ہیں اور 2024ء تک اس کے 30 شعبے قائم کئے جا چکے ہیں:

(1) شعبہ فیضانِ قرآن (2) شعبہ فیضانِ حدیث (3) شعبہ فقہ (فقہ حنفی و شافعی) (4) شعبہ سیرتِ مصطفےٰ (5) شعبہ فیضانِ صحابہ و اہلِ بیت (6) شعبہ فیضانِ صحابیات و صالحات (7) شعبہ فیضانِ اولیا و علما (8) شعبہ کتبِ اعلیٰ حضرت (9) شعبہ تخریج (10) شعبہ درسی کتب (11) شعبہ اصلاحی کتب (12) شعبہ ہفتہ وار رسالہ (13) شعبہ بیاناتِ دعوتِ اسلامی (14) شعبہ تراجم کتب (15) شعبہ فیضانِ امیرِ اہلِ سنّت (16) شعبہ ماہنامہ فیضانِ مدینہ (17) شعبہ ماہنامہ خواتین (18) شعبہ پیغاماتِ عطّار (19) شعبہ دینی کاموں کی تحریرات (20) دعوتِ اسلامی کے شب و روز (21) شعبہ بچّوں کی دنیا (22) شعبہ رسائلِ دعوتِ اسلامی (23) شعبہ گرافکس ڈیزائننگ (24) شعبہ رابطہ برائے مصنفین و محققین (25) شعبہ انتظامی امور (26) شعبہ تنظیمی رسائل (27) شعبہ جات کورسز کا نصاب (28) شعبہ میڈیا کانٹینٹ (29) شعبہ خود کفالت (30) شعبہ لغت۔

المدینۃ العلمیۃ کے اغراض و مقاصد یہ ہیں: ☆ باصلاحیت علمائے کرام کو تحقیق، تصنیف و تالیف کیلئے پلیٹ فارم مہیا کرنا اور ان کی صلاحیتوں میں اضافہ کرنا۔ ☆ قرآنی تعلیمات کو عصری تقاضوں کے

www.dawateislami.net

مطابق منظر عام پر لانا۔ ☆افادۂ خواص و عوام کیلئے علومِ حدیث اور بالخصوص شرحِ حدیث پر مشتمل کتب تحریر کرنا۔ ☆سیرتِ نبوی، عہدِ نبوی، قوانینِ نبوی، طبِ نبوی وغیرہ پر مشتمل تحریریں شائع کرنا۔ ☆اہل بیت و صحابہ کرام اور علما و بزرگانِ دین کی حیات و خدمات سے آگاہ کرنا۔ ☆بزرگوں کی کتب و رسائل جدید منہج و اسلوب کے مطابق منظر عام پر لانا بالخصوص عربی مخطوطات (غیر مطبوع) کتب و رسائل کو دورِ جدید سے ہم آہنگ تحقیقی منہج پر شائع کروانا۔ ☆نیکی کی دعوت کا جذبہ رکھنے والوں کو مستند مواد فراہم کرنا۔ ☆دینی و دنیاوی تعلیمی اداروں کے طلبہ کو مستند صحت مند مواد کی فراہمی نیز درسِ نظامی کے طلبہ و اساتذہ کے لئے نصابی کتب عمدہ شروحات و حواشی کے ساتھ شائع کر کے انکی ضرورت کو پورا کرنا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اَمیرِ اَہلِ سنّت دامت بَرَکاتُہمُ العالیہ کی شفقت و عنایت، تربیت اور عطا کردہ اصولوں پر عمل پیرا ہونے کا ہی نتیجہ ہے کہ دنیا و آخرت میں کامیابی پانے، نئی نسل کو اسلام کی حقانیت سے آگاہ کرنے، انہیں باعمل مسلمان اور ایک صحت مند معاشرے کا بہترین فرد بنانے، والدین و اساتذہ اور سرپرست حضرات کو اندازِ تربیت کے درست طریقوں سے آگاہ کرنے اور اسلام کی نظریاتی سرحدوں اور دین و ایمان کی حفاظت کیلئے المدینۃ العلمیۃ نے اپنے آغاز سے لے کر اب تک جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے بشمول المدینۃ العلمیۃ دعوتِ اسلامی کے دینی کاموں، اداروں اور شعبوں کو مزید ترقی عطا فرمائے۔

اٰمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم

تاریخ: 8 ذوالحجۃ الحرام 1445ھ / 15 جون 2024ء

ہدیۂ قارئین

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ ہر مسلمان کیلئے اہم ہے۔ قرآنِ کریم کے بعد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرت ہی مسلمانوں کیلئے سب سے اہم مصدر و مرجع ہے۔ قرآنِ کریم مہد سے لحد تک زندگی گزارنے کے احکامات کا مجموعہ ہے جبکہ سیرتِ طیبہ اس مجموعے کی عملی تصویر کا نام ہے۔ اللہ پاک نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو ایسی حیات عطا فرمائی کہ اس میں زندگی کی ہر جہت اور ہر پہلو سے متعلق راہ نمائی موجود ہے۔ سیرتِ طیبہ کی اِسی وُسعت اور ہمہ گیریت کے سبب قرآنِ کریم میں اسے ''اُسوۂ حسنہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سیرتِ طیبہ کی ضرورت کے پیشِ نظر دعوتِ اسلامی کے تصنیفی و تحقیقی ادارے المدینۃ العلمیہ (Islamic Research Center) میں رکنِ شوریٰ حاجی ابو ماجد محمد شاہد عطاری مدنی زِیدَ مَجْدُہٗ نے اکتوبر 2020 میں ''شعبہ سیرتِ مصطفٰی'' (1) قائم فرمایا۔ اس شعبے کی پہلی کاوش ''آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی پیاری سیرت'' (2) تھی۔ طلبہ کو سیرتِ طیبہ کی بنیادی باتوں سے روشناس کرانے کیلئے ''کنزالمدارس بورڈ پاکستان'' نے اس کتاب کو نصاب کا حصہ بنایا۔ بعد ازاں المدینۃ العلمیہ کے نگران، رکنِ شوریٰ حاجی جنید عطاری مدنی زِیدَ مَجْدُہٗ نے حکم

---

(1) اس شعبے کے تحت ''سیرتِ مصطفٰی'' پر تفصیلی ریسرچ کی گئی ہے۔ سب سے پہلے سیرت پر کام کرنے والے اداروں کا وزٹ کیا گیا، ان کا کام دیکھا گیا اور سیرت پر شائع ہونے والے (اردو، عربی) لٹریچر کا حتی المقدور جائزہ لیا گیا۔ اسی دوران سیرت کے موضوع پر تقریباً پانچ ہزار کتابیں جمع کی گئیں۔ ان کتابوں کو عنوانات کے اعتبار سے تقسیم کیا گیا تاکہ مستقبل میں استفادہ کرنے میں آسانی ہو۔ اب اس شعبے کے تحت سیرتِ طیبہ کے کئی منصوبوں پر تحریری کام جاری ہے۔

(2) ''آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی پیاری سیرت'' کتاب نے وفاقی وزارتِ مذہبی امور (پاکستان) کی جانب سے کتبِ سیرت کے مقابلے میں پہلا انعام حاصل کیا ہے۔ اردو زبان میں اب تک اس کی تقریباً ایک لاکھ سے زائد کاپیاں شائع ہو چکی ہیں۔ ہندی، سندھی، پشتو، انگریزی اور ترکش زبانوں میں کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے جبکہ کتاب کا عربی ترجمہ اسلامی کتابوں کے بین الاقوامی اشاعتی ادارے ''دارالکتب العلمیہ (بیروت)'' سے شائع بھی ہو چکا ہے۔

فرمایا کہ شعبہ سیرتِ مصطفٰی کے تحت "کنز المدارس بورڈ" کے طلبہ کیلئے سیرتِ طیبہ پر ایک اور کتاب تصنیف کی جائے؛ جو کتاب "آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی پیاری سیرت" کی تفصیل ہو۔ چنانچہ ان کی خواہش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے کام شروع کر دیا گیا اور اسی کے نتیجے میں یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

رکنِ مجلس المدینۃ العلمیہ اور شعبہ سیرتِ مصطفٰی کے ذمہ دار مولانا محمد حامد سراج عطاری مدنی صاحب نے یہ کتاب تصنیف کرنے کی سعادت پائی۔ "شعبہ سیرتِ مصطفٰی" کے رکن مولانا عبد الجبار عطاری مدنی صاحب دیگر تمام مراحل کی دیکھ بھال اور کتاب کو تکمیل تک لے جانے کے ذمہ دار مقرر ہوئے۔ انہیں مولانا سید دلدار عطاری مدنی صاحب، مولانا بلال رضا عطاری مدنی صاحب اور مولانا مدثر عطاری مدنی صاحب کا تعاون حاصل رہا۔ مولانا احمد امین عطاری مدنی صاحب اور مولانا احمد رضا عطاری مدنی صاحب بھی کچھ کاموں میں شریک ہوئے۔ مولانا محمد امجد خان عطاری مدنی صاحب نے فائنل پروف ریڈنگ کر کے اس کام میں اپنا حصہ ملایا۔ کتاب میں ہونے والے کاموں کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

☆ پہلے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو تسلسل سے تحریر کیا گیا ہے۔ بعد میں قارئین کی آسانی کیلئے سیرتِ طیبہ کو 18 ابواب میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے 15 ابواب میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی پیدائش سے رحلت تک کی سیرت کا بیان ہے۔ ماسوا ابواب میں کتاب کا پہلا باب زمانۂ جاہلیت کے بیان پر ہے، دوسرا باب مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے آباء و اجداد کے مختصر ذکر پر مشتمل ہے، جبکہ آخری (اٹھارویں) باب میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے کاتبین، مؤذن، خدمت گزاروں اور راز داروں سمیت آپ کی غذاؤں، سواریوں وغیرہ سے متعلق معلومات پیش کی گئی ہیں۔

☆ بنیادی طور پر یہ کتاب "آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پیاری سیرت" کی تفصیل ہے۔ سیرت کے وہ مباحث جو اس میں خلاصتاً بیان کئے گئے ہیں، یہاں قدرے تفصیل سے مذکور ہیں، جبکہ وہ مباحث جو وہاں بیان نہیں ہوئے، یہاں خلاصتاً ذکر کیے گئے ہیں۔

www.dawateislami.net

Go To Index

☆ اکثر حوالہ جات میں مصادر کتب کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اس دوران سیرتِ طیبہ سے متعلق ماہنامہ فیضانِ مدینہ کے مضامین سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے اور وہاں کے حوالہ جات پر اعتماد بھی کیا گیا ہے۔

☆ کتاب میں واقعاتِ سیرت کی حکمتیں اور اسباب پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اسباق و حکمتیں شامل کرنے کے لیے علمائے اہل سنت کی کتابوں بالخصوص فقہ السیرۃ للبوطی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ 263 سے 292 صفحات تک کتاب کو محدود کرنے کا ذہن تھا، اس لیے اس میں کچھ مباحث اختصار کے دامن میں ذکر کئے گئے ہیں اور کچھ ذکر نہ کیے جاسکے۔ تفصیل کیلئے مکتبۃ المدینہ کی دو کتابیں "سیرتِ مصطفیٰ اور سیرتِ رسولِ عربی" کا مطالعہ کیا جائے۔ فہرست، مصادر اور دیگر ضروری صفحات کے سوا بقیہ مواد تقریباً 272 صفحات پر محیط ہے۔

☆ سیرتِ طیبہ سے متعلق مقامات کی قدیم و جدید معلومات بھی پیش کی گئی ہیں۔ ان مقامات کی حرمین طیبین سے مسافت بھی ذکر کی گئی ہے۔ اس کیلئے نیٹ پر موجود ڈسٹینس کیلکولیٹر (Distance calculator) استعمال کیے گئے ہیں۔ (مقامات کی جدید معلومات یعنی محلِ وقوع، بائی روڈ فاصلہ، مسافت اور موجودہ نام وغیرہ مختلف ویب سائٹ اور بعض عربی کتب سے لی گئی ہیں۔ مقاماتِ مقدسہ کے ماہر اسلامی بھائیوں سے بھی معلومات لے کر کتاب میں درج کی گئی ہیں۔)

☆ قارئین کی دل چسپی کیلئے بعض مقدس مقامات کی تصاویر اور کچھ جگہوں کے نقشے بھی شامل کیے گئے ہیں۔

☆ کتاب کے نام کیلئے امیرِ اہلِ سنت، حضرتِ علّامہ محمد الیاس عطّار قادری دامت برکاتہم العالیہ سے رجوع کیا گیا، آپ نے کتاب کا نام "سیرتِ مصطفیٰ جانِ رحمت" تجویز فرمایا۔

☆ امیرِ اہلِ سنت دامت برکاتہم العالیہ کے ایما پر "المدینۃ العلمیہ" میں کتابوں کو آسان بنانے کیلئے ایک شعبہ بنام "شعبہ تسہیل" قائم ہے۔ ہر عوامی کتاب اس شعبے سے ہو کر ہی اشاعت کیلئے جاتی ہے۔ یہ کتاب بھی آسان سے آسان تر بنانے کیلئے شعبہ تسہیل کو پیش کی گئی، شعبہ تسہیل کے رکن مولانا محمد بلال رضا عطاری مدنی صاحب نے شعبے کے اصولوں کے مطابق کتاب کی تسہیل فرمائی۔ ان کی راہ نمائی پر تقریباً 430 سے زائد جملوں اور الفاظ کی تسہیل (آسان اردو) شامل کی گئی۔

www.dawateislami.net

☆ رُکنِ شوریٰ حاجی جنید عطاری مدنی زِیدَ مَجْدُہ کے حکم پر کتاب کو نصابی لحاظ سے مفید بنانے کیلئے ہر باب کے آخر میں سوالات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ انہی کی تجویز پر اِن سوالوں کو "ذہنی آزمائش" کا عنوان دیا گیا ہے۔

☆ قارئین میں مطالعۂ سیرت کا شغف پیدا کرنے کیلئے کچھ ایسے سوالات بھی شامل ہیں جن کے جوابات کیلئے دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

☆ کتاب کی تکمیل کے دوران رُکنِ شوریٰ حاجی جنید عطاری مدنی زِیدَ مَجْدُہ نے سیرت کے بعض گوشوں (رسولِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی غزوۂ بدر میں استقامت، غزوۂ اُحُد میں ہمت، والدین کریمین اور حضرتِ خدیجہ کے دنیا سے جانے پر صبر، صُلحِ حُدیبیہ اور اس کے بعد حکمتِ عملی اور دیگر تکلیفوں کے سامنے وغیرہ) پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالنے کا حکم فرمایا۔ اس کی بھی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے۔

☆ کتاب اگرچہ کنز المدارس بورڈ پاکستان کے نصاب کیلئے لکھی گئی ہے، لیکن انداز ایسا رکھا گیا ہے کہ عوام بھی کتاب سے فائدہ اٹھا سکیں۔

☆ کتاب میں موجود تمام عربی عبارات اور ان کے ترجمے "شعبہ تراجمِ کتب (المدینۃ العلمیہ)" سے چیک کروائے گئے ہیں جبکہ انگلش الفاظ کی چیکنگ "ٹرانسلیشن ڈیپارٹمنٹ" سے کروائی گئی ہے۔

☆ قرآنِ پاک کی آیات کو قرآنی رسم الخط میں لکھا گیا ہے، اکثر آیات کا ترجمہ مکتبۃ المدینہ کے شائع کردہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ کے "ترجمۂ کنز الایمان" اور بعض کا حضرت مفتی محمد قاسم قادری عطاری دامت بَرَکاتُہم العالیہ کے "ترجمۂ کنز العرفان" سے لیا گیا ہے۔ جہاں کنز العرفان سے ترجمہ لیا گیا ہے وہاں اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔

☆ کتاب میں کوئی شرعی غلطی نہ ہو اس کیلئے "دار الافتاء اہلِ سنّت" کے مفتی محمد انس رضا عطاری مدنی زِیدَ مَجْدُہٗ سے پوری کتاب کی شرعی تفتیش کروائی گئی ہے۔

☆ کتاب کو ہر طرح کی غلطیوں سے محفوظ رکھنے کیلئے کئی بار پروف ریڈنگ کروائی گئی ہے، اگر آپ کسی غلطی پر مطلع ہوں تو براہِ کرم! اسلامک ریسرچ سینٹر المدینۃ العلمیہ کے ای میل

www.dawateislami.net

ایڈریس ilmia.office@gmail.com پر اطلاع دیں۔

آخر میں نگرانِ مجلس المدینۃ العلمیہ مولانا آصف خان عطاری مدنی اور رکنِ شوریٰ حاجی ابوماجد محمد شاہد عطاری مدنی زِیدَ مَجدُہما کا شکریہ ادا کیے بغیر بات مکمل نہیں ہو سکتی کہ اول الذکر تصنیف سے اشاعت تک تمام مراحل میں فعّال رہے جبکہ رکنِ شوریٰ قبلہ نے پوری کتاب کی تنظیمی تفتیش فرمائی، کئی مفید مشورے، مواد اور تصحیحات عطا کیں۔ اللہ پاک مصنف و معاونین سمیت تمام افراد کو اجرِ جزیل عطا فرمائے اور کتاب کو فروغِ سیرت کا ذریعہ بنائے۔

آمین بجاہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

شعبہ سیرتِ مصطفیٰ

5.9.2024

تصدیق نامہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

تاریخ: ۴ ربیع الاول ۱۴۴۶ حوالہ نمبر: 303

تصدیق کی جاتی ہے کہ کتاب

”سیرتِ مصطفیٰ جانِ رحمت“ (مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)

پر ”مجلس تفتیشِ کتب ورسائل“ کی جانب سے نظرِ ثانی کی کوشش کی گئی ہے۔ مجلس نے اسے عقائد، کفریہ عبارات اور فقہی مسائل وغیرہ کے حوالے سے مقدور بھر ملاحظہ کر لیا ہے، البتہ کمپوزنگ یا کتابت کی غلطیوں کا ذمہ مجلس پر نہیں۔

مجلس تفتیشِ کتب ورسائل (دعوتِ اسلامی)

09-9-2024

بسم اللہ الرحمن الرحیم شعبہ تفتیش کتب و رسائل

www.dawateislami.net

Go To Index

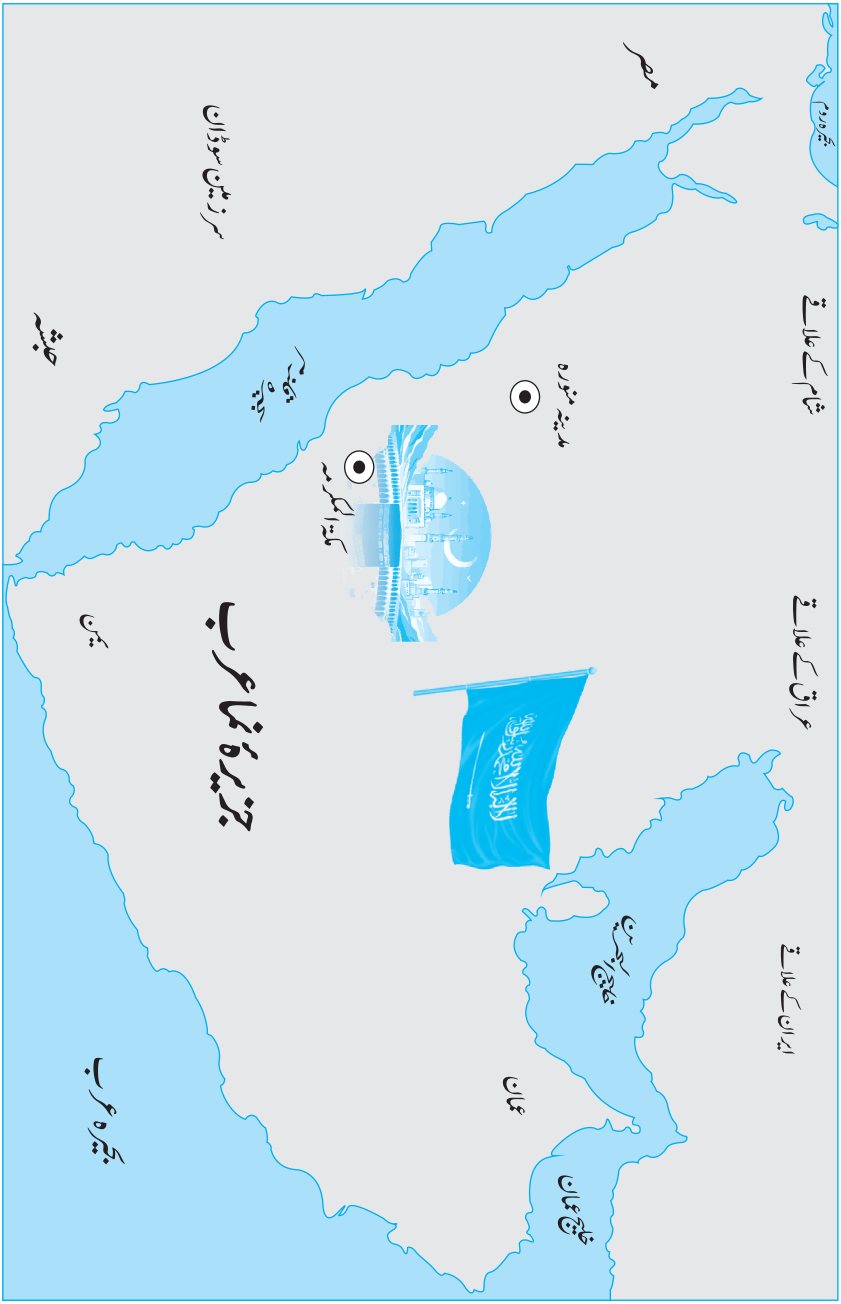
جزیرۂ نمائے عرب
مصر
بحیرۂ روم
شام کے علاقے
عراق کے علاقے
ایران کے علاقے
مدینہ منورہ
مکۂ مکرمہ
بحیرۂ احمر
سرزمین سوڈان
حبشہ
یمن
بحیرۂ عرب
عمان
خلیج عمان

Go To Index

پہلا باب

زمانۂ جاہلیت

The Age of Ignorance

زمانۂ جاہلیت

اس میں شک نہیں کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی آمد سے پہلے تقریباً ساری دنیا جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہی تھی، یہ اندھیرے اتنے گہرے تھے کہ اس وقت کو آج بھی "زمانۂ جاہلیت" کہا جاتا ہے۔ جاہلیت ایک صفت ہے لیکن یہ صفت ایک مخصوص عرصے میں اتنی زیادہ پائی گئی کہ یہ عَلَم (خاص نام) کے درجے تک پہنچ گئی ہے۔ آج کے دور میں "زمانۂ جاہلیت" ایک اصطلاح (مخصوص لوگوں کا خاص مفہومی معنیٰ) بن چکی ہے۔ امام ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جاہلیت" کا استعمال ماضی پر ہوتا ہے، اس سے مراد اسلام سے پہلے کا زمانہ ہے۔[1] جاہلیت کی نسبت جہل کی طرف ہے یعنی وہ کہ جس کے پاس علم نہ ہو یا وہ جو علم پر عمل نہ کرے۔ چونکہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ ایسے افعال اور اقوال کے عادی تھے جنہیں کوئی جاہل ہی ایجاد کر سکتا ہے اور جاہل ہی ان پر عمل کر سکتا ہے، اس لیے اس دور کو زمانۂ جاہلیت کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔ انسان اس وقت دنیا بھر میں اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی طور پر ذلت اور گراوٹ کے گہرے گڑھے میں منہ کے بل گرتا چلا جا رہا تھا۔ حالت یہ تھی کہ اُس وقت کی مہذب (تہذیب یافتہ) اور متمدن قومیں بھی جہالت کے افعال میں مبتلا تھیں۔ اُس دور کے ایران کا طویل و عریض خطہ ہو یا جنوبی ایشیا کے سرسبز و شاداب میدان، چین کی عظیم سلطنت ہو یا قیصر کی پُر عظمت (شان و شوکت والی) بادشاہت، مصر کی قدیم تہذیب ہو یا رومی سلطنت کے علاقے، تقریباً تمام جگہوں کے لوگ محرومیوں اور مایوسیوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے نظر آتے تھے، تقریباً ہر جگہ

[1] فتح الباری، 8/127

www.dawateislami.net

توحید کی شمعیں بجھ چکی تھیں اور شرک و الحاد کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں۔ گزشتہ انبیائے کرام کی تعلیمات بدل گئی تھیں اور وحیِ اِلٰہی کا چمکتا نور دھندلا گیا تھا۔ گنتی کے چند خوش نصیب افراد کے سوا خالق و مالک اللہ پاک کی وحدانیت کا پرچم لہرانے والا کوئی نہ تھا۔ اَلْغَرَض! چھٹی صدی عیسوی ایک ایسا دور تھا جب انسان نے عزت و کرامت کا لباس اتار پھینکا تھا اور جہالت و ظلم سے ناتا جوڑ لیا تھا۔ دنیا کے دیگر خطوں کی طرح جزیرہ نما عرب کی حالت بھی ہرگز بہتر نہ تھی، بلکہ یہ علاقہ جہالت اور ظلمت کے اعتبار سے دنیا کے کئی دوسرے حصوں سے آگے تھا۔

سرزمینِ عرب اور اہلِ عرب

"عرب" بَرِّاعظم ایشیا میں جنوب مغربی حصے کا ایک خطہ ہے۔ چونکہ اسے تین اطراف (سمتوں) سے سمندر نے گھیر رکھا تھا اس لیے اسے جزیرۂ عرب یا جزیرہ نما عرب بھی کہتے ہیں، جبکہ چوتھی سمت میں اس کی سرحدیں موجودہ عراق (1) اور موجودہ اُرْدن (2) سے ملتی ہیں۔ اس خطے میں سرسبز و شاداب زمینیں کم ہیں اور اس کا اکثر حصہ پہاڑوں اور ریگستانی صحراؤں پر مشتمل ہے۔ اپنے اسی محلِ وقوع کی بدولت یہ ایسا محفوظ رہا ہے کہ یہاں

(1) عراق (Iraq) مغربی ایشیا (Western Asia) کا قدیم ترین عرب ملک ہے، یہ انبیا کی سرزمین اور تیل کے ذخائر سے مالا مال ہے، پہلے سلطنتِ فارس کا حصہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح ہوا۔ اس کا سب سے بڑا شہر اور دارالحکومت بغداد (Baghdad) ہے۔ اب اس کی آبادی 43 ملین سے کچھ زائد ہے۔

(2) اُرْدن (Jordan) دریائے اردن کے مشرقی کنارے پر واقع مغربی ایشیا (Western Asia) کا ملک ہے۔ اس کا دار الحکومت عمان (Amman) ہے۔ اس کا زیادہ تر حصہ صحرائے عرب پر مشتمل ہے۔ تاہم شمال مغربی سرے پر ہلال نما کچھ زرخیز علاقہ بھی ہے۔ اب اس کی آبادی 11 ملین سے کچھ زائد ہے۔

بیرونی قوتوں کا قبضہ کرنا بہت مشکل ثابت ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم عرب کے باشندے مکمل آزاد اور خودمختار نظر آتے ہیں، حالانکہ یہ حصہ اُس وقت کی دو بڑی طاقتوں "رومی سلطنت (Roman Empire)" اور "ساسانی سلطنت (Sasanian Empire)" کا ہمسایہ تھا۔ یہاں کے عظیم صحرا اور اونچے اونچے پہاڑ اس خطے کی حفاظت کی وجہ بھی بنے اور دوسرے مذہبوں کی تعلیمات یہاں تک پہنچنے میں رکاوٹ بھی۔ چونکہ اس خطے کی قسمت خلیلُ الرّحمن حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے قدموں کی برکت سے چمکی اور انہوں نے رب کریم کی منشا کے تحت اِس بنجر و بیابان کو اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے ذریعے آباد فرمایا اسی لیے جزیرۂ عرب کے تقریباً تمام باشندے خود کو حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام کی طرف منسوب کرتے اور اس پر فخر بھی کرتے تھے۔ شروع شروع میں یہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی شریعت کے پابند بھی رہے اور آپ کی تعلیمات پر عمل پیرا بھی، لیکن جیسے جیسے زمانۂ نبوت سے ان کا دَور دُور ہوتا گیا تعلیماتِ ابراہیمی کی روشنی مدھم پڑنے لگی، نفسانی خواہشات، جہالت اور شیطانی وسوسوں کے تاریک سائے ہر طرف پھیلنے لگے۔

شہرِ مکہ کا ایک فضائی منظر

ایسے میں عَمرو بن لُحَیّ کا واقعہ [1] پیش آیا جس کی نحوست نے تقریباً پورے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے اہلِ عرب خدائے واحد کے ساتھ خود ساختہ (اپنے بنائے) بتوں کو بھی معبود ماننے لگ گئے اور طرح طرح کی گمراہیوں اور جہالتوں سے اپنی پیشانیاں داغ دار کرنے لگے۔ زمانۂ فترت [2] کے اس طویل عرصے میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دورِ مبارک کی بہت سی عبادات باقی رہیں لیکن ان نادانوں نے ان عبادتوں میں ایسی شرطیں اور قیدیں لگا دیں کہ عبادتوں کی روح فنا ہو گئی تھی۔

زمانۂ جاہلیت اور جنازہ

کچھ عبادتیں اور رسمیں یہ تھیں: اگر کوئی مر جاتا تو وہ اسے کفن پہناتے اور اس کا جنازہ بھی پڑھا کرتے تھے، لیکن جنازے میں رب کی حمد و تعریف اور رحمت و مغفرت کی دعائیں کرنے کے بجائے اُنہوں نے الگ طریقہ گھڑ رکھا تھا؛ وہ یہ کہ جب کوئی مر جاتا تو اسے کفن دے کر چار

[1] عَمرو بن لُحَیّ (لُ، حَ، یّ) بنو خزاعہ کا سردار تھا، زمانۂ جاہلیت میں جتنی عزت و مقام اسے ملا کسی کو نہ ملا، عرب کے کونے کونے میں اس کی عزت اور نام تھا، حج کے دوران یہ دس دس ہزار اونٹ ذبح کر کے کھلاتا، اتنے ہی عمدہ لباس پہناتا، یہ جو کرتا اور جو کہتا وہی دین بن جاتا، اہلِ عرب اس کی اطاعت کرتے۔ اس کے دور تک اہلِ عرب دینِ ابراہیمی کی روح پر قائم رہے اور بتوں کی عبادت سے بچے رہے، یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے دینِ ابراہیمی کو بدلا اور عربوں میں بڑی بڑی بدعتوں کا رواج ڈالا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ یہ کسی کام سے ملک شام گیا تو وہاں لوگوں کو بتوں کی عبادت کرتے دیکھا، یہ اس سے متاثر ہوا اور ان سے ایک بت مکہ لے آیا اور یہاں نصب کر کے اس کی عبادت کا حکم دیا۔ یوں عرب کے ہر گھر میں بت رکھا جانے لگا۔ (سیرتِ حلبیہ، 1/17 تا 20 ملخصاً) اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا اس کے بارے میں ارشاد ہے: میں نے عَمرو خزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں کھینچ رہا ہے۔ (بخاری، 2/480، حدیث: 3521 ملتقطاً)

[2] نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے درمیانی زمانے کو "فترت" کہتے ہے۔ (سیرتِ حلبیہ، 1/34 ماخوذاً)

www.dawateislami.net

پائی پر رکھ دیتے اور میت کا قریبی رشتہ دار پاس آکر مرنے والے کی خوبیاں بیان کرتا اور اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا پھر وہ اسے دفن کر دیتا۔ [1] اس طرح جنازے کی عبادت کا حقیقی مقصد خودستائی (اپنی تعریف) کرنے کے شوق کی نظر ہو گیا تھا۔

زمانۂ جاہلیت کا تلبیہ

اسی طرح وہ لوگ احرام باندھ کر حج اور عمرہ کرتے اور تلبیہ پڑھا کرتے تھے، لیکن ان میں سے بعض، تلبیہ میں ایسے جملے ملا دیتے کہ رب کی توحید اور وحدانیت کا عقیدہ بگڑ جاتا اور شرک کی گندگی گلے کا ہار بن جاتی۔ ان میں رائج تلبیہ کے الفاظ یوں تھے: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكٌ هُوَلَكَ تَمْلِكُهُ وَمَامَلَكَ [2] یعنی میں حاضر ہوں! اے اللہ! میں حاضر ہوں! تیرا شریک وہی ہے جس کا تو مالک ہے اور وہ شریک جن کا مالک ہے ان کا مالک بھی تو ہے۔

اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے حج میں دیگر مَن چاہی پابندیاں اور عجیب و غریب شرطیں بھی لگا دی تھیں جن کی وجہ سے یہ عبادت اپنے مقصد سے ہٹ کر ان کے نسلی تکبر اور تعصّب کے فروغ کا ذریعہ بن گئی تھی۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جب بھی کوئی احرام باندھتا تو بالوں کا ایک گچھا گلے میں ڈال لیتا، اسی طرح جب حج کر لیتا تو پھر ایک مخصوص گھاس کا پٹّا بنا کر گلے میں پہن لیتا۔ کچھ لوگ اپنے اونٹ یا خود اپنے گلے میں حرم کے درختوں کی چھال ڈال لیتے تھے۔ [3] جبکہ قریش نے بھی اپنے لیے الگ قوانین گھڑ لیے

---

1 الملل والنحل، 2/599

2 الملل والنحل، 2/597

3 تفسیر روح المعانی، پ7، المائدۃ، تحت الآیۃ: 97، 7/47

تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد ہیں اور ہم ہی قابل احترام ہیں، ہم مکے کے والی ہیں، مکے کے رہنے والے ہیں، ہمارے حق جیسا کسی عرب کا حق نہیں ہے، ہمارے مقام جیسا کسی کا مقام نہیں ہے۔ بیت اللہ کے جو حقوق ہم جانتے ہیں وہ کوئی اور نہیں جانتا، اس لیے حرم سے باہر کسی بھی چیز کی تم اتنی تعظیم مت کیا کرو جتنی حرم کی کرتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خود وقوفِ عرفہ چھوڑ دیا تھا، ان کی رائے میں باقی سب عربوں پر وقوفِ عرفہ لازم تھا لیکن چونکہ وہ خود اہلِ حرم تھے لہٰذا ان کیلئے مناسب نہ تھا کہ وہ حرم سے باہر کی چیزوں کی تعظیم کریں۔ [1] انہوں نے ایک اصطلاح بنائی "نَحْنُ الْحُمْسُ" اس کا مطلب تھا: اہلِ حرم، یعنی جو حرم والے ہیں ان کیلئے قوانین الگ ہیں اور لوگ جو حرم کے نہیں ہیں ان کے لیے پیمانے الگ ہیں۔ قریش نے اس اصطلاح میں دوسرے قبائل بھی شریک کر لیے اور انہیں بھی حمس والوں کے حقوق دے دیئے۔ یہ سب اس لیے تھا کہ ان میں اور دیگر عربوں میں امتیاز رہے۔

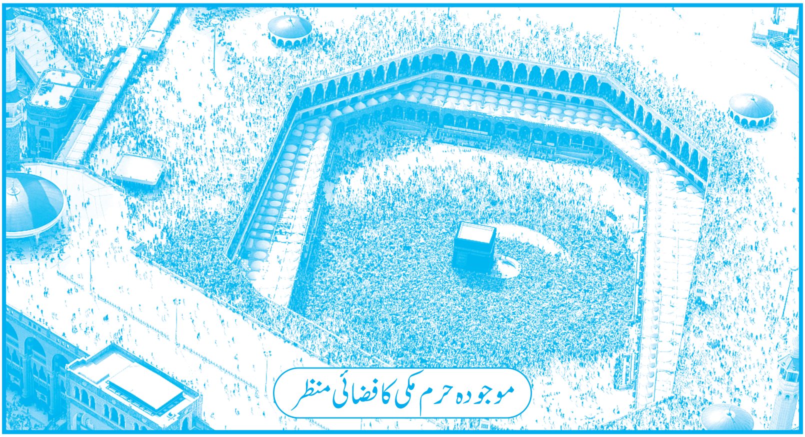
موجودہ حرم مکی کا فضائی منظر

1 بخاری، 3/180، حدیث: 4520 مفہوماً وماخوذاً – السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ص 80

سن 1204 ہجری کے حرمِ مکہ کی ہاتھ سے بنی ہوئی ایک تصویر

زمانۂ جاہلیت اور غیر حرم والے

ان برتریوں میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے اعلان کر دیا: ”جو حرم کے باہر سے آئیں انہیں وہ کھانا نہیں کھانا چاہیے جسے وہ اپنے ساتھ باہر سے لائے ہیں۔“ اسی طرح حرم سے باہر والوں کیلئے انہوں نے لازمی کر دیا کہ وہ پہلا طواف حمس والوں کے کپڑوں کے علاوہ کسی اور کپڑے میں نہ کریں، اگر حمس والوں کے کپڑے نہ ملیں تو ان کپڑوں میں طواف کیا جائے جنہیں حرم کے باہر سے لایا جائے، مگر طواف سے فارغ ہو کر یہ کپڑے پھینک دیئے جائیں اور ان کپڑوں کو اب کوئی نہ چھوئے۔ جبکہ اگر کوئی ان سب باتوں سے بچنا چاہے تو وہ ننگا ہو کر طواف کرے، یوں لوگ عرفات میں قیام کرتے، پھر وہاں سے روانہ ہوتے اور ننگے ہو

Go To Index

کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے، عورتیں بھی کھلی قمیص کے سوا سارے کپڑے اتار دیتی تھیں۔ ①
ایسی جاہلانہ رسومات اور شرائط کی وجہ سے انہوں نے حج و عمرہ جیسی مقدس عبادات کو تبدیل کر کے رکھ دیا تھا، یوں ان عبادات سے تقویٰ و پرہیز گاری کے بجائے فحاشی و عریانی کو فروغ ملنے لگا۔ عبادتوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے دیگر معاشرتی امور میں بھی ایسی ایسی جاہلانہ رسمیں پیدا کر ڈالیں جنہیں سوچ کر عقل حیران ہوتی ہے۔

زمانۂ جاہلیت کا قانونِ قصاص

زمانۂ جاہلیت میں رائج خرابیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ غریب اور امیر کیلئے معیار اور قانون الگ الگ تھا۔ وہ اپنے معاملات میں خود ساختہ تصورات کو سامنے رکھتے اور جس طرح من میں آتا ظلم و جبر کی داستانیں رقم کرتے تھے۔ قصاص کے معاملے میں ان کا یہ اصول تھا کہ مقتول اگر قوم کا بڑا ہے اور اس کا قاتل غریب، غلام یا فقیر ہے تو مقتول کے وارثین اصل قاتل کو قتل کرنے کے بجائے اس کے خاندان اور قبیلے سے مقتول کے پائے (برابر) کے کسی آدمی کو قتل کر دیتے تھے۔ یوں ایک شریف آدمی بغیر کسی جرم کے قصاصاً قتل کر دیا جاتا تھا حالانکہ اس کا قاتل سے کوئی قریبی تعلق یا واسطہ نہ ہوتا تھا۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی قبیلہ عزت و طاقت والا ہوتا اور اس کا کوئی غلام قتل کر دیا جاتا، قاتل کا تعلق کسی اور قبیلے سے ہوتا، تو اب طاقت ور قبیلے والے کہتے کہ ہم بدلے میں غلام نہیں آزاد قتل کریں گے۔ جب کوئی عورت قتل ہو جاتی تو وہ کہتے کہ ہم بدلے میں

---

① بخاری، 1/557، حدیث:1665 ملخصاً و ماخوذاً– السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ص 81

www.dawateislami.net

عورت نہیں مرد قتل کریں گے۔ یوں ہی جب ان کے قبیلے کا کوئی ادنی شخص قتل ہوتا تو وہ کہتے کہ ہم بدلے میں ادنی نہیں بلکہ کسی وڈیرے اور بڑے کو قتل کریں گے۔ ①

زمانۂ جاہلیت اور قانونِ دِیَت و فدیہ

اسی طرح ذات پات اور غربت و امیری کی بنیاد پر بنائے ہوئے قوانین کے تحت مقتول کی دِیَت② میں کمی اور زیادتی کے اعتبار سے درجہ بندی مقرر تھی، یوں بادشاہوں، قبائلی سرداروں اور وڈیروں کی دیت غریبوں، مسکینوں اور غلاموں کی دیت سے کئی گنا زیادہ ہوتی۔ سب سے زیادہ دیت بادشاہ کی ہوتی یعنی ایک ہزار اونٹ۔ گویا غریب کا خون بے قیمت تھا جبکہ امیر اور وڈیرے کی جان بہت قیمتی تھی۔ یہی اونچ نیچ قیدیوں کا فدیہ ③ دینے میں بھی ملحوظ رکھی جاتی، کوئی بادشاہ قیدی بنتا تو اس کا فدیہ ہزار اونٹ ہوتا، اسی طرح وزیروں، مشیروں، مال داروں اور طاقت وروں کا فدیہ اس سے کم ہوتا جبکہ عوام الناس کے فدیہ میں کم قیمت چیزیں وصول کی جاتی تھیں۔

زمانۂ جاہلیت اور غلامی

دورِ جاہلیت میں گھٹیا ترین طبقہ غلاموں④ کا تھا۔ ان سے ہر وہ کام لیا جاتا تھا جسے آزاد

---

1 تفسیر قرطبی، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ:187، 1/565

2 مقتول کے رشتہ دار قاتل کی جاں بخشی کے بدلے جو مال لیتے ہیں۔(بہار شریعت، 3/830، حصہ:18 ماخوذاً)

3 قیدی کی رہائی کے لیے دی جانے والی رقم کو فدیہ کہتے ہیں۔(فیروز اللغات، ص982)

4 غلام وہ انسان ہے جو کسی اور انسان کی ملکیت میں ہو۔ پرانے دور میں غلاموں کی خرید و فروخت کی جاتی تھی، یہ سلسلہ آمدِ اسلام سے پہلے ہی جاری تھا۔ سب سے پہلے اسلام نے اس نظام کی اصلاح کیلئے کوششیں کیں۔

www.dawateislami.net

آدمی اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا۔ یہ غلام زیادہ تر افریقہ کے حبشی ہوتے تھے جبکہ سفید رنگ کے غلام عراقی اور شامی علاقوں کے بازاروں سے لائے جاتے تھے۔ انسان جس طرح اپنے مال کو استعمال کرتا ہے ایسے ہی ان غلاموں کو استعمال کرتا تھا، جاہلیت کے قانون میں غلام کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ کسی بھی حال میں اپنی رائے کا اظہار کرے کیونکہ وہ ملکیت کے سامان اور جانوروں کی طرح تھا، اگرچہ وہ انسان تھا، اگرچہ اس میں روح تھی، اگرچہ اس کے پاس عقل تھی، اگرچہ اس کے پاس شعور تھا۔ یوں صرف غلام ہونے کی وجہ سے اس میں اور جانوروں میں کچھ خاص فرق نہ تھا۔

زمانۂ جاہلیت اور بیٹیاں

اپنی اولاد کسے پیاری نہیں ہوتی! انسان کیا، چرند، پرند، حیوانات یہاں تک کہ خونخوار جانور تک اپنی چھوٹی اولاد سے محبت کرتے ہیں۔ اولاد کا غم بے زبان جانوروں کی آنکھوں کو بھی نم کر دیتا ہے۔ اسی طرح بچے جیسے بھی ہوں اور جس کے بھی ہوں ہر نرم دل ان کی طرف کھنچتا ہے، لیکن دورِ جاہلیت میں عرب کے بعض لوگ جہالت، سفاکیت اور بے رحمی میں جانوروں سے بھی بڑھ گئے تھے، ان کی سنگ دلی کا عالم یہ تھا کہ اپنی سگی بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، جس کی بڑی وجہ جاہلانہ شرم اور غیرت تھی۔ اس تاریک دور میں لڑکی والدین کیلئے ذلت کا سبب سمجھی جاتی تھی، لڑکی کی پیدائش اس وقت کے لوگوں کو غم زدہ کر دیتی، وہ شرم کے مارے منہ چھپائے پھرتے، جب کچھ سجھائی نہ دیتا تو اپنے ہاتھوں سگی بیٹیوں کو زندہ دفن کر کے سینہ تان کے اپنی شرمندگی کا خاتمہ کرتے۔ تفسیر خازن میں ہے: زمانۂ جاہلیت میں

www.dawateislami.net

دستور تھا کہ جب کسی شخص کی بیوی کے ہاں ولادت کے آثار ظاہر ہوتے تو وہ شخص بچہ پیدا ہو جانے تک اپنی قوم سے چھپا رہتا، پھر اگر اسے معلوم ہوتا کہ بیٹا پیدا ہوا ہے تو خوش ہو جاتا اور اپنی قوم کے سامنے آ جاتا۔ جب اسے پتا چلتا کہ بیٹی پیدا ہوئی ہے تو وہ غمزدہ ہو جاتا، شرم کے مارے کئی دنوں تک لوگوں کے سامنے نہ آتا اور اس دوران غور کرتا رہتا کہ اس بیٹی کے ساتھ وہ کیا کرے؟ آیا ذلت برداشت کر کے اس بیٹی کو اپنے پاس رکھے یا اسے زندہ درگور کر دے جیسا کہ مُضَر، خُزاعہ اور تمیم قبیلے کے کئی لوگ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ [1]

زندہ بیٹی کنویں میں پھینک دی!

بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کے کئی دردناک واقعات احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ سُنن دارمی کی یہ روایت ملاحظہ فرمائیں کہ ایک شخص اپنی داستان کو یاد کرتے ہوئے اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کرنے لگا: یارسولَ اللہ! ہم زمانۂ جاہلیت میں بُت پرست تھے اور اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے، میری ایک بیٹی تھی، جب میں اس کو بلاتا تو وہ میرے بلانے پر خوش ہوتی تھی اور جواب دیتی تھی۔ ایک دن میں نے بلایا تو اس نے حسبِ معمول میری فرمانبرداری کی۔ میں اسے ساتھ لے کر چل پڑا اور گھر کے قریب ایک کنویں پر پہنچا، وہ کنواں زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور کنویں میں پھینک دیا، وہ ابوجان! ابوجان! چلّاتی رہ گئی، یہ اس کی زندگی کی آخری آواز تھی۔ یہ دردناک واقعہ سن کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حاضرین میں

---

1 تفسیر خازن، پ14، النحل، تحت الآیۃ: 59، 3/127، 128 ملتقطاً

www.dawateislami.net

سے ایک شخص نے داستان سنانے والے کو ملامت کی اور کہا کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو غم ناک کر دیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: اسے کچھ نہ کہو! یہ خود پر پڑنے والی مصیبت کا علاج پوچھنے آیا ہے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اس آدمی سے دوبارہ یہی واقعہ سنا اور اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے داڑھی مبارک کے بال تر ہو گئے، پھر آخر میں فرمایا: جاؤ! جاہلیت کے گناہ اللہ پاک نے معاف کر دیئے ہیں۔ اب نئے سرے سے عمل کرو۔[1]

زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج کی ان چند مثالوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ دور بھیانک ہونے کے ساتھ ساتھ سفاکی اور بے رحمی سے بھی بھرپور تھا۔ قرآنِ کریم نے ان حالات کو بڑے ہی جامع انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے: ﴿وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ(۱۶۴)﴾[2] ترجمہ: اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ یعنی رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی آمد سے پہلے اہلِ عرب جہالت میں گم تھے اور ہدایت سے جہالت اور حیرانی میں مبتلا تھے، ایسے نابینے تھے کہ نیکی کو پہچانتے تھے نہ برائی کو برا مانتے تھے، اللہ پاک نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ذریعے انہیں ہدایت عطا فرمائی۔[3] ایسے بھیانک اور پُر آشوب دور میں اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تشریف لائے اور اپنے نور سے نہ صرف عرب بلکہ زمین کے گوشے گوشے کو جگمگا کر رکھ دیا۔

1 سنن دارِمی، 1/14، حدیث:2

2 پ4، اٰلِ عمران:164

3 تفسیر خازن، پ4، اٰلِ عمران، تحت الآیۃ:164، 1/318، 319

www.dawateislami.net

عرب ہی کیوں؟

اللہ پاک نے مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو عربوں کے درمیان بھیجا اور جزیرۂ عرب کے بیابان اور ویران صحرا کو دینِ اسلام کی پہلی تجربہ گاہ بنایا۔ پھر زمانے نے دیکھا کہ دینِ حنیف کے ان اولین محافظوں نے سر پر کفن باندھ کر دینِ اسلام کی ایسی آبیاری کی اور دنیا بھر میں ایسی اشاعت کی کہ آج بھی ان کی کامیابیوں اور کامرانیوں پر عقلِ عالَم حیران ہے۔ اہلِ عرب علم سے بے بہرہ (خالی) تھے، ان میں کئی طرح کی خرابیاں اور

www.dawateislami.net

Go To Index

خامیاں موجود تھیں، ان کی اکثریت جہالت اور گمراہی میں غوطہ زن تھی، لیکن قدرت نے ان صحرا کے رہنے والوں کو اُس دور میں بھی بعض ایسے اوصاف و کمالات سے نواز رکھا تھا کہ پوری دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اللہ پاک نے انہیں ہمت و شجاعت، فصاحت و بلاغت، غیرت و حمیت، بے مثال حافظے کی قوت، دریا دلی و سخاوت اور معاملہ فہمی و فراست جیسی انمول صفات میں ایسا یکتا بنایا تھا کہ دنیا کی کوئی قوم اُن کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔ ان کی ہمت و شجاعت ضرب المثل تھی (اس کی مثالیں دی جاتی)۔ ویران صحراؤں اور ریگستانوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ان کی معیشت کے ذرائع کافی کمزور تھے لیکن جب وہ سخاوت پر آتے تو دریا بہا دیتے تھے۔ علم و شعور کی ان میں شدید کمی تھی لیکن ان کی قوتِ حافظہ انتہائی غیر معمولی اور قابلِ رشک تھی۔ راہِ ہدایت سے وہ کوسوں دور تھے لیکن دیگر امور میں ان کی فہم و فراست اور ذہانت بے نظیر و بے مثال تھی۔ ان میں غدر، دھوکا اور فریب عام تھا لیکن جب وہ کسی سے وعدہ کر لیتے تو پورا کرنے کیلئے جان کی بازی لگا دیتے تھے۔ بعض عبادات میں فحاشی و عریانی کو فروغ دینے والے وہ خود تھے لیکن اپنی عزت و ناموس کے معاملے میں اتنے حساس تھے کہ کشتوں کے پشتے (لاشوں کے ڈھیر) لگا دیتے تھے۔ یوں عرب کے وہ صحرا نشین اوصافِ حمیدہ سے متصف تو تھے لیکن صحیح راہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے وہ ان انمول نعمتوں کو غلط راہوں پر خرچ کر رہے تھے۔ ان کی سخاوت و فیاضی خیر خواہی کے بجائے ناموری اور خود ستائی کیلئے ہوتی، ان کی قوتِ حافظہ اور عالیشان فصاحت نیکی کے فروغ کے بجائے زبان و بیان کا سکہ جمانے کیلئے ہوتی، ان کی ہمت و شجاعت عَلَمِ حق لہرانے کے بجائے انانیت کی تسکین اور قبائلی تعصب کیلئے ہوتی، ان کا ایفائے عہد سچائی کے فروغ اور معاشرے کی تعمیر کے بجائے شہرت اور نام و نمود کی ہوس میں ہوتا، یوں ان کی

طبیعتوں میں صاف شفاف انسانی فطرت کے جلوے دکھائی دیتے۔ انہیں بس ایک ایسے راہنما کی ضرورت تھی جو انہیں غلط راہوں کی بجائے حق کی راہ کا راہی بنائے، انہیں ایک ایسے مربی اور مصلح (اصلاح کرنے والے) کی ضرورت تھی جو ان کی خداداد صلاحیتوں کو جانچے اور پھر انہیں نکھار کر ٹھیک جگہ استعمال کرے۔ اللہ نے اپنے آخری نبی، محمدِ عربی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو اسی لیے عرب میں بھیجا کہ وہ یہاں تشریف لا کر اہلِ عرب کے اوصاف کو صحیح راہ دکھائیں اور وہ جو پہلے قدرت کے ان انمول خزانوں کو غلط راہوں میں لُٹا رہے تھے بعد میں انہی کے فیضان سے دنیا کو مالا مال کریں۔

عرب سرزمین کو اسلام کا اولین مرکز بنانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے کی معلوم دنیا کے نقشے کو دیکھا جائے تو مکہ شریف و مدینہ پاک تقریباً نظر آتے ہیں، قدرت نے عرب کا محلِ وقوع ایسا بنایا ہے کہ یہ دنیا کے تین برِّاعظموں یعنی ایشیا، یورپ اور افریقا کے درمیان ہے۔ یوں ہر وہ تحریک اور آواز جو عرب سے پیدا ہو ان تینوں برِّاعظموں تک اس کا پہنچنا نسبتاً آسان و سہل ہے۔ اس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ پوری دنیا کی ہدایت وراہنمائی کیلئے سب سے مناسب اور بہترین مقام عرب شریف ہی تھا۔[1]

”لوہے کو لوہا کاٹتا ہے“ یہ مشہور مثال بھی ہے اور ایک ثابت شدہ حقیقت بھی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ کسی کو زیر کرنے کیلئے اسی جیسا طاقتور چاہیے ہوتا ہے۔ اب ہونا یہی چاہیے تھا کہ وہ اہلِ عرب جو پتھروں سے زیادہ سخت دل تھے اور معمولی باتوں پر خون ریزی اور قتل و غارت گری کرنا جن کا محبوب مشغلہ تھا انہیں زیر کرنے کے لئے ان سے سخت تر کو

[1] سیرتِ مصطفیٰ، ص42- جلوۂ جاناں، 1/41 ملخصًا

بھیجا جاتا، لیکن ایسے سرپھروں کی اصلاح کیلئے سراپا رحمت و شفقت، سراپا کرم و احسان اللہ پاک کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم تشریف لائے اور یہ آپ ہی کی شان ہے کہ تھوڑے ہی عرصے میں ان سنگ دلوں کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا کر رکھ دیا۔

ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دنیا بھر کے لوگوں کی اصلاح کی کوششیں وہاں سے شروع کی جائیں جہاں سب سے زیادہ جہالت اور ظلمت کا راج ہے۔ اسی لیے وہ خطہ جو پوری دنیا میں سب سے زیادہ تاریک تھا، رشد و ہدایت کا سورج سب سے پہلے وہیں طلوع ہوا اور اسی سرزمین کو روشن کیا، جب سب سے تاریک حصہ ہدایت کے سورج کی کرنوں سے روشن ہو گیا تو دیگر خطوں کو نورِ توحید سے روشن کرنا اور آسان ہو گیا۔ اللہ پاک اس ہدایت کے سورج کی تابانی اور روشنی سے ہمارے دلوں کو بھی اجالا نصیب فرمائے۔

آمین بجاہِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھنے کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: زمانۂ جاہلیت سے کیا مراد ہے؟ اس کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟ نیز اُس زمانے میں ایسے کیا افعال ہوا کرتے تھے جس کی وجہ سے اسے ”زمانۂ جاہلیت“ کہہ کر یاد کیا جاتا ہے؟

سوال: زمانۂ جاہلیت میں لوگوں نے جنازے اور حج کے لئے کیا طریقہ اختیار کر لیا تھا؟

سوال: قریش نے حرم اور غیرِ حرم والوں کے لئے کیا قوانین بنائے تھے؟

سوال: قرآنِ کریم کی کس آیت میں زمانۂ جاہلیت کے حالات کی طرف اشارہ ہے؟

سوال: اللہ پاک نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو اہلِ عرب میں ہی کیوں بھیجا؟

دوسرا باب

مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے آباء واَجداد

The Blessed forefathers of the Greatest and Final Prophet صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

خاندانِ مصطفیٰ

کائنات میں سب سے افضل مخلوق "انسان" ہے۔ انسانوں میں دو قسمیں ہیں: (1)عربی،(2)عجمی۔ عربی عجمیوں پر فضیلت رکھتے ہیں عربوں کے تمام قبیلوں میں قریش کو فضیلت ہے۔ قریش میں کئی خاندان ہیں، بنو ہاشم کا خاندان سب سے فضیلت والا ہے۔ یہی وہ خاندان ہے جس میں اللہ پاک نے اپنے پیارے اور آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو پیدا فرمایا۔ چنانچہ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا فرمان ہے: اللہ پاک نے مخلوق بنائی تو مجھے بہترین مخلوق میں رکھا، پھر اس کے دو حصے کئے، مجھے ان میں سے بہتر حصے میں رکھا، پھر قبیلے بنائے تو مجھے بہتر قبیلے میں رکھا اور خاندان بنائے تو مجھے بہترین خاندان میں پیدا فرمایا، تو میں ان سب میں اچھی ذات والا ہوں اور میرا خاندان بھی تمام خاندانوں سے بہتر ہے۔[1] سید الملائکہ حضرت جبرائیل علیہ السّلام بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں: میں نے زمین کی تمام جگہوں کو چھان مارا مگر نہ تو میں نے آپ سے بہتر کسی کو پایا اور نہ ہی میں نے بنی ہاشم کے گھر سے بہتر کوئی گھر دیکھا۔[2]

آباء واجداد سارے مؤمن

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے تمام آباء و اجداد اللہ پاک کی توحید کے قائل تھے۔ قرآنِ پاک کی آیتِ مبارکہ ﴿وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝۲۱۹﴾[3] ترجمہ: اور نمازیوں

1 ترمذی، 5/351، حدیث:3627-5/314، حدیث:3543
2 معجم اوسط، 4/372، حدیث:6285
3 پ19، الشعراء:219

www.dawateislami.net

میں تمہارے دورے کو (اللہ پاک ملاحظہ فرماتا ہے)۔ میں بعض مفسرین کے نزدیک ساجدین سے مومنین مراد ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباءواَجداد سب کے سب مومن ہیں۔[1] خود اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم فرماتے ہیں: ”لَمْ اَزَلْ اُنْقَلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ“ یعنی میں ہمیشہ پاکیزہ مردوں کی پشتوں سے پاکیزہ بیبیوں کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔[2] اس حدیث میں بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام اور حضرت حوا سے لے کر آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم تک آپ کے سارے آباءواجداد میں سے کوئی بھی کافر نہ تھا کیونکہ کافر کو پاکیزہ نہیں کہا جاسکتا۔[3]

نسبِ مصطفیٰ

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا نسب مبارک بعض نے حضرت آدم علیہ السّلام اور بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام تک بیان کیا ہے، لیکن خود رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم جب اپنے نسب کا تذکرہ فرماتے تو حضرت عدنان تک ایسے بیان فرماتے: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبدِ مَناف بن قُصَی بن کِلاب بن مُرہ بن کَعب بن لُوی بن غالب بن فِہر بن مالک بن نَضر بن کِنانہ بن خُزیمہ بن مُدرِکہ بن اِلیاس بن مُضَر بن نِزار بن مَعَد بن عدنان۔[4]

1 تفسیر خازن، پ19، الشعراء، تحت الآیۃ:219، 3/ 398
2 تفسیرِ کبیر، پ7، الانعام، تحت الآیۃ:74، 5/ 33
3 السیرۃ النبویۃ لدحلان، 1/ 41
4 بخاری، 2/ 573

www.dawateislami.net

Go To Index

شجرۂ نسب کا نقشہ

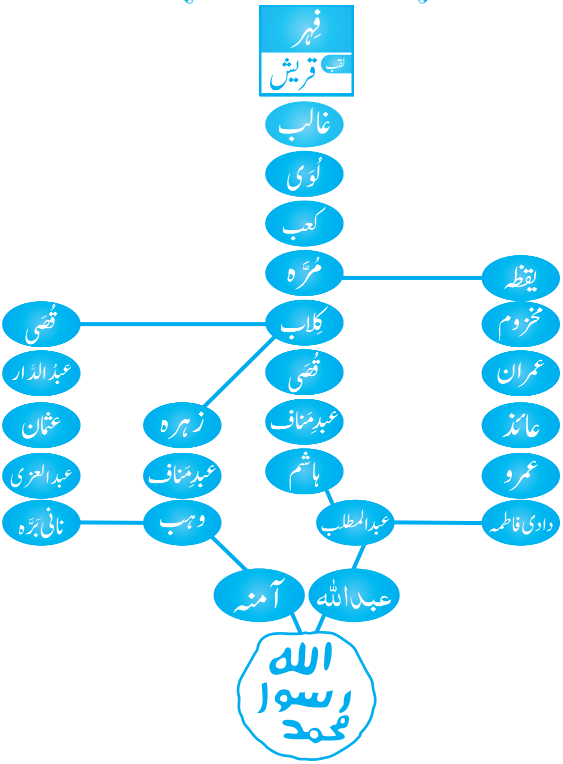

اس خاندان میں جنابِ فہر بن مالک کو ”قریش“ کا لقب ملا، اس کے بعد یہ لقب ہر طرف مشہور ہو گیا۔ انہی سے اس خاندانِ عالیشان کی مبارک ہستیوں[1] کے حالات مختصراً پیشِ خدمت ہیں:

---

1 ہم نے ان مقدس ہستیوں کے چنیدہ حالات ماہنامہ فیضان مدینہ (ستمبر 2023 تا دسمبر 2023) کے مضامین بنام ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے آباء واجداد“ سے شامل کیے ہیں۔

حضرتِ فِہر

حضرتِ فِہر کی والدہ جندلہ بنتِ عامر جُرہُمی ہیں۔ (1) جبکہ والد کا نام "مالک" ہے۔ یہ اہلِ مکہ اور آس پاس کے قبیلوں کے سردار اور بڑے جاہ و جلال کے مالک تھے۔ انہی کے زیرِ قیادت اہلِ قریش اور اہلِ عرب بیت اللہ شریف کی حفاظت کیلئے ایک یمنی سے گھمسان کی جنگ لڑے اور کامیابی حاصل کی۔ (2) ایک قول کے مطابق انہی کا نام قریش تھا جس کی وجہ سے ان کی اولاد قریش کے عالمگیر نام سے مشہور ہوئی۔ (3) ان کے چار بیٹے تھے: (1) غالب، (2) مُحارب، (3) حارث اور (4) اسد۔ (4)

حضرتِ غالب

حضرت غالب کی والدہ لیلیٰ بنتِ حارث ہیں۔ (5) ان کی کنیت ابو تیم تھی ان کے دو بیٹے تھے: (1) لُویّ (لُ، وَ، یّ) اور (2) تیم۔ ٹھوڑی (ہونٹوں کے نچلے حصے) میں نقص کی وجہ سے انہیں "تَیمُ الاَدْرَم" کہا جاتا تھا۔ (6)

حضرتِ لؤیّ

ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنتِ یخلد (یَخ، لُد) ہے۔ (7) قدرت نے انہیں بچپن سے ہی حکمت

---

1. طبقاتِ ابن سعد، 1/54
2. تاریخ طبری، 6/531
3. الروض الانف، 1/187، 188
4. السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص42
5. طبقاتِ ابن سعد، 1/54
6. سبل الہدیٰ والرشاد، 1/280
7. طبقاتِ ابن سعد، 1/54

ودانائی اور حلم وبردباری عطا فرمائی تھی، ایسے حکیم تھے کہ ان کے جملے بچپن سے ہی ضرب المثل (کہاوت) بن جایا کرتے تھے۔[1] ان کے سات بیٹوں میں سب سے بڑے کعب ہیں۔[2]

حضرتِ کعب

ان کی والدہ کا نام ماوِیّہ بنتِ کعب ہے۔[3] یہ جمعہ کے دن اپنی قوم کو خطبہ دیا کرتے، ان کا خطبہ خوبصورت الفاظ کا نگینہ اور وعظ ونصیحت کا خزینہ ہوتا تھا۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے خطبے میں ”اَمَّا بَعْد“ کہا۔ اہلِ عرب ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ یہ کعبہ شریف میں مصروفِ نماز تھے جب دشمن نے حملہ کر دیا، لیکن انہوں نے ثابت قدمی سے نماز جاری رکھی اور اسی روز جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مبعوث ہونے اور ان کی شہادت میں 560 سال کا فاصلہ ہے۔[4] امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نسب انہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے نسب پاک میں مل جاتا ہے۔[5] ان کے تین بیٹے تھے: (1) مُرہ، (2) عَدی اور (3) ہُصَیْص۔[6]

حضرتِ مُرَّہ

ان کی والدہ مَخْشِیَّہ بنتِ شَیبان کنانی ہیں۔[7] ان کی اولاد میں تین بیٹے تھے: (1) کِلاب

---

1 سبل الہدیٰ والرشاد، 1/279، 280
2 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص42
3 طبقاتِ ابن سعد، 1/54
4 سبل الہدیٰ والرشاد، 1/278، 279-السیرۃ النبویۃ لدحلان، 1/19
5 فیضانِ فاروقِ اعظم، 1/37
6 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص45
7 طبقاتِ ابن سعد، 1/54

www.dawateislami.net

(2)یَقَظہ اور(3) تَیم۔ آخر الذکر (تیم) بنو تیم کے جدِ امجد ہیں۔جو حضرت ابو بکر صدّیق اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کا قبیلہ ہے۔یقظہ بنو مخزوم کے جدِ امجد ہیں۔ ①

حضرتِ کلاب

ان کی والدہ کا نام ہند بنتِ سُرَیر کِنَانی ہے۔ ان کی کنیت ابوزُہرَہ اور نام حکیم یا عُروہ ہے۔ کثرت سے شکار کھیلنے کی وجہ سے کِلاب کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ② یہ اپنے والد اور دادا کی طرح اہلِ عرب میں شرف وعزت میں بے مثال تھے۔ عربی مہینوں کے جو نام رائج ہیں انہی کے رکھے ہوئے ہیں۔ ③ ان کی اولاد میں دو بیٹے تھے: (1) قُصَیّ اور (2) زُہرَہ۔ زہرہ بنو زہرہ کے جدِ امجد ہیں۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے خاندان کا نسب انہی سے ملتا ہے۔ ④

حضرتِ قُصَیّ

ان کی والدہ فاطمہ بنت سعد ہیں۔ ان کا اصل نام زید اور کنیت ابو مغیرہ ہے۔ قصی کے معانی دُور، بچھڑا ہوا اور غریب الوطن ہیں۔ آپ کا یہ نام اس لئے مشہور ہوا کہ آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ کی والدہ نے مکہ سے باہر کے ایک شخص سے نکاح کر لیا، ان کی عمر اس وقت کم تھی تو وہ انہیں بھی اپنے ساتھ اپنے علاقے میں لے گیا اور پھر کچھ عرصہ بعد آپ مکہ شریف واپس آ گئے، یوں بچپن کا کچھ عرصہ وطن سے باہر گزارنے کی وجہ سے آپ قصی کے

1 سبل الہدیٰ والرشاد، 1/278
2 طبقات ابن سعد، 1/54
3 نہایۃ الارب فی فنون الادب، 1/149
4 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص48

www.dawateislami.net

نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا نکاح بنو خُزاعہ کے سردار اور کعبہ شریف کے نگران و منتظم حُلَیْل کی بیٹی حبی (حُ،ب،یّ) سے ہوا۔ حلیل کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابوغبشان کعبہ شریف کا متولی ہوا۔ حضرت قصی نے اس سے تولیت (انتظام سنبھالنے) کا حق خرید لیا۔ اس پر اس کے خاندان بنو خزاعہ اور بنو بکر کو اپنی فکر پڑ گئی کہ کہیں ہم اپنے منصبوں سے محروم نہ ہو جائیں تو یہ جنگ کی تیاری کرنے لگے، حضرت قصی نے یہ دیکھ کر اپنے خاندان کو مدد کے لئے بلایا، جب جنگ ہوئی تو کوئی بھی فاتح نہ ہو سکا، دونوں گروہ نے صلح کرنے کا سوچا، ایک شخص کو حَکَم (فیصلہ کرنے والا) بنایا گیا، اس نے خون بہا معاف کر دیا اور حضرت قصی کو کعبہ شریف کا متولی بنا دیا۔ چنانچہ حضرت قصی نے بنو خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ شریف سے نکال دیا اور قریش جو عرب کے مختلف علاقوں میں بکھرے ہوئے تھے انہیں مکہ شریف میں جمع کر دیا۔ قریش کا معنٰی ہے: جمع کرنا۔ قریش کو یہ نام دینے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت قصی نے عرب میں بکھرے ہوئے اپنے قبیلے کو مکہ شریف میں جمع کیا تو اس خاندان کو قریش کہا جانے لگا۔[1] اہلِ قریش نے حضرت قصی کو اپنا حاکم و سربراہ مان لیا۔ آپ نہایت ذہین، بلند ہمت، بہادر اور قریش کے اہم ترین سردار تھے، آپ کی رائے عمدہ اور قول سچا ہوتا، سخاوت کے دریا اور پاک وصاف کردار کے مالک تھے، قریش آپ کے کارناموں پر فخر کرتے تھے۔ خود بھی حاجیوں کی خدمت کرتے اور قریش کو بھی اس پر ابھارتے تھے۔ انہوں نے مکہ شریف کے کاموں کا ایک سسٹم بنایا اور کاموں کی تقسیم کاری کی، انہوں نے

---

1 السیرۃ النبویۃ لدحلان، 1/ 22

www.dawateislami.net

سقایہ،(1) رفادہ،(2) ندوہ،(3) حجابہ،(4) لواء(5) اور قیادہ(6) کے منصب بنائے۔ان کے چار بیٹے تھے: (1)عبد مناف، (2)عبد الدار، (3)عبد العزیٰ اور (4)عبد بن قصی۔ انہوں نے سقایہ اور ندوہ عبد مناف، حجابہ اور لواء عبد الدار اور رفادہ عبد العزیٰ کے سپرد کیے، جبکہ وادیِ مکہ کی حفاظت (یعنی قیادہ کی ذمہ داری) عبد بن قصی کے حوالے کی۔ ان کا وصال مکہ شریف میں ہوا اور حَجُون(7) میں دفن کئے گئے۔بعد میں ان کے خاندان والوں کو بھی یہیں دفن کیا جانے لگا۔ آج کل اس مقام کو جنّت المعلیٰ کہا جاتا ہے۔

---

1 سِقایہ ایک منصب ہے، جس کے تحت حاجیوں کو پانی پلایا جاتا تھا۔(السیرۃ النبویۃ لدحلان،1/ 25،26ملخصًا)

2 رِفادہ ایک منصب ہے جس کے تحت حاجیوں کو کھانا کھلانے اور ان کی حاجات پوری کرنے کی ذمّہ داری نبھائی جاتی تھی۔(السیرۃ النبویۃ لدحلان،1/ 25)

3 ندوہ کے منصب کے تحت قریش اپنے سارے فیصلے کیا کرتے تھے۔حضرت قصی نے ایک عمارت بنائی جسے دار الندوہ کہا جاتا تھا۔(السیرۃ النبویۃ لدحلان،1/ 25)

4 حجابہ ایک منصب ہے جس کے تحت کعبہ شریف کے انتظامی امور سر انجام دیئے جاتے تھے۔ (السیرۃ النبویۃ لدحلان،1/ 26،27)

5 لواء کے منصب کے تحت جنگی معاملات کی نگرانی ہوتی تھی۔(السیرۃ النبویۃ لدحلان،1/ 27)

6 قیادہ کے منصب پر فائز سردار تجارتی قافلوں اور جنگوں کی قیادت کیا کرتا تھا۔(السیرۃ النبویۃ لدحلان،1/ 25ماخوذاً)

7 حَجُون ایک پہاڑ کا نام ہے،اس کے دامن میں موجود قبرستان کو حجون کہتے تھے،اب اس کا نام جَنَّتُ الْمَعْلٰی ہے، یہ مکہ شریف کا مشہور ترین قبرستان ہے جو حجون روڈ پر حرم شریف سے المعابدہ محلے کی طرف جانے والے شخص کے دل کی جانب پڑتا ہے۔حرم شریف سے اس کا فاصلہ ایک سے ڈیڑھ کلو میٹر ہے۔اِس کا کل رقبہ ایک لاکھ مربع میٹر ہے،لیکن اب حَجُون پہاڑ کی کٹائی کرکے اس میں مزید توسیع کا کام جاری ہے۔جَنَّتُ الْمَعْلٰی دنیا کا دوسرا سب سے افضل قبرستان ہے۔(مختلف ویب سائٹس سے ماخوذ) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے جَنَّتُ الْمَعْلٰی کے متعلق ارشاد فرمایا:"یہ کیا ہی اچھا قبرستان ہے۔"(مسند احمد،1/ 785،حدیث:3472)

جحون پہاڑ کے دامن میں موجود قبرستان (جنت المعلیٰ) کی تصویر

حضرت عبدِ مناف

ان کا نام مُغِیرہ ہے۔ والدہ کا نام حُبَیّ بنت حُلیل بن حُبْشِیّہ خزاعی ہے۔ عبدِ مناف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنے زمانے میں اخلاق و اوصاف میں اعلیٰ و ارفع تھے۔ یہ بڑے حسین و جمیل، ذہین و عقیل تھے، ان کا لقب قَمَرُ الْبَطْحَاء (مکے کا چاند) تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ

Go To Index

وسلم کا نور ان کے چہرے سے چمکتا تھا، یہ اپنے عظیم والد کے بہترین جانشین ثابت ہوئے۔ انہوں نے کئی بادشاہوں سے اہلِ مکہ کے لئے تجارتی قافلوں کے پرمٹ حاصل کئے تاکہ کاروبار کا دائرہ وسیع ہو۔ ان کے چار بیٹے ہوئے: (1)ہاشم، (2)عبدِ شمس، (3) نَوفل اور (4)مطلب۔ [1] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نسب عبد شمس کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرتِ ہاشم

ان کی والدہ عاتکہ بنت مُرہ ہیں۔ [2] ان کا اصل نام عمرو یا عمر، کنیت ابوالبطحا، لقب سید البطحا اور ہاشم تھا۔ آپ کو ہاشم یوں کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مکہ شریف میں شدید قحط پڑا، فاقوں تک نوبت پہنچ گئی، یہ شام گئے اور وہاں سے آٹا خرید کر اونٹوں پر لاد کر حج کے ایام میں مکہ شریف آئے، قطار در قطار اونٹ ذبح ہوتے رہے اور ان کا شوربے والا سالن تیار ہوا، روٹیاں پکائی گئیں اور انہیں توڑ توڑ کر سالن میں ڈالا گیا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو دسترخوان بچھا کر خاص وعام سب کو کھانے کی دعوت دی، سب نے پیٹ بھر کر کھایا، اس کھانے کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ لوگ خود کفیل (اپنے خرچے خود اٹھانے کے قابل) ہو گئے۔ اسی وجہ سے آپ کو ہاشم کہتے ہیں کہ ہاشم کا معنٰی ہے، روٹیاں توڑ توڑ کر شوربے میں ملانے والا۔ یہ حُسنِ سلوک کے پیکر، بڑے حسین و جمیل اور ذہین و فطین تھے۔ یہ مالدار بھی تھے اور سخی بھی، ان کے جود و کرم کا بادل ہر وقت برستا رہتا، تنگی ہوتی یا آسانی ان کا دستر خوانِ کرم مہمانوں کے لئے بچھا رہتا۔ ان کے چہرے سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا

---

1 سبل الہدیٰ والرشاد، 1/269 ماخوذاً
2 طبقاتِ ابن سعد، 1/53

www.dawateislami.net

نور درخشاں (چمکتا) تھا، جو دیکھتا فدا ہو جاتا۔ قیصر نے ان کے اوصاف انجیل میں پڑھے تھے، یوں اپنی شہزادی کا پیغامِ نکاح بھیجا مگر اِنہوں نے منع کر دیا۔[1] اِنہی کے دور میں عبدِ مناف اور عبد الدار کی اولادوں میں چھ منصبوں پر اختلاف ہو گیا، قریش دو حصوں میں بٹ گئے۔ مصالحت کے بعد یہ طے پایا کہ رفادہ، سقایہ اور قیادہ کے منصب عبد مناف اور حجابہ ولواء کے منصب عبد الدار کے پاس رہیں گے۔ جبکہ دار الندوہ دونوں میں مشترک ہو گا۔ اسی تقسیم کے تحت رفادہ اور سقایہ کے منصب حضرت ہاشم کے پاس تھے۔ آپ نے گرمیوں میں شام اور سردیوں میں یمن کے دو سفروں کا آغاز کیا۔

ایک دفعہ شام کی طرف سفر کرتے ہوئے راستے میں آپ نے مدینہ شریف (اُس وقت کے یثرب) میں قیام کیا۔ قبیلہ خزرج کے سردار عمرو بن زید کے ہاں مہمان بنے، عمرو نے اپنی پیاری بیٹی سلمیٰ کا نکاح ان سے اس وعدے پر کیا کہ جب یہ امید سے ہوں گی تو انہیں میرے گھر لانا ہو گا، تاکہ پہلے بچے کی ولادت ننھیال میں ہو۔ یہ نکاح کے بعد شام گئے، واپسی پر زوجہ کو لیتے ہوئے مکہ شریف آگئے۔ جب زوجہ امید سے ہوئیں تو وعدے کے مطابق انہیں مدینہ پاک چھوڑ کر خود تجارتی سفر پر شام چلے گئے، مدینہ شریف میں ان کے بیٹے کی ولادت ہوئی، اس کا نام شیبۃ الحمد رکھا گیا، جو بعد میں عبد المطلب کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرتِ ہاشم تجارتی قافلے کے ہمراہ جب غزہ[2] پہنچے تو بیمار ہو گئے، ایسے بیمار ہوئے کہ وہیں پر راہیِ ملکِ بقا

[1] سبل الہدیٰ والرشاد، 1/268تا270-السیرۃ النبویۃ لدحلان، 1/27، 28

[2] غزہ (Gaza) فلسطین میں عسقلان کی مغربی جانب ایک شہر ہے۔ اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: "طُوبٰی لِمَنْ أَسْكَنَهُ اللهُ إِحْدَى العَرُوْسَيْنِ عَسْقَلانَ وغزة" ترجمہ: شادمانی ہے اسے جسے اللہ پاک دو دلہنوں عسقلان یا غزہ میں سے ایک میں بسائے۔ (مسند الفردوس، 2/47، حدیث: 3753) یہ شہر دورِ فاروق اعظم میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا۔ (آثار البلاد واخبار العباد، ص227)

www.dawateislami.net

ہوگئے(آپ کی وفات ہوگئی)۔ آپ کا مزار غزہ شہر میں ہے۔ (1) آپ کے چار بیٹے ہوئے:
(1)عبدالمطلب،(2)اسد،(3)ابو صَیفیِّ اور(4)نضلہ۔ (2)

حضرتِ عبدالمطلب

ان کی پیدائش اپنے ننھیال مدینہ شریف(اس وقت کے یثرب)میں ہوئی،ان کے سر کے کچھ بال سفید تھے،اسی لیے نام شَیْبَۃُ الحمد(وہ بوڑھے جن کی بڑائی و عظمت کی تعریف کی جائے) رکھا گیا۔ان کی کنیت ابوالحارث اور ابوالبطحا ہے۔ یہ پیدائش کے بعد مدینہ شریف میں رہے،جب سات سال کے ہوئے تو ان کے چچا مطلب انہیں مکہ شریف لے آئے،جب کوئی پوچھتا:یہ کون ہے؟تو کہتے:عبدالمطلب(مطلب کا غلام)۔ اسی وجہ سے عبدالمطلب کے لقب سے ہی پکارے جانے لگے۔جب آپ جوان ہوئے تو رِفادہ اور سِقایہ کے منصب آپ کو سونپ دیئے گئے۔ (3) حضرت عبدالمطلب طویل قد،مضبوط جسم کے ساتھ خوبصورت اور سنجیدہ طبیعت تھے۔ (4) آپ بلند ہمتی،جودوسخاوت،جوانمردی اور دوسرے نیک اوصاف کی وجہ سے اہلِ مکہ کی آنکھوں کا تارہ تھے۔ ان کا چہرہ نورِ مصطفٰی سے ایسا روشن تھا کہ نور کی کرنیں پھوٹتیں،جسم سے خوشبو کی لپٹیں اٹھتیں،نین و نقش سے برکت کے آثار نمایاں رہتے،دعائیں کرتے تو قبول ہوتیں،آپ وہ پہلے شخص ہیں جو رَمَضان شریف کے آتے ہی غارِ حرا میں جاکر مصروفِ عبادت ہوجاتے،قحط میں آپ کے وسیلے سے دعائیں مانگی جاتیں تو

1 سبل الہدیٰ والرشاد،1/262
2 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام،ص47
3 السیرۃ النبویۃ لدحلان،1/25تا30
4 طبقات ابن سعد،1/66ماخوذاً

www.dawateislami.net

جل تھل ہو جاتا، اپنی اولاد کو نیک اوصاف اور حُسنِ سلوک کی تلقین کرتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی اولاد میں بھی یہ اوصاف نظر آتے ہیں۔

برسوں پہلے زم زم کا کنواں بند ہو گیا تھا اور لوگ اسے بھلا بیٹھے تھے، اِنہوں نے اپنے بیٹے حارث کے ساتھ مل کر کھدائی کی تو رب کے فضل و نصرت سے اسے دریافت کرنے میں کامیاب ہوئے۔[1] انہی کے دور میں ابرہہ کا مشہور واقعہ پیش آیا، جسے واقعہ فیل[2] بھی کہا جاتا ہے۔ اپنی حیات میں رفادہ اور سقایہ کے منصب انہی کے پاس رہے جو ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں ابوطالب اور پھر حضرتِ عباس کے پاس منتقل ہوئے۔ حضرت عبدالمطلب کا وصال نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کی عمر کے آٹھویں سال (579ء) میں ہوا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 85 یا 120 سال تھی۔[3] تدفین خاندانی دستور کے مطابق حجون (جنت المعلیٰ) میں کی گئی۔ آپ کے 13 بیٹے تھے: (1) عبداللہ، (2) حمزہ، (3) عباس، (4) ابوطالب (عبدِ مناف)، (5) زُبیر، (6) حارث، (7) غِیداق، (8) ضِرار، (9) قُثَم، (10) مُقَوِّم، (11) حَجْل، (12) عبدالکعبہ

1 طبقات ابن سعد، 1/ 68

2 یمن کے عیسائی حکمران اَبرہہ نے صَنْعَا میں کلیسا بنوایا، اسے سونے سے آراستہ کیا اور لوگوں کو اس کا حج اور طواف کرنے کی دعوت دی۔ ایک عربی نے اس میں بَول و بَراز (پیشاب، پاخانہ) کر دیا، اس وجہ سے ابرہہ کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ لشکر کے ہمراہ مکہ شریف پر حملہ آور ہوا، لشکر میں ہاتھی بھی تھے اس لئے اس لشکر والوں کو اَصحابُ الفیل کہا جاتا ہے۔ اہلِ مکہ آس پاس کے پہاڑوں پر چلے گئے مگر حضرت عبدالمطلب حرم شریف میں گئے اور کعبہ شریف کا غلاف پکڑ کر دعا کی کہ اے مولا! تو اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ اللہ پاک نے سمندر کی جانب سے چھوٹے چھوٹے اَبابیل پرندوں کا لشکر بھیجا جن کے پنجوں اور چونچوں میں پتھر تھے۔ انہوں نے یہ پتھر لشکر پر پھینکے جس سے یہ ہلاک ہو گئے۔ (تفسیر خازن، پ30، الفیل، تحت الآیۃ: 1، 4/ 407 تا 410 ماخوذاً)

3 سبل الہدیٰ والرشاد، 1/ 267

www.dawateislami.net

اور (13)ابولہب (عبدالعُزیٰ) تھے۔ جبکہ 6 بیٹیاں: (1)صفیہ، (2) اُمِّ حکیم بَیضا، (3)عاتکہ، (4)اُمَیمہ، (5)اَروٰی اور (6)بَرّہ بھی ہوئیں۔ ①

حضرتِ عبداللہ

یہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے والدِ گرامی ہیں۔ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے، والد کے لاڈلے، حسن وجمال کے پیکر، شرم وحیاکے خوگر اور حُسنِ اخلاق کی عملی تصویر تھے۔ ان کی والدہ فاطمہ بنتِ عَمرو ہیں۔ ان کے والد حضرت عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ پاک نے مجھے 10 جوان، صحت مند اور فرماں بردار بیٹے عطا فرمائے تو ان میں سے ایک کو راہِ خدا میں قربان کروں گا۔ جب حضرت عبداللہ بھی بڑے ہوگئے تو جناب عبدالمطلب نے منت پوری کرنے کا سوچا، قرعہ اندازی کی تو حضرت عبداللہ کا نام نکلا، وہ اپنی منت پوری کرنے نکلے تو سردارانِ قریش آڑے آئے، مشاورت سے طے ہوا کہ مقتول کی جو دیت ہے یعنی 10 اونٹ، ان کی اور حضرت عبداللہ کی قرعہ اندازی کی جائے، اگر اونٹ نکلے تو ٹھیک ورنہ 10،10 اونٹ بڑھاتے جائیں اور قرعہ نکالتے جائیں، یہاں تک کہ قرعہ حضرت عبداللہ کی بجائے اونٹوں کے نام نکلے، اس تجویز پر عمل ہوا، جب اونٹوں کی تعداد100 تک پہنچی تو اونٹوں کا قرعہ نکلا، حضرت عبدالمطلب نے 100 اونٹ ذبح کئے اور حضرت عبداللہ کی جان بچی، اس پر مکہ میں خوشی وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ ② اسی وجہ سے حضرت عبداللہ کا لقب "ذبیح" ہوا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: میں دو

---

① شرح الزرقانی علی المواہب، 4/464 تا 488 ملتقطاً
② مواہبِ لدنیہ، 1/54- شرح الزرقانی علی المواہب، 1/174 تا 180 ملخصاً

ذبیحوں کا بیٹا ہوں یعنی اسماعیل اور عبد اللہ۔[1]

ذبح کے واقعے کے بعد حضرت عبد اللہ کی شہرت اور بڑھ گئی۔ کئی خواتین نے ان کے حسن وجمال سے متاثر ہو کر نکاح کی خواہش کی مگر سب کو انکار کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے والد حضرت عبد المطلب کی حقیقت شناس نگاہوں نے اپنے اس جواں سال اور حسین و جمیل فرزند کے رشتے کیلئے خاندانِ بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبدِ مناف[2] کی نہایت نیک و پارسا نورِ نظر حضرت آمنہ کا انتخاب کیا۔ حضرت عبد المطلب خود وہب کے گھر تشریف لے گئے اور اس رشتے کو تکمیل تک پہنچایا۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد حضرت عبد اللہ کو ان کے والد نے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام بھیجا، وہاں آپ بیمار ہو گئے، واپس جب مدینہ شریف پہنچ کر اپنے ننھیال میں قیام فرمایا تو طبیعت مزید خراب ہو گئی، یوں یہ وہیں رک گئے، بقیہ قافلے والے مکہ شریف آ گئے، آپ وہاں ایک ماہ بیمار رہ کر وفات پا گئے۔ اس وقت آپ کی عمر 25 سال تھی۔ حضرت عبد اللہ نے اپنے تَرکے میں 5 اونٹ، چند بکریاں اور ایک حبشی نسل کی کنیز حضرت اُمِّ اَیمن بَرَکہ کو چھوڑا۔ آپ کی تدفین مدینہ شریف کے محلے بنو عدی کے دارُ النّابِغہ میں کی گئی۔[3] اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اس وقت اپنی امی جان کے شکمِ اقدس میں تھے۔

---

1 شرف المصطفیٰ، 2/74

2 مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے نانا جان حضرت وہب بن عبد مناف قرشی ہیں، آپ نسب اور شرف دونوں اعتبار سے بنو زہرہ کے سردار تھے، جبکہ آپ کی نانی حضرت برہ بنت عبد العزی قرشیہ تھیں جو کہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ (تاریخ ابن ہشام، ص65ملتقطا)

3 طبقاتِ ابن سعد، 1/ 79، 80- مواہبِ لدنیہ، 1 / 63

حضرتِ آمنہ

یہ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی امی جان ہیں۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا ددھیال عزت وشان والا ہے ایسے ہی آپ کا ننھیال بھی باوقار وباکمال ہے۔ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا فرمان ہے: میں عرب کے دو سب سے افضل قبیلوں بنی ہاشم و بنی زُہرہ سے پیدا ہوا۔ (1) اس فرمان میں بنی ہاشم سے مراد آپ کا ددھیال جبکہ بنی زُہرہ سے مراد آپ کا ننھیال ہے۔ حضرت بی بی آمنہ خاندانِ بنو زہرہ کی نیک اور باعزت وباوقار خاتون ہیں۔ بی بی آمنہ نہایت پارسا، پرہیز گار، طہارتِ نفس، شرافتِ نسب اور عزت ووجاہت والی صاحبِ ایمان خاتون تھیں۔ آپ قریش کی عورتوں میں حسب نسب اور فضیلت میں سب سے ممتاز تھیں۔ (2) جاہلیت کے اس دور میں جبکہ بے پردگی اور آوارگی بہت عام تھی، حضرت آمنہ ایسے امور سے کوسوں دور تھیں۔ تاریخِ خمیس میں ہے: حضرت بی بی آمنہ انتہائی پردہ دار خاتون تھیں، ہمیشہ گھر کی چار دیواری میں رہتیں، نامحرم مردوں سے ملنا اور ان کی خبریں سننا بالکل پسند نہ فرماتیں۔ (3) آپ کلام پر قدرت رکھنے والی شاعرہ تھیں۔ اپنے شوہرِ نامدار حضرت عبد اللہ کے وصال پر ایک قصیدے میں اپنے جذبات کا جس طرح آپ نے اظہار کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے شوہر سے بے پناہ محبت تھی اور آپ عربی زبان دانی میں مہارت بھی رکھتی تھیں۔ آپ کا وصال دورانِ سفر ابواء (4) شریف کے مقام پر

---

(1) تاریخ ابن عساکر، 3/401

(2) دلائل النبوۃ، 1/102 ملخصًا

(3) تاریخ الخمیس، 1/42

(4) ابواء (Abwa) وادی مکہ شریف اور مدینہ شریف کے درمیان میں سمندر کی طرف واقع ہے۔ اس کا فاصلہ مکہ شریف سے تقریباً 261 جبکہ مدینہ شریف سے تقریباً 222 کلو میٹر ہے۔ یہاں ایک غزوہ بھی درپیش ہوا جس میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ آج کل وادیِ ابواء خَرِیبہ کے نام سے مشہور ہے۔ (آخری نبی کی پیاری سیرت، ص 26 بتغیر)

ہوا۔ وہیں آپ کی تدفین کی گئی۔ (1) اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی عمر چھ سال تھی۔

ابواء وادی کا ایک مقام

قبل از ولادت والدِ گرامی کی وفات کی حکمتیں

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم والدہ کے شکم میں تھے تو آپ کے والدِ گرامی دنیا سے چلے گئے۔ عام لوگوں کو تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکم میں پرورش پانے والے اس

(1) اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے والدین کی سیرتِ مبارکہ پڑھنے کیلئے "ماہنامہ خواتین" کے مضامین کا مجموعہ بنام "آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے والدین کریمین" کا مطالعہ فرمائیں۔ یہ مجموعہ دعوتِ اسلامی کے شعبہ "شب و روز" کی پیش کش سے ویب ایڈیشن میں دستیاب ہے۔

شہزادے کی عظمت وشان کا علم نہ تھا لیکن ملائکہ جانتے تھے۔ انہوں نے اس بات کو محسوس کیا اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے مالک و مَولا! تیرے حبیب کے والد فوت ہوگئے اور وہ اکیلے رہ گئے! ربِّ کریم نے جو جواب عطا فرمایا وہ عظمتِ مصطفیٰ کے نئے پہلو سامنے لاتا ہے، ارشاد ہوا: میں خود اپنے محبوب کا محافظ و مدد گار ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ پاک نے فرمایا: میں خود اپنے محبوب کی تربیت کا ذمہ دار ہوں، میں خود اپنے محبوب کا معین و مدد گار ہوں اور میں ہی اس کا رازق ہوں، تم بس میرے محبوب پر درود پڑھو اور ان کے نام سے برکتیں حاصل کرو۔ [1] حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے والدِ گرامی ان کی ولادت سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے، اس کی کیا حکمت ہے؟ آپ نے جواب دیا: (1) اس حکمت سے کہ نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر مخلوق میں سے کسی کے وہ حقوق نہ ہوں جو بالغ ہونے کے بعد ثابت ہوتے ہیں، اسی لیے جب ان کی عمر چھ سال کی تھی تو ان کی والدہ بھی دنیا سے چلی گئیں۔ (2) ایک حکمت یہ بھی ہے کہ پتا چل جائے کہ عزت والا وہی ہے جسے اللہ پاک خود عزت عطا فرمائے۔ (3) یہ وجہ بھی ہے کہ آپ کی عزت آباء واجداد اور مال و دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کی قوت و طاقت رب کی عطا سے ہے۔ (4) ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب آپ نے خود ایسے دن دیکھ لیے (اور یتیموں کے درد سے آشنا ہو گئے) تو فقیروں اور یتیموں پر بھرپور رحم فرمائیں گے۔ [2]

1 السیرۃ النبویۃ لدحلان، 1/ 44

2 السیرۃ النبویۃ لدحلان، 1/ 44

دیکھا جاتا ہے کہ جس بچے کے والد نہ ہوں تو عموماً ایسے بچوں کا کوئی وارث اور تربیت کرنے والا نہیں ہوتا، یوں ایسے بچے میں انسانی جوہر، خوبیاں اور شخصی کمال نکھرتے نہیں بلکہ اکثر عیب اور نقص ہی سامنے آتے ہیں۔ اللہ کریم نے براہِ راست اپنے حبیب کی نگہبانی اور حفاظت فرمائی اور آپ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مخالف تھک گئے مگر آپ کی سیرت و کردار پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس وقت کسی بچے کے والد کا زندہ نہ ہونا ایک عیب سمجھا جاتا تھا اور ایسے بچوں کی کوئی عزت نہیں کی جاتی تھی، لیکن جب مقصودِ کائنات، جانِ جاناں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے والد بھی دنیا سے چلے گئے تو دنیا کے دوسرے ایسے بچوں کو بھی احترام مل گیا۔ [1]

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھ کر اس پر عمل کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: کون سی آیت اور کون سی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے آباء واجداد مسلمان اور جنتی تھے؟

سوال: واقعہ فیل کیا ہے؟

سوال: قریش کس کا لقب ہے؟ قریش کو قریش کیوں کہتے ہیں؟

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی پیاری امی جان کے اوصاف بیان کریں۔

سوال: مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے زندگی میں والد کا سایہ کیوں نہ پایا؟ اس کی تین حکمتیں بیان کریں؟

---

1 تفسیر کبیر، پ30، الضحٰی، تحت الآیۃ:6، 11/200 بتقدم وتاخر، ملخصاً

www.dawateislami.net

تیسرا باب

مصطفٰی جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی ولادتِ باسعادت

The Blessed Birth of the Greatest and Final Prophet صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

نورِ مصطفٰی کے منتقل ہونے کا سال

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا نورِ مبارک جس سال حضرت عبد اللہ سے حضرت آمنہ کے بطنِ اطہر میں تشریف لایا، اس سال کا نام سَنَۃُ الفَتْحِ وَالِابْتِھَاج (یعنی شادمانی اور کامرانی کا سال) پڑ گیا۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے قریش سخت قحط اور تنگ دستی کا شکار تھے، مگر اس سال زمین ہری بھری ہوگئی، درختوں میں خوب پھل لگا اور قریش پر ہر طرف سے خوشحالی کی بارش ہونے لگی۔ (1) حضرت آمنہ کا یہ حمل اس طرح نہیں تھا جس طرح عموماً ہوتا ہے، بلکہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ حمل سب سے انوکھا اور نرالا تھا۔ خود سیدہ آمنہ فرماتی ہیں: مجھے اپنے حمل کا پتا ہی نہ چلا، کیونکہ مجھے نہ تو کوئی بوجھ محسوس ہوا اور نہ ہی حاملہ عورتوں کی طرح مختلف چیزیں کھانے کی خواہش ہوئی، بلکہ ایک دن، میں سونے اور جاگنے کی کیفیت میں تھی جب ایک غیبی ہستی نے آکر مجھے یہ بشارت دی: اے آمنہ! تجھے پتا ہے کہ تُو تمام مخلوق کے سردار کے ساتھ حاملہ ہوگئی ہے۔ (2) اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے پیٹ شریف میں پورے نو ماہ تشریف فرما رہے۔ (3)

ولادتِ مصطفٰی کی برکتیں

نورِ مصطفٰی کے ماں کے پیٹ میں منتقل ہوتے ہی دنیا بھر میں عجائبات کا ظہور ہونے

(1) سیرت حلبیہ، 1/72
(2) سیرت حلبیہ، 1/69
(3) جامع الآثار فی مولد النبی المختار، 2/715

لگا۔ ان عجائبات سے اہلِ دنیا کو متوجہ کرنا مقصود تھا کہ عن قریب آفتابِ رسالت اور ماہتابِ نبوت طلوع ہونے کو ہے۔ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ ولادت کے دن قریب آتے ہی پھر سے کسی نے انہیں یہ ہدایت دی: جب وہ نو مولود دنیا میں تشریف لے آئیں تو کہیے گا: میں اسے ہر حاسد کے شر سے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں، پھر اس کا نام محمد رکھنا![1] اس نام کا مطلب ہے: "وہ جس کی بار بار تعریف کی جائے۔" یہ نام آسان، دلکش اور پیارا ہونے کے ساتھ ساتھ نیا اور انوکھا بھی تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ولادت کے ساتویں دن آپ کے دادا حضرت عبد المطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور اپنے قبیلے والوں کی زبردست دعوت کا اہتمام فرمایا۔ اسی دعوت میں آپ نے اپنے پوتے کے نامِ نامی "محمد" کا اعلان کیا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا: "اَرَدْتُ اَنْ يَحْمَدَهُ اللهُ فِي السَّمَاءِ وَخَلْقُهُ فِي الْاَرْضِ یعنی میری خواہش ہے کہ آسمان کا خالق بھی اس کی تعریف کرے اور زمین میں اُس کی مخلوق بھی اِس کی تعریف کرے۔"[2]

مصطفیٰ جانِ رحمت — فصلِ بہار آ گئی

آخر کار وہ وقت آن پہنچا اور انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے کو آئیں۔ یہ اپریل کا مہینا تھا اور بہار اِک اور بہار کے لئے منتظر و بے قرار تھی، یہ سن 571ء کی ایک صبح تھی، اس صبح

1. طبقات ابن سعد، 1/79 - البدایۃ والنہایۃ، 2/219
2. سیرت حلبیہ، 1/115

www.dawateislami.net

Go To Index

ایسی نسیمِ سحر (صبح کی ٹھنڈی ہوا) چلی جس کا ہر ہر جھونکا مہک سے رچا بسا تھا۔ اس صبح ایسی بادِ بہار (بہار کی ٹھنڈی ہوا) چلی جس کی تھپکیوں سے کائنات کے تمام بے قراروں کو قرار آگیا۔ اس صبح ایسی چاندنی ہوئی جس نے صحرائے حیات (زندگی کے صحرا) کے اِک اِک مسافر کو ٹھنڈک، راحت اور سکون کی لذتوں سے سرشار کر دیا۔ اس صبح کرم کی ایسی گھٹا اٹھی جس نے ہر ویران سرزمین کو سیراب و شاداب کر دیا۔ اس صبح ایسی شبنم پڑی جس کی نمی کائنات کے پتے پتے کے لئے آبِ حیات ثابت ہوئی۔

ولادتِ مصطفیٰ

یوں تو رات اپنے ساتھ ظلمت اور تاریکی لاتی ہے مگر یہ ایسی رات تھی جو اپنے دامن میں اتنے انوار و تجلیات لائی جن کی چمک دمک سے عالم کا گوشہ گوشہ روشن ہو گیا۔ جس سہانی اور دل افروز ساعت میں طیبہ کا چاند چمکا اس وقت ایسی روشنی پھیلی کہ سیدہ آمنہ کے مکان کا کونہ کونہ جگمگ جگمگ کرنے لگا۔ خود فرماتی ہیں: جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ظاہر ہوئے تو ان کے ساتھ ایسا نور چمکا کہ جس سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے۔ [1] انوار و تجلیات کی اس بارش کی بدولت سیدہ آمنہ کا مشاہدہ اور ان کی بصارت اتنی وسیع ہو گئی کہ انہیں شام کے محلات نظر آنے لگے۔ [2]

---

1 طبقات ابن سعد، 1/81
2 سیرت حلبیہ، 1/71

www.dawateislami.net

مروہ پہاڑی کے بیرونی گیٹ کے سامنے کچھ ہی فاصلے پر موجود ایک عمارت، جو اَب لائبریری بنادی گئی ہے، مشہور ہے کہ یہی سیدہ آمنہ کا وہ عظیم مکان ہے جہاں آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پیدا ہوئے۔

بچہ پیدا ہوتا ہے تو عموماً طرح طرح کی گندگیوں سے آلودہ ہوتا ہے لیکن اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پاک و صاف پیدا ہوئے۔ آپ کی امی جان سیدہ آمنہ کا بیان ہے: ”وَلَدتُّهٗ نَظِيفًا مَابِهٖ قَذَرٌ یعنی میں نے انہیں صاف ستھرا جنا، ان کے ساتھ آلودہ کرنے والی کوئی چیز ذراسی بھی نہیں تھی۔“ (1)

برکاتِ نبوّت کا ظہور

بالآخر مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ولادت ہوگئی۔ مشہور اور متفقہ قول یہی ہے کہ آپ کی ولادتِ باسعادت 12 ربیع الاول شریف کو پیر کے دن ہوئی۔ (2) ولادت

1. طبقات ابن سعد، 1/82
2. السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص66- فتاویٰ رضویہ، 26/411

www.dawateislami.net

ہوتے ہی کفر و شرک کے ایوانوں میں تہلکہ مچ گیا، کسریٰ① کا محل زبردست زلزلے سے لرز اٹھا، محل کے چودہ مینارے ٹوٹ کر گر پڑے، وادیِ سماوہ کا پانی رک گیا، دریائے ساوہ کا پانی بالکل خشک ہو گیا، ہزار سال سے روشن آگ یک دم بجھ گئی۔② جبکہ دنیا کے کئی مقامات پربت تھرتھرا کر گر پڑے۔

شاہِ ایران کی پریشانی

شاہِ ایران کسریٰ ان عجیب خبروں سے بڑا پریشان ہوا، وزیروں مشیروں سے مشورہ

① کسریٰ (کِ، سْ، ریٰ) بادشاہِ ایران کا لقب تھا، یہ اصل میں خسرو تھا بمعنی بڑے ملک کا مالک۔ خسرو فارسی لفظ ہے، اس سے عربی میں کسریٰ بنایا گیا۔ (مراٰۃ المناجیح، 8/119) قیصر اور نوشیرواں اس کے القابات ہیں، اس کی حکومت 531ء سے 579ء تک رہی، اسے نوشیرواں عادل کہا جاتا ہے مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عادل کہنے سے منع فرمایا ہے۔ (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص438)

② تاریخ ابن عساکر، 72/219

کیا، بہت کوشش اور جستجو کے بعد اسے اتنا معلوم ہو سکا کہ اب ساسانیوں (شاہانِ فارس) میں سے اتنے لوگ بادشاہ بنیں گے جتنے مینار گرے ہیں اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اس پر کسریٰ نے یہ تبصرہ کیا: ہمارے 14 بادشاہ جب تک حکومت کریں گے تب تک نہ جانے کیا کچھ ہو چکا ہو گا (اس لئے فکر کی کوئی بات نہیں)۔ مگر کہتے ہیں کہ صرف 4 برس میں ان کے 10 بادشاہ گزر گئے اور باقی بھی یونہی جلد ختم ہو گئے۔ (1)

ولادتِ مصطفیٰ میں پنہاں حکمتیں

بارہ اسلامی مہینوں میں کچھ ماہ شروع سے ہی محترم اور مقدس شمار کئے جاتے ہیں، لیکن اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ولادت کا مہینا ان مشہور مقدس مہینوں میں سے نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی عزت و شان کا تعلق کسی مہینے سے نہیں ہے، بلکہ مقامات کی طرح زمانہ بھی عزت و شرف پانے میں آپ کا محتاج ہے۔ اگر آپ کی ولادت مشہور و معزز مہینوں میں سے کسی میں ہوتی تو وہم ہو تا کہ فلاں مہینے کی وجہ سے شرف اور مرتبہ ملا ہے، اسی لئے آپ کی ولادت اللہ پاک نے مشہور و محترم مہینوں کے علاوہ رکھی تاکہ آپ کی عنایت کے ذریعے اس مہینے کی عزت و عظمت ظاہر ہو۔ یہی حکمت پیر شریف کے دن پیدائش میں بھی ہے۔ مزید یہ کہ جس دن میں آپ کی ولادت ہوئی، اللہ پاک نے اس میں ویسی عبادتیں نہ رکھیں جیسی جمعہ کے دن رکھیں کہ یہی وہ دن ہے جس میں حضرت آدم علیہ السّلام پیدا ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو تمام جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، لہٰذا یہ اسی رحمت کی جھلک ہے کہ آپ

(1) دلائل النبوۃ لابی نعیم، ص79، 80، رقم: 82

www.dawateislami.net

کی ولادت کے دن آپ کی امت کو کسی خاص عبادت کا حکم نہیں دیا گیا۔[1] آپ کی شبِ ولادت تمام راتوں سے افضل ہے، یہاں تک کہ لیلۃ القدر سے بھی۔ اس کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ لیلۃ القدر نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی امت کو آپ کے واسطے سے ملی ہے۔ نیز شبِ قدر میں فرشتے نازل ہوتے ہیں جبکہ شبِ میلاد میں وہ تشریف لائے جو فرشتوں سے بھی افضل ہیں، اسی طرح شبِ قدر میں فضل و رحمتِ الٰہی کا سایہ صرف امتِ محمدی پر ہی دراز ہوتا ہے جبکہ شبِ ولادتِ مصطفیٰ میں تمام موجودات پر فضل ہوا کہ آپ تمام مخلوق کے لئے رحمت اور نعمت بن کر تشریف لائے، لہٰذا اس رات کا نفع زیادہ عام اور وسیع ہے۔[2]

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھ کر اس پر عمل کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: جس سال پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا نورِ مبارک حضرت آمنہ کے بطنِ اطہر میں تشریف لایا اس سال کا نام کیا ہے، نیز اس نام کی وجہ کیا تھی؟

سوال: سیدہ آمنہ پر پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ولادت کی کیا کیا برکتیں ظاہر ہوئیں؟

سوال: اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ولادت مشہور مقدس مہینوں میں نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟

سوال: دلائل سے غور و فکر کریں کہ شبِ ولادتِ مصطفیٰ افضل ہے یا لیلۃ القدر؟

---

1 مواہب لدنیہ، 1/75 ملخصاً

2 مواہب لدنیہ، 1/77

www.dawateislami.net

چوتھا باب

مصطفٰی جانِ رحمت ﷺ کی رضاعت

The Blessed suckling period of the Holy Prophet ﷺ

بی بی ثویبہ کا واقعہ

ولادت کے بعد سب سے پہلے حضرت آمنہ نے اپنے نورِ نظر اور لختِ جگر کو سات دن تک دودھ پلایا۔ اس کے بعد آپ کے چچا ابولہب کی ایک کنیز بی بی ثویبہ (1) نے چند دن تک یہ خدمت انجام دی۔ بی بی ثویبہ کی شہرت ایک اور واقعے سے بھی ہے، وہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی ولادت پر یہ اپنے آقا ابولہب کے پاس دوڑ کر گئیں اور اسے بھتیجے کی ولادت کی خوشخبری سنائی۔ ابولہب کو اپنے بھائی کے ہاں بیٹا پیدا ہونے پر اتنی مسرت ہوئی کہ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: اِذْهَبِیْ! فَاَنْتِ حُرَّةٌ یعنی جاؤ! تم آزاد ہو۔ (2) بات آئی گئی ہوگئی، اسی بھتیجے نے چالیس سال بعد اللہ کے وحدہ لاشریک اور اپنے آخری نبی ہونے کا دعویٰ کرکے کفروشرک کے ایوانوں میں زلزلہ طاری کر دیا تو وہی چچا جس نے ولادت کی خوشی میں بی بی ثویبہ کو آزادی کا پروانہ دیا تھا آپ کا سخت مخالف ہوگیا۔ اس کی بیوی شوہر سے بھی دو ہاتھ آگے تھی۔ ان دونوں نے آپ کے خلاف محاذ بنالیا، اللہ پاک نے ان دونوں کے عبرتناک انجام کی خبر دیتے ہوئے پوری سورۂ لہب نازل فرمائی۔ جب ابولہب مر گیا تو تقریباً سال بعد

---

(1) بی بی ثویبہ رضی اللہُ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم سے پہلے حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہاشمی اور آپ کے بعد حضرت ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد مخزومی رضی اللہُ عنہما کو دودھ پلایا ہے۔ (الاصابہ، 8/60) یہ حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی سب سے پہلی رضاعی ماں ہیں۔ آپ ان سے بڑی محبت فرماتے، مکہ میں ان کا خیال رکھتے اور مدینہ سے بھی ان کے لئے تحائف بھیجا کرتے تھے۔ (الکامل فی التاریخ، 1/356) ان کی وفات فتحِ خیبر کے بعد ہوئی۔ (الاستیعاب، 1/135)

(2) الروض الانف، 3/99

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں دیکھ کر حال پوچھا، جواب دیا: حال بہت برا ہے، مرنے کے بعد راحت کا کوئی لمحہ میسر نہیں ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ بھتیجا سمجھ کر ولادت پر خوشی مناتے ہوئے اپنی کنیز ثویبہ کو آزاد کیا تھا، اس کا انعام یہ مل رہا ہے کہ پیر کے دن میری انگلی اور انگوٹھے کے بیچ سے پانی نکلتا رہتا ہے جو میں چوستا ہوں۔ (1)

رضاعت کی حکمتیں

عام مشاہدہ ہے کہ شہری زبان خالص نہیں رہ پاتی، مختلف علاقوں کے لوگ وہاں طرح طرح کی ضروریات کے لئے آتے رہتے ہیں۔ ان سے میل ملاپ اور بات چیت کی وجہ سے وہاں کے رہنے والوں کی زبان اور لب و لہجہ ضرور متاثر ہوتا ہے۔ بادشاہ عبد الملک بن مروان کے بارے میں آتا ہے کہ اسے اپنے بیٹے ولید سے بڑی محبت تھی۔ اسی وجہ سے وہ اسے دیہات میں رضاعت کے لئے بھیجنے کی ہمت نہ کرسکا اور اپنے پاس شہر میں رہنے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ولید بڑا ہو کر اتنی فصیح عربی نہیں بول سکتا تھا جتنی اس کا بھائی سلیمان بول لیتا تھا کیونکہ سلیمان نے دیہات میں دایہ کے ہاں پرورش پائی تھی۔ (2)

شہر مکہ اپنی عظمت کی وجہ سے ویسے ہی لوگوں کے لئے مرجع اور مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہاں قافلوں اور تاجروں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ ایسے ماحول میں پروان چڑھنے والے بچے کی زبان اور لب و لہجہ ضرور متاثر ہوتے ہوں گے۔ اسی لیے وہاں کے معزز و مالدار لوگ اپنے

---

(1) بخاری، 3/432، حدیث: 5101- مواہب لدنیہ، 1/78

(2) سیرت حلبیہ، 1/131

www.dawateislami.net

بچوں کو رضاعت کے لئے دیہات میں بھیج دیتے تھے۔اس کا ایک فائدہ تو زبان کے فصیح و بلیغ ہونے کی صورت میں ظاہر ہوتا، دوسرا دیہات کی خالص غذائیں بچوں کے جسموں کو مضبوط اور اعصاب کو طاقت ور کر دیتیں۔اسی دستور کے مطابق اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رضاعت کے لئے بھی کسی دایہ کی تلاش شروع ہوگئی۔

رضاعی مائیں

رضاعت میں دینے سے قبل چند اور خواتین کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو دودھ پلانے کی سعادت ملی۔ان میں حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہُ عنہا بھی ہیں۔یہ اگرچہ کنیز تھیں اور آپ کو اپنے والد سے ترکے (وراثت) میں ملی تھیں، لیکن اللہ پاک نے اِنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی محبت سے مالامال فرمایا تھا۔آپ ان سے فرماتے: اَنْتِ اُمِّی بَعْدَ اُمِّی یعنی میری سگی ماں کے بعد آپ میری ماں ہیں۔[1] پھر یہ سعادت حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا[2] کے حصے میں آئی کہ انہوں نے لگاتار چند سالوں تک یہ خدمت انجام دی۔یہ بات ذہن نشین رہے کہ جس خاتون نے بھی حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو دودھ پلانے کا شرف حاصل کیا اللہ پاک نے اسے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ نقل

[1] سیرت حلبیہ، 1/154 ملتقطاً

[2] حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہُ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رضاعی والدہ بھی ہیں اور صحابیہ بھی۔ان کا تعلق قبیلہ بنو سعد سے ہے۔یہ جب بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتیں تو آپ ان کا بڑا احترام فرماتے اور تحائف بھی عطا فرماتے۔ان کا مزار جنت البقیع شریف میں ہے۔(ماہنامہ فیضان مدینہ، مارچ 2018، ص 31 ملخصاً)

www.dawateislami.net

فرماتے ہیں: سیدِ عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو جتنی بیبیوں نے دودھ پلایا سب اسلام لائیں۔ [1]

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم رضاعت کے لئے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بنو سعد[2] کی طرف جا رہے تھے، تب راستے میں تین خوش بخت خواتین نے بھی آپ کو دودھ پلا کر سعادتوں بھری اس فہرست میں اپنا نام لکھوایا۔ یہ تینوں پاک دامن بیبیاں کنواری تھیں۔ چنانچہ امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا حضور پُرنور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو گود میں لئے راہ (راستے) میں جاتی تھیں، تین نوجوان کنواری لڑکیوں نے وہ خدا بھاتی صورت دیکھی، جوشِ محبت سے اپنی پستانیں دہنِ اقدس (منہ مبارک) میں رکھیں، تینوں کے دودھ اتر آیا، تینوں پاکیزہ بیبیوں کا نام عاتکہ تھا۔ عاتکہ کے معنٰی زن شریفہ (شریف عورت)، رئیسہ (سردار)، کریمہ، سراپا عطر آلود (خوشبو دار ہیں۔) تینوں قبیلہ بنی سُلَیم سے تھیں کہ جس کے نام میں ہی سلامتی اور اسلام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔“ ان تینوں کو یہ سعادت کیوں ملی؟ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امامِ اہلِ سنّت نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: کسی بھی نبی کو جو بھی آیت و کرامت ملی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو وہ آیت و کرامت اس سے بڑھ کر ہی ملی۔ اللہ پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو بغیر باپ کے کنواری و پاک دامن بی بی مریم کے پیٹ سے پیدا فرمایا اور اپنے حبیب کے لئے تین پاک

---

1 فتاویٰ رضویہ، 30/295

2 بنو سعد مکہ سے براستہ طائف شُقصان نامی گاؤں سے 15 سے 20 کلو میٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ علاقہ سرسبز و شاداب ہے۔ کہیں کہیں زراعت بھی ممکن ہے۔ یہاں کی آب و ہوا اور موسم بہت صحت افزا ہے، حضرت حلیمہ کے گاؤں کا نام ”شَوحَطَ“ ہے، اسے ”شُحط“ بھی کہا جاتا ہے۔ مکہ سے اس کا بائی روڈ فاصلہ تقریباً 153 کلو میٹر ہے۔

دامن اور کنواری لڑکیوں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا فرمادیا۔ (1)

داستانِ رضاعت

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو سب سے زیادہ دودھ پلانے کی سعادت بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے حصے میں آئی۔ ان سے رضاعت باکرامت کی پرکیف داستان انہی کی زبانی کچھ یوں ہے: ہمارے علاقے میں وہ دن قحط کے تھے، کھانے کو کچھ نہ رہا تو بنو سعد سے تعلق رکھنے والی 10 عورتیں رضاعت کے لئے بچوں کی تلاش میں سوئے مکہ روانہ ہوئیں۔ میں بھی اپنے شوہر اور دودھ پیتے بچے کے ساتھ ان کے ہمراہ تھی۔ ہمارے پاس ایک اونٹنی اور ایک سفید رنگ کی گدھی تھی۔ قحط کی وجہ سے اونٹنی بھوکی تھی، اس کی کھیری سے دودھ کا ایک قطرہ تک نہ نکلتا تھا۔ گدھی بھی اتنی لاغر و کمزور تھی کہ راہ میں بار بار پیچھے رہ جاتی، کارواں آگے جا کر رک رک کر ہمارا انتظار کرتا پھر آگے بڑھتا۔ جوں توں کر کے ہم مکہ پہنچ گئے اور بچوں کی تلاش شروع کر دی۔ میری سب سہیلیوں کو بچے مل گئے مگر میری گود خالی رہی۔ عجب اتفاق کہ اسی دوران حضرت عبد المطلب ادھر آنکلے، ابتدائی بات چیت کے بعد فرمانے لگے: حلیمہ! میرے گھر میں ایک یتیم بچہ ہے، میں نے اس کے بارے میں دوسری دایوں سے بھی بات کی ہے مگر اسے کوئی لینے کو آمادہ نہیں۔ حلیمہ! کیا تم اسے لینے کو تیار ہو؟ فَعَسٰی اَنْ تَسْعَدِیْ بِهٖ یعنی امید ہے کہ تم اس کے ذریعے سعادتیں اور برکتیں پاؤ گی۔ میں نے کہا: ذرا ٹھہریئے! میں اپنے شوہر سے مشورہ کر لوں۔ مشاورت کے بعد میں نے اس بچے کو لینے کی حامی بھر لی۔

---

(1) فتاویٰ رضویہ، 30/295 ملخصاً

www.dawateislami.net

Go To Index

بنو سعد طائف شہر سے 75 کلو میٹر جنوب مشرق میں واقع ہے، یہاں کی آب و ہوا معتدل، نظارے دل کش جبکہ ماحول بہترین ہے۔ یہاں کا شہد اور انگور بہت مشہور ہیں۔ مکہ شریف سے اس کا فاصلہ تقریباً 157 کلو میٹر ہے۔ اس علاقے کی ایک تصویر

مبارک حلیمہ تجھے ہو مبارک

بالآخر میں حضرت آمنہ کے گھر اس کمرے میں پہنچی جہاں وہ نومولود جلوہ دکھا رہے تھے۔ وہ دودھ کی طرح سفید اونی کپڑے میں لپٹے سبز رنگ کی ریشمی چادر پر آرام فرما تھے۔ خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں اور فضا میں دل آویز خوشبو رچی بسی تھی۔ اتنا حسین و جمیل اور پیارا بچہ میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں دھیرے دھیرے آگے بڑھی اور آہستہ سے اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا۔ اسی وقت انہوں نے اپنی قدرتی سرمگیں (سرمہ لگی) آنکھیں کھول دیں اور مجھے لگا کہ مجھے دیکھ کر مسکرائے ہیں۔ ان کی روشن آنکھوں سے انوار کی بارش ہو رہی تھی اور یوں لگ رہا تھا کہ آسمان بھی اسی نور سے فیض پا رہا ہے۔ شوق و محبت میں بے اختیار ہو کر میں نے ان کی پیشانی چوم لی اور اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ پھر

www.dawateislami.net

گھر والوں سے اجازت لے کر اپنے شوہر کے پاس واپس آگئی۔ ①

ہوئے ہر طرف اجالے اجالے

مزید فرماتی ہیں: قحط کی وجہ سے اچھی غذا مجھے میسر نہیں تھی، دودھ نہ بننے کی وجہ سے میرا اپنا بیٹا ساری ساری رات بھوک سے روتا اور بلکتا رہتا، نہ خود سوتا تھا نہ ہمیں سونے دیتا۔ اس دن جب میں نومولود کو دودھ پلانے بیٹھی تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ عبد المطلب کے پوتے دودھ نوشِ جاں کرتے (پیتے) جارہے ہیں اور دودھ آتا جارہا ہے، اَلْغَرَض! نومولود نے اچھی طرح دودھ پیا، ایک طرف سے پلانے کے بعد دوسری طرف سے پلانا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہ فرمایا اور ہمیشہ ایسے ہی ہوا کہ ایک ہی طرف سے دودھ پیتے، دوسری طرف بھائی کے لئے چھوڑ دیتے۔ یہ اس بات کا اظہار تھا کہ جہاں میں عدل و انصاف کا بول بالا کرنے والے آقا نے رضاعت کے دوران ہی بھائی کے حق کو تحفظ دے دیا ہے۔ ان کے بعد میں نے اپنے بیٹے کو دودھ پلایا، دودھ کافی تھا تو اس نے بھی سیر ہو کر دودھ پیا۔ دونوں بچوں کو آرام سے لٹانے کے بعد اپنا پیٹ بھرنے کی فکر ہوئی۔ میرے شوہر اٹھ کر اونٹنی کے پاس گئے کہ شاید کچھ نہ کچھ دودھ مل جائے۔ وہاں جا کر دیکھا تو حیران ہوگئے کہ تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ خوب دودھ دوہا (نکالا) اور جی بھر کے پیا۔ قحط کا زمانہ شروع ہونے کے بعد وہ پہلی شب تھی جو ہم نے سکون و چین سے گزاری۔ جب صبح کو بیدار ہوئے (جاگے) تو میرے شوہر کہنے لگے: وَاللہِ یَا حَلِیْمَۃ! لَقَدْ اَخَذْتِ نَسَمَۃً مُّبَارَکَۃً یعنی اے حلیمہ! خدا کی قسم! تم سراپا برکت وجود لے آئی ہو۔ میں نے جواباً کہا: وَاللہِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ ذٰلِكَ یعنی بخدا مجھے بھی یہی امید ہے۔ ②

---

① سیرت حلبیہ، 1/132

② سبل الہدی والرشاد، 1/387

www.dawateislami.net

میرے گھر حبیبِ خدا آ گئے ہیں

سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں: بی بی آمنہ کے لال کو سینے سے لگائے واپسی کا سفر شروع ہوا، جب میں اپنی سواری پر سوار ہوئی تو ان کی ایسی برکت ظاہر ہوئی کہ وہی سواری جس نے آتے وقت سارے قافلے کو پریشان کر دیا تھا اب اس کی حالت ہی بدل گئی، اب کے وہ اتنی تیز گام (تیز رفتار) ہو گئی کہ بار بار کاروان کو پیچھے چھوڑ جاتی۔ قافلے والے مجھ سے فریاد کرتے: حلیمہ! ہم پر رحم کر! اتنا تیز نہ چل کہ ہم تیرا ساتھ نہ دے سکیں۔ میری ساتھی عورتیں مجھ سے پوچھتی تھیں: حلیمہ! کیا یہ وہی سواری نہیں ہے جو آتے وقت تیرا بوجھ نہیں اٹھا پارہی تھی؟ میں جواب دیتی: ہاں! سواری تو وہی ہے (البتہ سُوار بدل گیا ہے۔) ①

آخر کار سفر تمام (مکمل) ہوا اور جب ہم اپنے گھروں کو پہنچے تو میرے قحط زدہ گاؤں کی فضا مہک اٹھی، لَمْ یَبْقَ مَنْزِلٌ مِنْ مَنَازِلِ بَنِیْ سَعْدٍ اِلَّا شَمَمْنَا مِنْهُ رِيحَ الْمِسْكِ یعنی بنی سعد کے تمام گھروں سے کستوری کی خوشبو آنے لگی۔ ②

اٹھی چار سو رحمتوں کی گھٹائیں

سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں: ہمارا علاقہ سب سے زیادہ قحط زدہ تھا، گھاس اور سبزہ نام کو نہ تھا، لیکن میری بکریاں جب شام کو واپس آتیں تو ان کے پیٹ غذا سے اور کھیریاں دودھ سے بھری ہوئی ہوتیں۔ ہم دودھ دوہتے (نکالتے) اور خوب سیر ہو کر پیتے۔

---

1 سیرت حلبیہ، 1/132

2 سیرت حلبیہ، 1/135

www.dawateislami.net

جبکہ دوسرے لوگوں کے ریوڑ بھوکے واپس آتے اور ان کے دودھ بھی نہ ہوتا۔ وہ لوگ اپنے چرواہوں کو ڈانٹتے اور کہتے: تم لوگ بھی اپنی بکریاں وہیں چراؤ جہاں ابو ذؤیب (حلیمہ) کی بکریاں چرتی ہیں۔ (1)

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی برکتوں سے صرف بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا کا گھرانہ فیض یاب نہیں ہوا، بنو سعد کے دوسرے لوگوں کو بھی خوب برکتیں ملیں۔ یوں کہ ان کے علاقے سے قحط ختم ہو گیا، زمین سرسبز و شاداب ہو گئی، درختوں میں خوب پھل لگے، اونٹ موٹے تازے ہو گئے۔ حضرت حلیمہ نے اہل قبیلہ کو مزید فیض دینے کے لئے آپ کے مبارک پاؤں ایک حوض میں دھو کر اس کا پانی قوم کی بکریوں کو پلایا، ساری بکریاں حاملہ ہو گئیں اور قوم ان کے دودھ سے آسودہ (خوش حال) ہو گئی۔ (2) قبیلے میں کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کے متاثرہ حصے پر آپ کا ہاتھ مبارک پھیرا جاتا تو وہ بھی ٹھیک ہو جاتا۔ (3) اپنے اسی دور میں آپ نے بکریاں بھی چرائیں۔ بکریاں چرانے کی رغبت آپ کے دل میں اس لیے پیدا کی گئی کہ اس سے شفقت، صبر، عاجزی اور انکسار پیدا ہوتا ہے، جو آپ کے منصب کے موافق اور مطابق تھا۔ (4)

انوکھی نشو ونما

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی پرورش عام بچوں سے بالکل ہٹ کر تھی۔ بی بی

1. سیرت حلبیہ، 1/133
2. سیرت حلبیہ، 1/133
3. انوارِ جمالِ مصطفٰی، ص107، 108 ملتقطاً
4. سیرت حلبیہ، 1/135

حلیمہ کا بیان ہے: آپ کی نشو و نما عام بچوں سے بالکل الگ تھی۔ یہاں تک کہ نو ماہ کی عمر میں آپ فصیح (صاف) گفتگو فرماتے تھے اور جب دس ماہ کے ہوئے تو تیر اندازی کی بھی قدرت حاصل ہو گئی۔ تھوڑے بڑے ہوئے تو دوسرے بچوں کے برخلاف آپ کو کھیل تماشے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں: ایک دفعہ رات کے کسی پہر میری آنکھ کھلی تو میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے: "لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قُدُّوْسًا قُدُّوْسًا، نَامَتِ الْعُيُوْنُ وَ الرَّحْمٰنُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ [1] یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے، پاک ہے، آنکھیں سو گئیں لیکن رحمٰن کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند"۔

آپ کے تشریف فرما رہنے تک بنو سعد میں خوشیوں کا راج رہا اور وہ لوگ آپ کی برکتوں کے مزے لوٹتے رہے۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے دو سال کا عرصہ ختم ہو گیا اور آپ کا دودھ چھڑا دیا گیا۔ بی بی حلیمہ دستور کے مطابق آپ کو واپس آپ کی والدہ کے پاس لے آئیں۔ عجیب اتفاق کہ انہی دنوں مکہ شریف میں کوئی وبا آئی ہوئی تھی۔ بی بی حلیمہ نے موقع غنیمت جانا اور سیدہ آمنہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم مزید کچھ دن قبیلہ بنو سعد میں رہ جائیں۔ جب دوبارہ بی بی آمنہ کے لال کو اپنے قبیلے لائیں تو گھر گھر خوشی کے چراغ روشن ہو گئے۔[2] آپ کی رضاعی بہن حضرت شیماء رضی اللہ عنہا کی مسرت کی تو انتہا نہ رہی، اب وہ آپ کو کھلاتیں، پلاتیں اور لوریاں دے دے کر آپ کا دل بہلاتیں۔[3] وہ جن

---

1 سیرت حلبیہ، 1/133

2 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص67

3 مرآۃ المناجیح، 8/20 ماخوذاً

Go To Index

پاکیزہ کلمات سے آپ کی مدح و ثنا کرتیں اور آپ کے مستقبل کے لئے دعائیں کرتیں ان میں سے کچھ اشعار یہ ہیں:

یَا رَبَّنَا اَبْقِ لَنَا مُحَمَّدًا حَتّٰی اَرَاہُ یَافِعًا وَاَمْرَدًا

ثُمَّ اَرَاہُ سَیِّدًا مُسَوَّدًا وَاکْبِتْ اَعَادِیْهِ مَعًا وَالْحُسَّدًا

وَاَعْطِهِ عِزًّا یَدُوْمُ اَبَدًا (1)

شَقِّ صدر کا واقعہ

واپسی کے کچھ ہی ماہ بعد شَقِّ صدر کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت انس رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بتایا کہ اپنے بچپن میں وہ ایک دفعہ بچوں کے ساتھ تھے، اچانک جبرائیل آئے، انہوں نے مجھے لٹا کر سینہ چاک کر کے دل سے جما ہوا خون نکالا اور پھر دل کو سونے کے طشت (تھال) میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا، پھر اس کو جوڑ کر اپنی جگہ رکھ دیا۔ یہ منظر دیکھ کر بچے دوڑتے ہوئے آپ کی رضاعی ماں کے پاس گئے اور کہا: محمد (صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم) قتل کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سن کر سب دوڑ کر آپ کے پاس آئے اور دیکھا کہ آپ کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ حضرت انس رضی اللہُ عنہ کا بیان ہے: میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مبارک سینے پر اس سلائی کے نشانات دیکھے ہیں۔ (2) اس واقعے سے حضرت

(1) ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمارے لئے محمد (صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم) کو سلامت رکھنا، تاکہ میں انہیں نوعمر اور نوجوان ہوتا دیکھ سکوں، پھر میں اِنہیں مسلمہ سردار کے روپ میں دیکھوں اور (اے اللہ!) ان کے دشمنوں اور حاسدین کو ذلیل و رُسوا کرنا جبکہ انہیں دائمی عزت دینا۔ (الاصابۃ، 8/206)

(2) مسلم، ص88، حدیث: 413 ملتقطاً

www.dawateislami.net

حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو فکر ہوئی کہ کہیں یہ اثرات نہ ہوں، یوں انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ اب یہ امانت واپس کر دی جائے۔ بی بی حلیمہ بھی حالات دیکھتے ہوئے متفق ہو گئیں اور آپ کو والدہ کے سپرد کرنے آ گئیں، ساتھ میں یہ پورا واقعہ بھی سنایا۔ جس پر سیدہ آمنہ نے فرمایا: كَلَّا! وَاللهِ مَا لِلشَّيْطَانِ عَلَيْهِ مِنْ سَبِيْلٍ یعنی ہرگز نہیں میرے نورِ نظر پر شیطان کسی بھی طرح اثر انداز ہو ہی نہیں سکتا۔ (1) آپ کے دادا نے بی بی حلیمہ کو رضاعت کے عوض اتنا کچھ دیا کہ آپ خوش ہو کر روانہ ہوئیں۔ (2)

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھنے کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے واقعے میں کیا کیا درس ہیں؟

سوال: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ولادت کی خوشی منانے کے فوائد و ثمرات کیا کیا ہیں؟ بیان کیجئے۔

سوال: اہلِ عرب رضاعت کیوں کرواتے تھے؟ اس کی کوئی تین حکمتیں بیان کیجئے؟

سوال: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو دودھ پلانے والی خواتین سے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

سوال: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی بنو سعد میں کیا کیا برکتیں ظاہر ہوئیں؟

سوال: شقِّ صدر کیا ہے؟ یہ کتنی بار ہوا؟ اس کی وجوہات کیا تھیں؟

---

(1) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص 68

(2) تاریخ الخمیس، 1/228

www.dawateislami.net

پانچواں باب

مصطفٰی جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ایامِ کفالت

The Blessed nurturing days of the Beloved Prophet صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بنو سعد سے آنے کے بعد اپنی والدہ حضرت آمنہ کی آغوشِ محبت (محبت کے سائے) میں رہنے لگے۔ بنو سعد سے واپسی کے وقت آپ کی عمر مبارک چار یا پانچ سال تھی مگر چونکہ آپ کی نشو و نما عام بچوں سے بالکل مختلف تھی، اس لئے اس ننھی عمر میں بھی 10 سال کے مضبوط لڑکے جیسے نظر آتے تھے۔ اس بنا پر گمان کیا جا سکتا ہے کہ جب آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی ہوگی تو آپ یقیناً مضبوط نوجوان سے کم نہ دکھائی دیتے ہوں گے۔

والدہ ماجدہ کے ساتھ سفرِ مدینہ

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی عمر مبارک کا چھٹا سال تھا جب آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے حضرت عبد المطلب کی اجازت سے مدینہ منورہ[1] جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس سفر کے دو بنیادی مقاصد تھے: (1) ایک یہ کہ اپنے جگر گوشے (بیٹے) کو ان کے والدِ ماجد کے مزار کی زیارت کروائیں۔ (2) دوسرا یہ کہ انہیں اپنے دادا عبد المطلب کے ننھیال سے بھی متعارف کروائیں (ملائیں)۔ حضرت عبد المطلب اپنی بہو کی اس درخواست کو مسترد نہ کر سکے اور جانے کی اجازت دے دی۔ سیدہ آمنہ نے آپ کو اور بطورِ خادمہ حضرت اُمِّ ایمن کو

---

[1] ہجرت نبوی سے قبل اس شہر کا نام یثرب تھا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بعدِ ہجرت اس کا نام مدینہ رکھا، اب مدینہ منورہ کو یثرب کہنا ناجائز و ممنوع اور گناہ ہے، اس سے توبہ لازم ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، 21/116 ملخصا) شہر مدینہ (Madina) کا پورا نام مدینۃ النبی ہے۔ یہاں مسجدِ نبوی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا روضہ مبارک ہے۔ اس شہر کا رقبہ تقریباً 589 مربع کلومیٹر ہے۔ مکہ شریف سے یہ شہر تقریباً 342 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے جبکہ آج کل بائی روڈ مسافت 450 کلومیٹر ہے۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ظاہری حیات کے تقریباً 10 سال یہاں گزارے۔ یہ شہر عاشقانِ رسول کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

www.dawateislami.net

ساتھ لے کر سفر شروع کر دیا۔ یہ مختصر کارواں (بظاہر) دو اونٹوں پر مشتمل تھا۔ ① جسے یقیناً کسی بڑے قافلے ② کا ساتھ حاصل تھا۔ وہاں پہنچ کر سیدہ آمنہ نے بنو عدی بن نجار کے ہاں دار النابغہ میں ایک ماہ تک قیام فرمایا۔ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم وہاں کے واقعات کو بعد میں یادوں کی صورت میں بیان فرماتے تھے۔ ایک مکان کو دیکھ کر فرمایا: یہی وہ مکان ہے جس میں میری والدہ نے قیام کیا تھا، یہیں میرے والد ماجد کو بھی دفنایا گیا تھا۔ ایک دفعہ فرمایا: میں نے بنو عدی بن نجار کے تالاب میں تیرنے میں مہارت حاصل کی تھی۔ ③

یہودیوں کی دشمنی

یہود ہمیشہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کے دشمن رہے ہیں۔ حضور کے بچپن میں بھی انہوں نے اپنی اسی دشمنی کا اظہار کیا۔ انہیں جیسے ہی آپ کے مدینے آنے کی بھنک پڑی تو آپ میں آخری نبی ہونے کی نشانیاں تلاش کرنے کے درپے ہوئے تاکہ تصدیق کے بعد آپ کو نقصان پہنچا سکیں، ان کی کوششیں اس حد تک بڑھ گئیں کہ یہ آپ کے مکان تک پہنچ گئے۔ سیدہ آمنہ کو جیسے ہی پتا چلا، آپ نے خطرہ مول لینا مناسب نہ سمجھا اور فوری وہاں سے چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ ④

1 طبقات ابن سعد، 1/93

2 درایتاً یہ بات عجیب ہے کہ حضرت آمنہ اس طویل اور مشکل سفر میں صرف اپنے شہزادے اور ایک خادمہ کے ساتھ ہوں۔ قرینِ قیاس یہ ہے کہ مدینہ کو جاتے اور آتے وقت آپ کو شام کی طرف جانے والے قافلوں کا ساتھ حاصل ہو گا۔ اس بات کی مزید تحقیق اور دلائل کے لئے المدینۃ العلمیہ کی کتاب "آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے والدین کریمین (ویب ایڈیشن)" صفحہ 73 تا 75 کا مطالعہ فرمائیں۔

3 طبقات ابن سعد، 1/93 ملتقطاً

4 البدایہ والنہایہ، 2/238

www.dawateislami.net

سیدہ آمنہ کے آخری لمحات

خوش قسمتی سے واپسی پر بھی آپ کو ایک بااعتماد قافلہ مل گیا جس کے ساتھ آپ سفر کر کے واپس پہنچ سکتی تھیں۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی، ابواء[1] کے مقام پر طبیعت اتنی خراب ہوئی کہ آپ نے محسوس کر لیا کہ اب یہ میری آخری سانسیں ہیں۔ حضرت آمنہ بہترین شاعرہ تھیں، زندگی کے آخری لمحات میں انہوں نے اپنے پیارے بیٹے کے لئے جو دل آویز نصیحت کی وہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ معنویت (اپنے معنی) میں بھی بے مثال ہے۔ ان نصیحت بھرے اشعار میں انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے رب کی طرف سے تمام کائنات کا رسول بننے کی پیشین گوئی فرمائی اور انہیں ہمیشہ بتوں سے دور رہنے کی وصیت فرمائی۔[2]

سیدہ آمنہ کا وصال

اشعار کے بعد آپ کے آخری جملے یہ تھے: ”كُلُّ حَيٍّ مَيِّتٌ وَكُلُّ جَدِيدٍ بَالٍ، وَكُلُّ كَبِيرٍ يَفْنَى وَاَنَا مَيِّتَةٌ وَ ذِكْرِيْ بَاقٍ وَ قَدْ تَرَكْتُ خَيْرًا وَوَلَدْتُ طُهْرًا یعنی ہر زندہ کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا ہے اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو ایک دن فنا ہونا ہے۔ میں بھی جا رہی ہوں لیکن میرا ذکر ہمیشہ خیر کے ساتھ باقی رہے گا، اس لئے کہ کیسی عظیم خیر چھوڑ کر چلی ہوں اور کیسا ستھرا بیٹا پیدا کیا ہے۔“ یہ کہا اور انتقال فرما گئیں، آپ کو وہیں دفن کیا گیا۔[3] اعلیٰ حضرت، امام احمد

---

1. ابواء (Abwa) ایک وادی ہے جو مکہ شریف اور مدینہ شریف کے درمیان میں سمندر کی طرف واقع ہے۔ اس کا فاصلہ مکہ شریف سے تقریباً 261 جبکہ مدینہ شریف سے تقریباً 222 کلومیٹر ہے۔ وادیِ ابواء میں ایک غزوہ بھی درپیش آیا تھا جس میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ آج کل وادیِ ابواء خریبہ کے نام سے مشہور ہے۔
2. مواہب لدنیہ، 1/ 89 ملخصاً
3. مواہب لدنیہ، 1/ 88، 89

www.dawateislami.net

رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ ان کلمات کے بعد لکھتے ہیں: سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی یہ ایمانی فراست اور نورانی پیشین گوئی قابلِ غور ہے کہ میں تو انتقال کرتی ہوں مگر میرا ذکرِ خیر ہمیشہ باقی رہے گا۔ عرب و عجم کی ہزاروں شہزادیاں، بڑی بڑی تاج والیاں خاک کا پیوند (دفن) ہوئیں جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا، مگر اس پاکیزہ خاتون کے ذکرِ خیر سے زمین کے مشرق و مغرب میں انسانوں اور قدسیوں (فرشتوں) کی محافل و مجالس سے زمین و آسمان گونج رہے ہیں اور ہمیشہ گونجیں گے۔ [1]

مدینہ شریف کی ایک پرانی تصویر (1913ء)

1 فتاویٰ رضویہ، 30/303 مفہوماً

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے ابواء جانے کے راستے کا نقشہ۔ وادی ابواء کا مکہ سے تقریباً 261 جبکہ مدینہ سے تقریباً 222 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔

سردارِ قریش کے لاڈلے

والدہ کے وصال کے بعد حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے ساتھ چمٹائے واپس مکہ لے آئیں اور آپ کو آپ کے دادا حضرت عبد المطلب کے سپرد کیا۔ مکہ پہنچنے تک بی بی آمنہ کے وصال کو پانچ دن گزر گئے تھے، حضرت عبد المطلب اپنے پوتے کو سینے لگا کر بہت روئے، ان پر ایسی رقت (رونے کی کیفیت) طاری ہوئی کہ اپنی اولاد کے معاملے میں بھی ان پر ایسی رقت طاری نہ ہوئی تھی۔[1] سردارِ قریش کا وہ پیارا پوتا جس کی ولادت سے پہلے ہی باپ کا سایۂ شفقت اُٹھ گیا تھا اب اس ننھی سی عمر میں ماں کی ممتا اور رحمت و شفقت بھی اس سے

[1] سیرت حلبیہ، 1/154

دور ہوگئی تھی۔ شاید یہ اس لئے تھا کہ کل دنیا بھر کے درد مندوں نے جس کے در پر آکر اپنے درد کا درماں (علاج) کرنا ہے تو وہ پہلے سے ہی درد آشنا (درد سے واقف) ہو اور سراپا رحمت و شفقت بن کر دوسروں کے درد کو اپنا درد سمجھے اور ان کے زخموں پر مرہم رکھے۔

شفیق دادا کی کفالت میں

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم والدین کی رحلت (وفات) کے بعد مکمل طور پر اپنے دادا کی کفالت میں آ گئے۔ والدہ کے وصال کے بعد شفیق و مہربان دادا کی اپنے پوتے سے محبت و الفت اور بڑھ گئی۔ وہ ہر وقت اپنے پوتے کو ساتھ رکھتے، لاڈلے پوتے کے بغیر کھانا نہ کھاتے۔ چونکہ حضرت عبدالمطلب قریش کے سردار تھے یوں ان کے لئے کعبہ شریف کے سائے میں ایک خصوصی نشست بچھائی جاتی تھی، کسی کی مجال نہ تھی کہ اس پر قدم رکھتا لیکن ان کا یہ لاڈلا پوتا بلا جھجک اس پر چڑھ کر بیٹھ جاتا، آپ کے چچا روکنا چاہتے تو حضرت عبدالمطلب کہا کرتے: "دَعُوۡا اِبۡنِیۡ! فَوَاللّٰہِ اِنَّ لَہٗ لَشَاۡنًا یعنی میرے بیٹے کو مت پکڑو! اس کا مقام بڑا بلند ہے۔" پھر آپ کو اپنے ساتھ پہلو میں بٹھاتے اور آپ کی پشت مبارک (پیٹھ) پر پیار سے ہاتھ پھیرتے۔ [1] وقت گزرتا رہا یہاں تک کہ وہ دن آیا کہ جس میں مکہ والوں پر رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور ان کا محبوب سردار ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہو گیا۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی زندگی کا آٹھواں سال (579ء) تھا، حضرت عبدالمطلب کی وفات پر سوگ میں کئی دن تک مکہ کے بازار بند رہے۔ جب آپ کا جنازہ اٹھایا

---

[1] سیرت حلبیہ، 1/158-السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص69

www.dawateislami.net

گیا تو لوگوں نے آپ کے آٹھ سالہ لاڈلے پوتے کو بھی اشک بہاتے (روتے) دیکھا۔[1]

مکہ شریف کی ممکنہ پرانی تصویر (1897ء)

چچا کی کفالت میں

دادا کے بعد ان کی وصیت کے مطابق آپ اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں آ گئے۔ ابو طالب آپ کے والدِ گرامی حضرت عبد اللہ کے سگے بھائی ہیں۔[2] شاید یہی وجہ ہے کہ کفالت کی ذمہ داری انہوں نے لی۔ دادا کی طرح ابو طالب بھی آپ سے ٹوٹ کر پیار کرتے

1. سیرت حلبیہ، 1/166
2. السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ص73- طبقات ابن سعد، 1/95

www.dawateislami.net

اور اپنی اولاد سے زیادہ آپ کو عزیز رکھتے تھے۔ آپ تھے ہی ایسے کہ ہر ایک کا دل بے اختیار آپ کی طرف کھنچتا تھا، پھر نبوت کی برکتیں بھی دوسروں کو آپ کی طرف مائل کرتی تھیں، یوں چچا کی آنکھوں کا تارا بن گئے۔ ابو طالب مالی اعتبار سے اتنے مضبوط نہیں تھے، نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ان کے پاس آنے سے فائدہ یہ ہوا کہ ان کا گھر رحمتوں اور برکتوں کی کان بن گیا۔ انہی کا بیان ہے: جب بھی میرے بچے کھانا کھاتے تو ان کا پیٹ نہ بھرتا، لیکن جب سے حضور ان کے ساتھ کھانا تناوُل فرمانے لگے تو کھانے میں ایسی برکت ہوتی کہ سب کا پیٹ بھر جاتا تھا۔ اسی طرح دودھ کے جس برتن سے آپ چند گھونٹ نوش فرمالیتے تو اس میں ایسی برکت ہوتی کہ سب کے پیٹ بھر جاتے مگر دودھ پھر بھی بچا رہتا۔[1] ایسے مبارک اور پاکیزہ بھتیجے سے ابو طالب جتنا بھی پیار کرتے کم ہی تھا۔

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھنے کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے والدہ ماجدہ کے ساتھ سفر مدینہ کے کیا مقاصد تھے؟

سوال: حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے دادا کی آپ سے محبت کے کچھ انداز بیان کریں؟

سوال: سیدہ آمنہ کے آخری کلمات کیا تھے؟ اور ان پر امام احمد رضا خان نے کیا تبصرہ کیا ہے؟

سوال: اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم والدین کریمین کی وفات کے بعد کس کس کی کفالت میں رہے؟

---

1 دلائل النبوۃ للاصبہانی، 1/95

www.dawateislami.net

چھٹا باب

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا پیارا لڑکپن

The Blessed adolescence of the Greatest and Final Prophet ﷺ

پاکیزہ اخلاق

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کفالت و نگہداشت (حفاظت) کے لئے اپنے چچا جناب ابو طالب کے پاس آئے تو اللہ کریم نے دونوں میاں بیوی[1] کے دلوں میں اپنے بھتیجے کی شدید محبت ڈال دی۔ وہ اپنی حقیقی اولاد سے بڑھ کر ان سے پیار اور شفقت کا مظاہرہ کرتے۔ یہی پیار تھا کہ آپ کے چچا رات کو سوتے تو حقیقی اولاد کی بجائے بھتیجے کو پہلو میں سلاتے۔[2] آپ کے پاکیزہ کردار سے متعلق آپ کے چچا کی گواہی کچھ یوں ہے: میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کبھی کسی وقت کوئی جھوٹ بولا ہو یا کبھی کسی کو دھوکا دیا ہو یا کبھی کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو یا بیہودہ لڑکوں کے پاس کھیلنے کے لئے گئے ہوں یا کبھی کوئی خلافِ تہذیب بات کی ہو۔ ہمیشہ انتہائی خوش اخلاق، نیک اطوار (انداز)، نرم گفتار، بلند کردار اور اعلیٰ درجہ کے پارسا (نیک) اور پرہیز گار رہے۔[3]

روئے انور سے بارانِ رحمت کی طلب

اسی دور میں ایک واقعے نے سب کی توجہ آپ کی طرف کر دی۔ ہوا یوں کہ مکہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں سخت قحط پڑ گیا۔ عرصے سے بارش کی ایک بوند بھی نہ ٹپکی تھی۔ ہر شخص پریشان تھا، چند لوگ ایک جگہ بیٹھے اس پر بات چیت کر رہے تھے اور اس

1 ان کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ عنہا ہیں جو ابتدائے اسلام میں ہی مسلمان ہوئیں، مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ آپ نہایت صالحہ تھیں، مدینے میں وصال فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے کفن کے لئے اپنی قمیص عطا فرمائی اور ان کی قبر میں لیٹے۔ (الاصابہ، 8/ 268، 269)

2 طبقات ابن سعد، 1/ 96

3 سیرتِ مصطفیٰ، ص 83

www.dawateislami.net

Go To Index

مصیبت سے چھٹکارا پانے کی تدبیریں سوچ رہے تھے، کوئی کسی بت سے فریاد کرنے کا مشورہ دے رہا تھا، کوئی کسی بت کی چوکھٹ پر سر جھکانے کی تجویز دے رہا تھا۔ ایک سمجھ دار و عقل مند شخص کہنے لگا: "اَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ یعنی کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟" جب تمہارے درمیان ابراہیم و اسمٰعیل کی اولاد کی نشانی موجود ہے تو اِدھر اُدھر کیوں جا رہے ہو؟ کچھ لوگ سمجھ گئے، کہنے لگے: شاید ابوطالب کی طرف اشارہ کر رہے ہو؟ کہا: ہاں! انہی کا کہہ رہا ہوں۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور جناب ابوطالب کے دروازے پر آئے اور انہیں کہا: آپ دیکھ رہے ہیں کہ کیسا زور دار قحط پڑا ہے۔ براہِ کرم! آیئے! اور بارش کے لئے دعا مانگئے۔ وہ سب کے ساتھ روانہ ہو گئے، ان کے ساتھ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی تھے، اس وقت آپ نوخیز لڑکے کی طرح تھے، لیکن نبوت کے انوار اپنا رنگ دکھا رہے تھے، رُخِ انور کو دیکھ کر ایسا لگتا جیسے سورج ابھی بادلوں سے نکلا ہو۔ جناب ابوطالب نے آپ کو پکڑا اور کعبہ شریف سے آپ کی پیٹھ مبارک لگا دی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اس وقت بادلوں کا نام و نشان نہ تھا، ہاتھ اٹھاتے ہی بادل کی ٹکڑیاں نجانے کہاں سے اُمڈ کر آ گئیں، پھر ایسی موسلا دھار بارش برسی کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ بعد میں آپ کے چچا نے اپنے ایک قصیدے میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ شعر کہے:

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ
تَلُوْذُ بِهِ الْهَلَاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِیْ نِعْمَةٍ وَ فَوَاضِلِ

یعنی وہ گورے رنگ والے کہ ان کے منہ کے صدقے میں بارش کا پانی مانگا جاتا ہے۔ یتیموں کے جائے پناہ، بیواؤں کے نگہبان۔ بنی ہاشم (جیسے غیور لوگ) تباہی کے وقت ان کی پناہ

www.dawateislami.net

میں آتے ہیں، ان کے پاس ان کی نعمت وفضل میں بسر کرتے ہیں۔ (1)

تجارت کے لئے سفرِ شام

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم جب تقریباً 12 سال کے تھے، اس وقت جناب ابوطالب قریش کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام جانے کے لئے تیار ہوئے۔ اپنے لاڈلے بھتیجے کو ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں تھا کہ آپ کی عمر کم اور سفر طویل و کٹھن تھا، لیکن جب قافلے کی روانگی کا وقت آیا تو آپ نے چچا کی سواری کی لگام تھام لی اور گویا ہوئے: ”یَا عَمِّ، اِلٰی مَنْ تَکِلُنِی؟ لَا اَبَ لِیْ وَلَا اُمَّ چچا جان! آپ مجھے کس کے سپرد کرکے جا رہے ہیں؟ نہ میرے والد نہ میری والدہ۔“ ان جملوں نے آپ کے چچا پر ایسا اثر کیا کہ وہ نہ صرف آپ کو ساتھ لے جانے پر راضی ہوئے بلکہ اعلان کر دیا: ”لَا یُفَارِقُنِیْ وَلَا اُفَارِقُہٗ اَبَدًا یعنی آئندہ ہم کبھی بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔“ (2) سفر شروع ہوا، کئی دنوں کی مسافت (سفر) کے بعد قافلہ بُصریٰ (3) پہنچا۔

کاروان کی دعوت

وہاں ایک درخت کے سائے میں کاروان نے قیام کیا، اس درخت کے قریب ہی ایک خانقاہ تھی جہاں ایک عیسائی راہب ”جرجیس“ جو ”بحیرا“ کے لقب سے مشہور تھا ایک

---

(1) السیرۃ النبویۃ لدحلان، 1/ 89 ملخصًا

(2) السیر والمغازی لابن اسحاق، ص 73

(3) بُصریٰ (Busra) جنوبی شام کا ایک قدیم اور اہم شہر ہے۔ بصریٰ کا معنٰی ہے: بلند قلعہ۔ مکہ شریف سے اس کا فاصلہ لگ بھگ 1575 کلومیٹر ہے۔ مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسے فتح کیا۔ ایک عرصے تک یہ شہر معروف ومشہور رہا پھر فتنہ تاتار نے اس شہر کو ایسا اجاڑا کہ یہ گمنامی کا شکار ہو گیا۔ (معجم البلدان، 1/ 348)

عرصے سے ٹھہرا ہوا تھا، اس کی خانقاہ کے پاس سے قافلے گزرتے ہی رہتے تھے، اس نے کبھی ان کی پروا نہیں کی تھی، لیکن اس دفعہ اس نے خانقاہ سے دیکھا کہ ایک نوخیز لڑکے پر بادل سایہ کرتا ہے، جہاں وہ جائے بادل ساتھ جاتا ہے، جب قافلہ درخت کے نیچے بیٹھا تو بچے کے لئے درخت کے سائے میں جگہ نہ رہی، لیکن درخت نے جھک کر اپنا سایہ اس پر پھیلا دیا۔ یہ حیرت انگیز مناظر اس کے لئے تعجب کا باعث بنے۔ اس نے تمام قافلے والوں کی دعوت کر ڈالی، اب حیران ہونے کی باری قافلے والوں کی تھی، ایک شخص سے رہا نہ گیا، وہ پوچھ بیٹھا: پہلے بھی ہم اس راستے سے بارہا گزرے ہیں، مگر اس سے پہلے تو آپ کو کبھی ہماری دعوت کا خیال نہیں آیا۔ اس دفعہ ایسا کیا ہو گیا ہے کہ آپ بنفسِ نفیس (خود) دعوت دینے آگئے ہیں۔ راہب نے بات ٹال دی اور ضیافت (دعوت) قبول کرنے پر اصرار کیا، قافلے والوں نے دعوت قبول کر لی۔

راہب کی تفتیش

راہب نے دعوت کے وقت سب کا استقبال کیا اور منتظر رہا کہ وہ پیکرِ نور بھی مجھے نظر آئے، مگر ایسا ہو نہ سکا۔ اس نے پوچھا: سب آگئے ہیں یا کوئی رہ بھی گیا ہے؟ بتایا گیا کہ سب آگئے ہیں، البتہ ایک بچہ سامان وغیرہ کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس نے کہا: یہ ٹھیک نہیں ہے کہ سب سیر ہو کر (پیٹ بھر کر) کھائیں اور وہ محروم رہ جائے، اسے بھی بلاؤ! نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے چچا حارث گئے اور آپ کو بلا لائے۔ جب اس نے آپ کے چاند سے چہرے کی زیارت کر لی تو مطمئن ہو گیا۔ سب کو کھانا کھلا کر فارغ کر کے وہ راہب آپ کے پاس آیا، آزمانے کے لئے لات و عزیٰ کا واسطہ دے کر کچھ پوچھنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اپنی

صاف ستھری فطرت کے سبب شرک و کفر کے ان مرکزوں سے نفرت کا اظہار کیا۔ راہب نے اب اللہ پاک کے نام کی قسم دے کر کچھ پوچھنے کی کوشش کی۔ آپ نے رضامندی کا اظہار کیا تو اس نے آپ سے کچھ سوالات کئے، توقع کے مطابق جوابات پاکر اس نے پشتِ اقدس سے کپڑا ہٹا کر مہرِ نبوت کو بغور دیکھا اور اسے چوم لیا۔ پھر جناب ابو طالب سے یہ مکالمہ ہوا:

راہب: یہ بچہ آپ کا ہے؟ ابو طالب: ہاں بیٹا ہے میرا۔ راہب: ہو ہی نہیں سکتا کہ ان کے والد زندہ ہوں۔ ابو طالب: ٹھیک، بیٹا یعنی میرا بھتیجا ہے۔ جب یہ اپنی ماں کے شکم میں تھے تب ہی وہ فوت ہوگئے تھے۔ راہب: ٹھیک بات کہی، ان کی والدہ کہاں ہیں؟ ابو طالب: کچھ عرصہ ہوا وہ بھی فوت ہوگئیں۔ راہب: آپ کے بھتیجے کی بڑی شان ہے، انہیں لیں اور واپس وطن چلے جائیں، یہود سے ہمیشہ ہوشیار رہیں، اگر اُنہوں نے اِنہیں پہچان لیا، جیسا کہ میں نے پہچانا ہے تو وہ اِنہیں نقصان پہنچانے سے باز نہیں آئیں گے۔ راہب نے یہ بھی بتا دیا: "هٰذَا سَيِّدُ الْعٰلَمِيْنَ، هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، يَبْعَثُ اللهُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی یہ تمام جہانوں کے سردار اور تمام جہانوں کے رب کے رسول ہیں، اللہ پاک انہیں تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گا۔" ابو طالب نے اس پُر خلوص نصیحت کو پلے باندھا اور انہیں ساتھ لے کر واپس آگئے۔ (1)

حربِ فجار

اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی عمر مبارک جب 14 سال کی تھی، تب جنگِ فجار کا

1 طبقات ابن سعد، 1/123 - البدایۃ والنہایۃ، 2/243 ملتقطا

www.dawateislami.net

Go To Index

واقعہ پیش آیا۔ یہ جنگ قریش اور بنو ہوازن کے درمیان ہوئی اور قریش اس میں حق پر تھے۔[1] اس جنگ میں اللہ پاک نے اپنے حبیب کی حفاظت فرمائی، آپ کی شرکت صرف اس حد تک تھی کہ آپ کے سارے چچا اس جنگ میں شریک تھے اور ان کے ساتھ آپ بھی جلوہ فرما تھے۔ آپ نے بذاتِ خود نہ تو جنگ میں حصہ لیا، نہ ہی کوئی آپ کے ہاتھوں مارا گیا اور نہ زخمی ہوا۔[2] آپ کے مبارک وجود کی برکتیں یہاں بھی ظاہر ہوئیں، وہ ایسے کہ جب تک آپ میدان میں تشریف فرما رہتے، قریش غالب آنے لگتے، جب آپ واپس چلے جاتے تو فریقِ مخالف دباؤ بنا لیتے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر سب کہہ اٹھے: ”لَا تَغِبْ عَنَّا یعنی ہمیں چھوڑ کر مت جایا کرو۔“ پھر آپ وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ فریقین میں باہمی صلح ہوگئی۔[3]

حِلفُ الفضول میں شرکت

جنگوں سے امن ہوا تو حالات معمول پر آنے لگے، ایک دن زبید قبیلے کا ایک فرد کچھ سامان لے کر مکہ آیا۔ شہرِ مکہ کے ایک طاقتور سردار عاص بن وائل نے اس سے سامان خریدا، مگر اس زبیدی تاجر کو اس کا حق نہ دیا۔ وہ بے چارہ دوسرے کئی سرداروں کے پاس گیا اور فریاد کی مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ شاید اس کی وجہ عاص بن وائل کا اثر و رسوخ (دباؤ) رہا ہو۔ بہر حال وہ تاجر جب ہر طرف سے مایوس ہو گیا تو مکہ کے بیچوں بیچ واقع جبلِ ابو قبیس[4] پر چڑھ گیا اور اشعار کی

1 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص 75
2 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص 75
3 سیرت حلبیہ، 1/186
4 اَبُو قُبیس دُنیا کا سب سے پہلا پہاڑ ہے، مسجدِ حرام کے باہَر صَفا و مَروہ سے قریب واقِع ہے۔ اِس پہاڑ پر دُعا قبول ہوتی ہے، حَجَرِ اَسْوَد جنّت سے یہیں نازِل ہُوا تھا۔ طوفانِ نوح میں حجرِ اسود اسی پہاڑ میں بحفاظت تشریف فرما رہا، اسی وجہ سے اسے ”اَلْاَمین“ بھی کہا جاتا ہے۔ (عاشقانِ رسول کی 130 حکایات، ص 238 ملخصًا)

www.dawateislami.net

صورت میں خود پر ہونے والے ظلم کی داستان بیان کی اور اپنی مدد کے لئے سب کو پکارا۔

جبل ابو قبیس اور اس کے ساتھ مسجد حرام کی ایک ممکنہ تصویر

سب سے پہلے اس بے چارے مسافر کی فریاد پر لبیک کہنے والے زبیر بن عبد المطلب تھے۔ اس کے بعد قریش کے کچھ صلح پسند لوگوں نے ایک اصلاحی تحریک چلائی۔ قریش کے بڑے بڑے سردار عبداللہ بن جُدعان کے گھر جمع ہوئے۔ وہاں ان سرداروں نے قسم اٹھا کر ایک عہد کیا اور پکا ارادہ کر لیا کہ ہم بے امنی کا خاتمہ، مسافروں کی حفاظت، غریبوں کی امداد، مظلوم کی

www.dawateislami.net

حمایت اور ظالم کا محاسبہ کریں گے۔یہی عہد وپیمان (معاہدہ)بعد میں ”حِلفُ الفضول “[1] کے نام سے مشہور ہوا۔ عہد و پیمان کے بعد سب سردار مل کر عاص کے پاس گئے اور اس سے زبیدی تاجر کو اس کا حق دلوایا۔ اس معاہدے میں اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم بھی بنفسِ نفیس شامل تھے اور آپ اس معاہدے کا اتنا لحاظ فرماتے کہ زمانہ نبوت میں فرمایا کرتے تھے: ”لَوْ دُعِيْتُ بِهٖ لَاَجَبْتُ یعنی اگر آج بھی اس معاہدے کے نام پر مجھے مدد کے لئے پکارا جائے تو میں اس پکار پر لبیک کہوں گا۔ “[2]

تجارتی اسفار

قریش چونکہ تاجر پیشہ لوگ تھے، اسی وجہ سے اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے بھی کسبِ حلال کے لئے تجارت کا پیشہ اختیار فرمایا۔ اجرت پر گلہ بانی کرنے کے ساتھ ساتھ آپ تجارت کی غرض سے کئی سفروں پر تشریف لے گئے۔ 10 برس کی عمر میں آپ نے اپنے چچا زبیر بن عبد المطلب کے ساتھ یمن[3] کا تجارتی سفر بھی فرمایا۔[4] حضرتِ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر آپ نے جُرَش (یمن میں ایک مقام) کی طرف دو بار تجارتی سفر فرمایا۔

---

1 بہت عرصہ پہلے مکہ میں اسی طرح کا ایک معاہدہ ہوا تھا، اس معاہدے کا سبب بننے والوں کا نام ”فضل“ تھا، یوں اس کا نام پڑ گیا: ”حلف الفضول“ یعنی ان چند آدمیوں کا معاہدہ جن کے نام ”فضل“ تھے۔ اسی طرح کا یہ دوسرا معاہدہ تھا، اسے بھی اسی نام سے شہرت مل گئی۔ (آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی پیاری سیرت، ص3 ملخصاً)

2 طبقات ابن سعد، 1/ 103- الروض الانف، 1/ 242-244 ملخصاً

3 یمن (Yemen) جزیرۂ عرب کے جنوبی سرے پر واقع ہے، پرانا یمن موجودہ سے کہیں زیادہ بڑا تھا۔ عہدِ نبوی میں یمن ایک زبردست تجارتی مرکز اور ترقی یافتہ خطہ تھا، حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کو ملکِ یمن کے جج کا عہدہ بخشا گیا تھا۔ صنعاء (Sana'a) اب ملک کا دارالحکومت ہے جس کا مکہ سے فاصلہ تقریباً 1060 کلومیٹر ہے۔

4 سبل الہدی والرشاد، 2/ 139

www.dawateislami.net

ان میں سے ہر سفر ایک اونٹنی کے عوض (بدلے) تھا۔ [1] اسی طرح اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کے بحرین کی طرف سفر فرمانے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ [2]

دورِ جاہلیت میں تجارتی برائیاں بہت عام تھیں لیکن آقا کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اُس دور میں بھی ایسی تجارت فرمائی کہ ہر طرح کی تجارتی خرابیوں سے دور رہے۔ تجارت میں امانت، دیانت اور سچائی کی وجہ سے ہی اس معاشرے کے لوگ آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ "صادق" اور "امین" جیسے القاب سے پکارتے۔ یقیناً یہ آپ کے کریمانہ اخلاق اور حُسنِ معاملہ کی اعلیٰ دلیل ہے۔ اللہ پاک ہمیں بھی اپنے تجارتی معاملات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تجارت کے نقش قدم پر چلانے کی توفیق بخشے۔ آمین

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھنے کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: قحط اور اس سے نجات کا واقعہ کیا ہے؟

سوال: جرجیس راہب کا لقب کیا ہے؟ اور اس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟

سوال: عیسائی راہب نے ایسا کیا دیکھا جس کی وجہ سے اس نے تمام قافلے کی دعوت کی؟

سوال: "حِلفُ الفضول" سے کیا مراد ہے؟

سوال: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے تجارتی سفروں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

---

1 مستدرک، 4/178، حدیث:4887

2 مسند احمد، 5/296، حدیث:15559 ملتقطاً

www.dawateislami.net

ساتواں باب

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی جوانی کے واقعات

The Blessed events of the sacred youth of the Greatest and Final Prophet ﷺ

قریش کے تجارتی سفر

قریش کا پیشہ تجارت تھا اور ان کے تجارتی قافلے موسمِ گرما میں شام اور موسمِ سرما میں یمن کا رخ کرتے تھے۔ اس دور میں ان راستوں کے آس پاس قتل و غارت گری ہوتی رہتی تھی، قافلے لٹتے رہتے اور مسافر مارے جاتے تھے مگر قریش بڑے امن میں رہتے تھے۔ ہر جگہ کے لوگ انہیں اہلِ حرم کہتے اور ان کی عزت کرتے تھے، یہ امن کے ساتھ تجارتیں کرتے، ان تجارتوں سے فائدے اُٹھاتے اور مکہ شریف جہاں نہ کھیتی ہے، نہ معاش (کمانے) کے اسباب، وہاں مسلسل سرمایہ پہنچاتے اور خوشحالی کی زندگی گزارتے تھے۔ بعثت کے بعد جب قریش نے رب کو وحدہٗ لاشریک ماننے سے انکار کیا تو اللہ کریم نے فرمایا: ﴿فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِۙ(۳)﴾[1] ترجمہ: ”تو انہیں چاہیے اس گھر کے رب کی بندگی کریں۔“ یعنی قریش کو چاہیے کہ اس رب کی عبادت کریں جس نے قریش کو ہر سال میں دو سفروں کی طرف رغبت دلائی اور جس کے گھر کی برکت سے انہیں امن اور سلامتی ملتی ہے۔[2]

مکہ کی ایک کامیاب تاجرہ

مکہ کے جو تاجر ان سفروں میں سب سے زیادہ حصہ لیتے تھے ان میں سرِ فہرست حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تھیں۔ یہ کامیاب اور دولت مند تاجرہ ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاق کا پیکرِ جمیل تھیں۔ عفت و پاک دامنی کی وجہ سے اس دور میں بھی ”طاہرہ“ کے پاکیزہ لقب سے مشہور تھیں۔ جب تجارتی قافلہ بیرونِ ملک جاتا تو ان کے

---

1 پ30، قریش:3

2 تفسیر خازن، پ30، تحت الآیۃ:3، 4/411، 412

سامان سے لدے ہوئے اونٹ ضرور ساتھ ہوتے۔ یہ حضرت خدیجہ کی غیر معمولی سوجھ بوجھ (سمجھداری) کا کرشمہ تھا کہ آپ خود تجارتی سفر نہیں کرتی تھیں مگر اس دور کی ایک کامیاب تاجرہ اور مکہ کی خوشحال ترین خاتون تھیں۔

پھر سے شام کا سفر

یہ وہی دن تھے جب قافلہ تجارت کے لئے مکہ سے شام کی طرف روانہ ہو رہا تھا اور اسی قافلے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی عمر مبارک تقریباً 25 برس تھی۔ آپ کے چچا ابو طالب کو اس قافلے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے صادق و امین بھتیجے کو اس سفر کے لئے تیار کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے اپنی خودداری کے سبب طالب اور سائل بننا گوارا نہ کیا اور اپنے چچا سے کہا: "فَلَعَلَّهَا اَنْ تُرْسِلَ اِلَیَّ فِیْ ذٰلِكَ یعنی شاید وہ (خدیجہ) خود ہی اس سلسلے میں مجھے بلالیں۔" ابو طالب نے موقع ہاتھ سے نکلنے کے خطرے کا اظہار کیا مگر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ ادھر حضرت خدیجہ تک جب آپ کی امانت و صداقت کی شہرت پہنچی تو انہوں نے آپ کو پیغام بھیجا کہ آپ میرا مالِ تجارت ملکِ شام لے کر جائیں! جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا دوگنا (Double) دوں گی۔ آپ نے یہ درخواست قبول فرمائی اور تجارت کا سامان اور مال لے کر ملکِ شام روانہ ہو گئے۔ حضرت خدیجہ نے اپنا ایک غلام مَیْسَرہ بھی خدمت گزاری کے لئے ساتھ کر دیا تا کہ آپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو۔ (1)

---

(1) سیرت حلبیہ، 1/193

سستی چستی میں بدل گئی

دورانِ سفر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دو اونٹ تھک کر سست ہو گئے اور قافلے کا ساتھ دینے کے قابل نہ رہے۔ اس وقت آپ قافلے کے اگلے حصے میں تھے، میسرہ نے آگے جا کر آپ کو اس پریشانی کا بتایا۔ آپ نے پیچھے آکر سست ہو جانے والے اونٹوں کی پچھلی ٹانگوں پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور کچھ پڑھ کر دم کیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ فوراً ان کی سستی دور ہو گئی اور وہ تمام اونٹوں سے زیادہ تیز رفتار ہو گئے اور اگلے حصے میں پہنچ گئے۔ [1]

نسطورا راہب سے ملاقات

چند دنوں کی مسافت (سفر) کے بعد قافلہ شام کے مشہور شہر ''بُصریٰ'' پہنچا اور وہاں مشہور راہب نسطورا کی خانقاہ کے پاس پڑاؤ (قیام) کیا۔ آپ ایک درخت کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ راہب نے جب آپ کو وہاں بیٹھا دیکھا تو اس نے میسرہ کو بلایا، میسرہ اس راستے پر اکثر سفر کرتا رہتا تھا، یوں راہب اس سے واقف تھا، اس نے میسرہ سے کہا: یہ کون ہیں جو اس درخت کے نیچے اترے ہیں؟ میسرہ نے جواب دیا: یہ شہرِ مکہ کے رہنے والے ہیں، بنو ہاشم سے تعلق ہے، ان کا نام ''محمد'' ہے اور لقب ''امین'' ہے۔ راہب کہنے لگا: سوائے نبی کے آج تک اس درخت کے نیچے کوئی نہیں اترا۔ پھر اس نے پوچھا: کیا ان کی آنکھوں میں سرخی رہتی ہے؟ میسرہ نے جواب دیا: ہاں، ہے اور ہر وقت رہتی ہے۔ یہ سن کر نسطورا کہنے لگا: یہی اللہ کے آخری نبی ہیں، مجھے ان میں وہ تمام نشانیاں نظر آ رہی ہیں جو تورات اور

---

1 سیرت حلبیہ، 1/196

Go To Index

زبور میں پڑھی ہیں۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب یہ اپنی نبوت کا اعلان فرمائیں گے، اگر میں زندہ رہا تو ان کی بھرپور مدد کروں گا اور ان کی خدمت میں پوری زندگی گزاروں گا۔ اے میسرہ! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کبھی ان سے جدا مت ہونا، ان کی خدمت کرتے رہنا، کیونکہ اللہ پاک نے انہیں نبوت کا شرف عطا فرمایا ہے۔ [1]

برکتیں ہی برکتیں

آپ نے وہاں اپنا مال فروخت کیا اور اتنا نفع کمایا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا نفع نہیں ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر میسرہ حیران رہ گیا اور بے اختیار بول پڑا: میں برسوں سے اپنی مالکہ کے لئے تجارت کر رہا ہوں مگر اتنا نفع آج تک نہیں ہوا۔ تجارتی سفر سے آپ کامیاب و کامران واپس لوٹے۔ میسرہ نے اس سفر میں آپ کی یہ برکتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں:

1. دھوپ میں بدلیوں کا آپ پر سایہ کئے رہنا۔
2. بیمار و سست پڑ جانے والے اونٹوں کا آپ کے ہاتھوں سے شفا پانا۔
3. نسطورا راہب کا آپ پر فدا ہونا۔
4. بازارِ شام میں ایک اجنبی شخص کا آپ کے نبی ہونے کی پیشین گوئی کرنا۔
5. توقع اور اندازوں کے برخلاف اب تک کا سب سے زیادہ نفع حاصل ہونا۔

ان وجوہات کی بنا پر اللہ پاک نے میسرہ کے دل میں آپ کی ایسی محبت ڈال دی کہ ایسا لگتا تھا جیسے میسرہ خود آپ کا غلام ہو۔ [2] آپ کی شرافت، نیکی، سچائی، ایمانداری اور خوش

---

1. سیرت حلبیہ، 1/194تا196 ملتقطاً
2. سیرت حلبیہ، 1/196

www.dawateislami.net

Go To Index

اخلاق وغیرہ جیسی نیک صفات نے بھی محبت بڑھانے میں اپنا کردار ادا کیا ہوگا۔ واپسی پر میسرہ نے آپ کو مکہ پہلے اور اکیلے پہنچنے کا مشورہ دیا تاکہ آپ خود حضرت خدیجہ کو اس عظیم نفع کے بارے میں بتائیں۔ جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت حضرت خدیجہ مکان کی چھت پر بیٹھی تھیں۔ انہوں نے یہ منظر دیکھا کہ دو فرشتے آپ پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ اتنے میں آپ تشریف لائے اور حضرت خدیجہ کو بتایا کہ اس دفعہ نفع اس سے دوگنا ہے جو پہلے حاصل ہوتا تھا۔ حضرت خدیجہ بہت خوش ہوئیں اور کہا: آپ جائیں اور قافلے کو ساتھ لے کر جلدی واپس آئیں۔ اس سے حضرت خدیجہ کو یہ تصدیق کرنی تھی کہ وہ آپ ہی ہیں جنہیں تھوڑی دیر پہلے نرالی شان کے ساتھ دیکھا تھا۔ آپ جب روانہ ہوئے تو حضرت خدیجہ جلدی سے اوپر جاکر دوبارہ اسی نظارے سے لطف اندوز ہونے لگیں کہ فرشتے سایہ کر رہے ہیں، اس منظر نے حضرت خدیجہ کے دل پر گہرا اثر کیا۔ کچھ دن کے بعد انہوں نے اپنے غلام میسرہ سے اس بات کا ذکر کیا تو میسرہ نے بتایا کہ میں تو پورے سفر میں اسی طرح کے مناظر دیکھتا رہا ہوں، پھر میسرہ نے اس طویل سفر میں آپ کی صداقت و دیانت، حُسنِ سلوک و غمخواری، معاملات کو سمجھنے اور کاروباری مہارت کے ساتھ ساتھ دیگر غیر معمولی روح پرور (دلکش) مناظر بیان کئے، یہ سن کر حضرت خدیجہ کے دل میں آپ کے لئے عقیدت و محبت پیدا ہوگئی۔ (1)

حضرت خدیجہ کا تعارف

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عام الفیل (ہاتھی والے واقعے کے سال) سے 15 سال پہلے پیدا ہوئیں، والدہ کا نام ”فاطمہ بنت زائدہ“ اور والد کا نام ”خُوَیلِد“ ہے جو تاجر تھے۔ حضرت خدیجہ

(1) سیرت حلبیہ، 1/196، 197

www.dawateislami.net

بچپن سے شریف اور عالی (بلند) ہمت تھیں، ان کی پہلی شادی ابوہالہ تمیمی سے ہوئی، اس سے دو صاحبزادے ہوئے: (1) ہند (1) اور (2) ہالہ۔ (2) تمیمی کے انتقال کے بعد ان کی دوسری شادی عتیق بن عائذ سے ہوئی، اس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی، جس کا نام بھی ہند (3) تھا۔ (4) عتیق کی وفات کے بعد کئی معزز افراد نے آپ کی طرف نکاح کے پیغام بھیجے مگر یہ آمادہ نہ ہوئیں۔ کیونکہ اب یہ منتظر تھیں کہ وہ نبی آئیں جن کی آمد کے تذکرے ہو رہے ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ عرب میں قریش کی خواتین کا ایک میلہ لگتا تھا، وہاں قومِ یہود کا ایک نجومی آیا اور کہنے لگا: اے قریش کی خواتین! عنقریب یہاں ایک نبی ظاہر ہونے والے ہیں۔ تم میں سے جو ان کی منکوحہ (بیوی) بن سکے تو اسے ضرور کوشش کرنی چاہیے۔ بقیہ خواتین نے اس پیشین گوئی پر کان نہ دھرے مگر حضرت خدیجہ نے یہ بات دل میں بٹھالی۔ پھر جب انہیں میسرہ کی زبانی سفر شام کے عجیب و غریب واقعات معلوم ہوئے تو انہوں نے کہا: ”اِنْ كَانَ مَا قَالَهُ الْيَهُوْدِيُّ حَقًّا مَا ذَاكَ اِلَّا هٰذَا“ یعنی اگر اس یہودی نجومی کی بات سچی ہے تو یقیناً وہ نبی آخر الزماں یہی ہیں۔ (5)

---

(1) حضرت ہند بن ابوہالہ رضی اللہ عنہ صحابی اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے رضاعی بیٹے ہیں۔ یہ چھوٹی عمر میں نبی علیہ السّلام کو جی بھر کر دیکھتے تھے کیونکہ انہوں نے آپ ہی کے گھر پرورش پائی تھی۔ بعد میں اسلام لائے اور احادیث روایت کیں۔ یہ بڑا فصیح و بلیغ کلام کرتے تھے، اسی لئے بڑے زبردست طریقے سے آقا کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا حسن و جمال بیان فرمایا ہے۔ یہ جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔ (الاصابہ، 6/436 تا 437)

(2) حضرت ہالہ بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ صحابیِ رسول اور حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر سے بیٹے ہیں۔ (الاصابہ، 6/406) یہ بھی مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے رضاعی بیٹے ہوئے۔

(3) حضرت ہند بنت عتیق عائذ رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں، حضرت خدیجہ کے شوہر عتیق بن عائذ کی بیٹی ہیں۔ حضرت خدیجہ کی نسبت سے ان کی اولاد کو بنوطاہرہ کہتے ہیں۔ (سیرت رسول عربی، ص598)

(4) معجم کبیر، 22/448، حدیث: 1091

(5) سبل الھدی والرشاد، 2/164

Go To Index

حضرت خدیجہ سے نکاح

رسمِ دنیا یہی ہے کہ پیغام لڑکے والوں کی طرف سے جاتا ہے لیکن چونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یقین تھا کہ آخری نبی یہی ہیں تو انہوں نے اس سعادت کو حاصل کرنے میں تاخیر مناسب نہ سمجھی اور خود کوششیں شروع کر دیں۔ پہلے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے ذاتی حالات معلوم کئے، اس کے بعد اپنی ایک سہیلی نفیسہ بنت منیہ کو آپ کے پاس بھیجا اور اس رشتے کے بارے میں آپ کی ذاتی رائے معلوم کرنے کی کوشش کی، جس سے انہیں لگا کہ آپ انکار نہیں کریں گے۔ اس کے بعد باقاعدہ رشتے کی پیش کش کی گئی تو آپ نے حضرت خدیجہ کی اس درخواست کو اپنے خاندان کے بڑوں اور اپنے چچاؤں کے سامنے رکھا۔ انہوں نے یہ رشتہ منظور کرلیا۔ آپ کا نکاح ہوا جس میں آپ کے چچا ابو طالب نے اپنے مال سے 20 اونٹ حق مہر مقرر کیا۔ [1]

پیکرِ صدق و وفا

عمروں میں فرق ہونے کے باوجود شوہر اور بیوی کی باہمی محبت بے مثال تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جن سے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے شادی کی، ان کے ایثار اور خدمت گزاری نے آپ کو اتنا متاثر کیا کہ جب تک حضرت خدیجہ حیات رہیں آپ نے کسی اور خاتون سے شادی نہ کی۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے کئی اور نکاح فرمائے مگر حضرت خدیجہ کی محبت کا اثر ایسا گہرا تھا کہ آپ زندگی بھر ان کو یاد کرتے رہے اور ان کی وفاؤں کے تذکروں سے انہیں خراجِ تحسین پیش فرماتے (اپنی محبتوں کا اظہار کرتے) رہے۔ حضرت ابراہیم

1 شرح الزرقانی علی المواھب، 1/370 تا 377 مختصراً

www.dawateislami.net

کے سوا آپ کی ساری اولاد انہی کے بطن پاک (پیٹ) سے ہوئی۔ سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے، انہی کے نام پر آپ کی کنیت ابو القاسم ہوئی، پھر حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت اُمِّ کلثوم، حضرت فاطمہ اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہم اجمعین پیدا ہوئے۔ عبد اللہ کا لقب طیب و طاہر تھا۔ آپ کے سب بچے بچپن ہی میں انتقال فرما گئے، البتہ بچیوں میں سے ہر ایک نے اسلام کا زمانہ پایا، مسلمان ہوئیں اور ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا سب کا انتقال آپ کی مبارک زندگی میں ہوا، جبکہ مخدومۂ کائنات، سیدہ فاطمہ آپ کے ظاہری وصال کے چھ ماہ بعد اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔

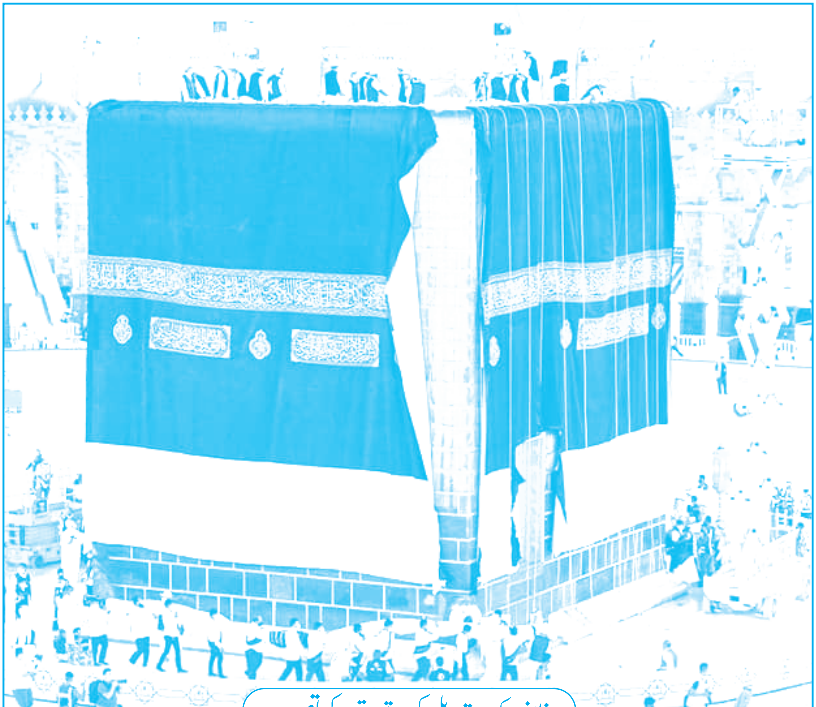

غلافِ کعبہ تبدیل کرتے وقت کی تصویر

www.dawateislami.net

کعبہ کی تعمیر

بیت اللہ شریف مکہ مکرمہ کی مرکزی عمارت تھی۔ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی جوانی میں اس کی کیفیت یہ تھی کہ یہ چھت سے محروم چار دیواری تھی جو آدمی کے قد کے برابر تھی۔ ایسے میں ایک دفعہ موسلا دھار بارش برسی اور سیلابی صورتحال پیدا ہوگئی، پانی حرمِ کعبہ میں آگیا جس سے کعبہ شریف کی عمارت کو کافی نقصان پہنچا اور اس کا کچھ حصہ بھی گر گیا۔ قریش نے طے کیا کہ مکمل عمارت توڑ کر پھر سے کعبہ کی ایک مضبوط عمارت بنائی جائے جس کا دروازہ بلند ہو اور اس کی چھت بھی ہو۔[1] حُسنِ اتفاق کہ انہی دنوں ایک بڑی کشتی کو سمندر کی موجوں (لہروں) نے دھکیل کر جدہ[2] کے ساحل پر پھینک دیا۔ اس کی قیمتی لکڑی بڑی کارآمد (کام میں آنے والی) تھی، قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس کے تختے خرید لیے اور ضروری سامان بھی منگوالیا۔ کعبے کی پرانی عمارت کو شہید کرکے انہی بنیادوں پر ایک بلند و بالا اور مضبوط عمارت کی تعمیر شروع ہوگئی۔ سب نے اس کام میں حصہ لیا، خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے بھی اس میں حصہ لیا اور اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہُ عنہ کے ساتھ مل کر پتھر ڈھوتے (اٹھاتے) رہے۔ جب حَجرِ اسود[3] عمارت میں نصب کرنے

1 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، 1/ 191 مختصرا- سیرت حلبیہ، 1/ 204، 205 ملتقطا

2 جدہ (Jeddah) خطۂ حجاز میں بحیرۂ احمر کے ساحل پر واقع ایک قدیم شہر ہے۔ حرمین شریفین کے لئے اہم گزرگاہ ہونے کے ساتھ یہ تجارتی اور ثقافتی مرکز بھی ہے، اسکا ہوائی اڈہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے جبکہ کئی زائرین بحری جہازوں کے ذریعے بھی یہاں سے گزرتے ہیں۔ یہ شہر سردیوں میں بھی گرم رہتا ہے۔ اب آبادی چار ملین سے زائد ہے۔

3 حجرِ اسود ایک پتھر ہے جو حضرت آدم علیہ السّلام کے ساتھ جنت سے اتارا گیا، اس پتھر کو چھونا اور چومنا گناہوں کو مٹاتا ہے۔ اہلِ عرب میں یہ پتھر بہت محترم سمجھا جاتا تھا۔ آج بھی یہ پتھر کعبے کی دیوار میں نصب ہے۔

www.dawateislami.net

(لگانے) کا مرحلہ آیا تو قبیلوں میں سخت اختلاف ہو گیا۔ ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ اس مقدس پتھر کو نصب کرنے کا اعزاز اسی کے پاس آئے۔ کئی دن تک یہ جھگڑا چلتا رہا، آخر ایک دانا (سمجھ دار) شخص نے جھگڑا ختم کرنے کے لئے یہ تجویز دی کہ کل سب سے پہلے جو شخص باب بنی شیبہ سے حرم میں داخل ہو، اسی کو فیصلہ کرنے دیں اور سب اس کا فیصلہ تسلیم کریں۔ یہ تجویز پسند کی گئی اور سب نے اتفاق کر لیا۔

کون آیا؟

اگلی صبح سب کی نظریں باب بنی شیبہ (موجودہ باب السلام) پر لگی تھیں، کون آئے گا اور کیا فیصلہ ہو گا؟ سب کے دل بے تابانہ (تیز تیز) دھڑک رہے تھے، آخر انتظار ختم ہوا اور چاند سے پیاری ایک شخصیت مخصوص دروازے سے اندر داخل ہوئی، اس ہستی پر نگاہ پڑتے ہی سب پکار اٹھے: "هٰذَا مُحَمَّدٌ، هٰذَا الْاَمِينُ قَدْ رَضِينَا بِهٖ یعنی یہ محمد ہیں، یہ امین ہیں، ہم ان پر راضی ہیں۔" (1) جب صورتحال پیش کی گئی تو آپ نے ایسا انصاف والا حل پیش فرمایا: جسے سن کر سب اش اش کر اٹھے۔ فرمایا: زمین پر ایک بڑی چادر بچھاؤ! چادر بچھا دی گئی تو آپ نے حجرِ اَسود اٹھا کر اس پر رکھ دیا اور فرمایا: اس چادر کو تمام قبائل کے سردار مل کر اٹھا لیں۔ سب نے ایسا ہی کیا اور جب حجرِ اسود اپنے مقام تک پہنچ گیا تو آپ نے اپنے برکت بھرے ہاتھوں سے اس مقدس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ رکھ دیا۔ یوں آپ کی ذہانت سے سب کو پتھر اٹھانے کی سعادت بھی مل گئی اور لڑائی جھگڑے کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ (2)

1 الشفاء، 1/ 134
2 طبقات ابن سعد، 1/ 116-117- شرح الزرقانی علی المواہب، 1/ 251

www.dawateislami.net

Go To Index

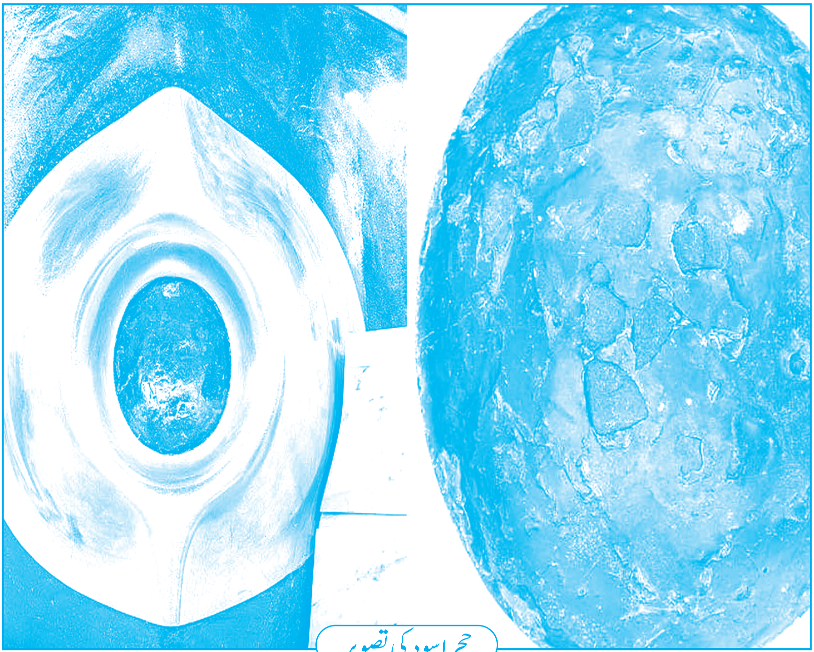

حجرِ اسود کی تصویر

اب تک کا کردار

اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اب تک کی ساری زندگی خوبیوں اور کمالات کا مجموعہ تھی۔ بچپن سے اب تک 40 سال عمر ہوگئی تھی، زمانۂ جاہلیت کے ماحول میں رہنے کے باوجود تمام مشرکانہ رسموں، جاہلانہ اطوار (انداز)، شرکیہ کاموں اور کفریہ افعال سے ہمیشہ آپ کا دامن پاک ہی رہا۔ قریش جو آپ کا خاندان ہے وہی کعبہ شریف کو 360 بتوں سے بھر کر گویا کفر و شرک کے نمائندے بنے ہوئے تھے لیکن آقا کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

www.dawateislami.net

نے کبھی ان بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ اسی طرح حیا اور وقار، خاموشی اور حق پسندی، مروت اور ملنساری، ایفائے عہد (وعدہ پورا کرنے) اور امانت داری، خوش روئی (خوبصورتی) اور عاجزی، غریبوں فقیروں کی غم خواری اور خبر گیری (خبر رکھنے)، خلقِ خدا کی خیر خواہی اور احساس سمیت تمام نیک عادتوں میں آپ اتنے بلند تھے کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ غرض وحی نازل ہونے سے پہلے بھی آپ کی مقدس زندگی اچھے اخلاق اور بہترین کاموں کا مجسمہ رہی۔ گویا آپ ایسے پھول ہیں جس میں کوئی کانٹا نہیں اور ایسی شمع ہیں جس میں دھویں کا نام ونشان نہیں۔ آج بھی کوئی عقل سلیم رکھنے والا آپ کی زندگی میں غور کرے تو اس بات کو مان لینے کے سوا چارہ نہیں ہو گا کہ آپ کا کردار انسانیت کا ایسا عظیم اور غیر معمولی کردار ہے جو کسی اور کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اعلانِ نبوت کرتے ہی حقیقت سمجھنے اور فطرتِ سلیمہ رکھنے والے لوگ آپ پر ایمان لے آئے اور تن من دھن سے آپ پر قربان ہونے لگے۔

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھنے کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: قریش تجارت کیلئے کہاں کا سفر کرتے تھے اور اس سے انہیں کیا فوائد تھے؟

سوال: شہر بُصریٰ اور نسطورا راہب کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

سوال: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی سفر شام میں کیا کیا برکتیں ظاہر ہوئیں؟

سوال: حضرتِ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کے نمایاں پہلو بیان کیجئے۔

سوال: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی جوانی میں ہونے والی تعمیر کعبہ کا واقعہ کیا ہے؟

www.dawateislami.net

Go To Index

آٹھواں باب

مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کی بعثتِ مبارکہ

The Blessed Prophethood of the Greatest and Final Prophet صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

Go To Index

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی عمر مبارک جب 40 برس کے قریب پہنچ گئی تو نبوت کے آثار چمکنا اور ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔[1] اللہ رب العالمین جو چاہے وہ لمحہ بھر میں ہو جائے لیکن اس کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ وہ چیزوں کو آہستہ آہستہ کمال تک پہنچاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انسان کے لئے 40 سال کی عمر "سِنِ کمال" ہے، یوں کہ اسی عمر میں جسمانی نشو و نما، ذہنی قوتیں اور عملی صلاحیتیں درجۂ کمال پر ہوتی ہیں۔[2] اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اس عمر تک ان اوصاف کے ساتھ ساتھ اخلاق، کردار اور سیرت کی پاکیزگی میں بھی بے مثل و بے مثال تھے۔ یوں وہ وقت قریب آنے لگا جس کا انتظار تھا۔

غارِ حرا میں عبادت

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اس عمر میں مخلوق سے دور ہو کر خالق کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ آپ شہر مکہ اور اس کی رونقوں کو چھوڑتے اور کچھ فاصلے پر موجود غارِ حرا[3] کو اپنے مبارک وجود کی خوشبو سے مہکاتے۔ کھانے پینے کی ضروری اشیاء کبھی خود ساتھ لے جاتے، کبھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہنچا دیتیں، آپ کئی کئی دن اس مقدس غار میں بسر کر دیتے، کبھی کبھی تو پورا پورا مہینا وہاں گزار دیتے۔[4]

1 فقہ السیرۃ، ص 60

2 تفسیر کبیر، پ 26، الاحقاف، تحت الآیۃ: 15، 10/ 18

3 غارِ حرا مسجدِ حرام سے تقریباً 4 کلو میٹر کے فاصلے پر جبلِ نور میں واقع ہے۔ پہاڑ کی اونچائی 634 میٹر جبکہ غار کی لمبائی چار اور چوڑائی تقریباً ڈیڑھ میٹر ہے۔ اس کا رخ ایسا ہے کہ سارا دن سورج اندر نہیں جھانک سکتا، فلک بوس عمارتیں بننے سے پہلے غار سے براہِ راست بیت اللہ کا نظارہ ممکن تھا۔ اسی غار سے نورِ ہدایت کا چشمہ پھوٹا جس سے دنیا روشن ہوئی۔ یہ غار اپنی اصلی حالت میں برقرار ہے اور عاشقانِ رسول کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

4 بخاری، 4/ 401، حدیث: 6982- الروض الانف، 1/ 399

www.dawateislami.net

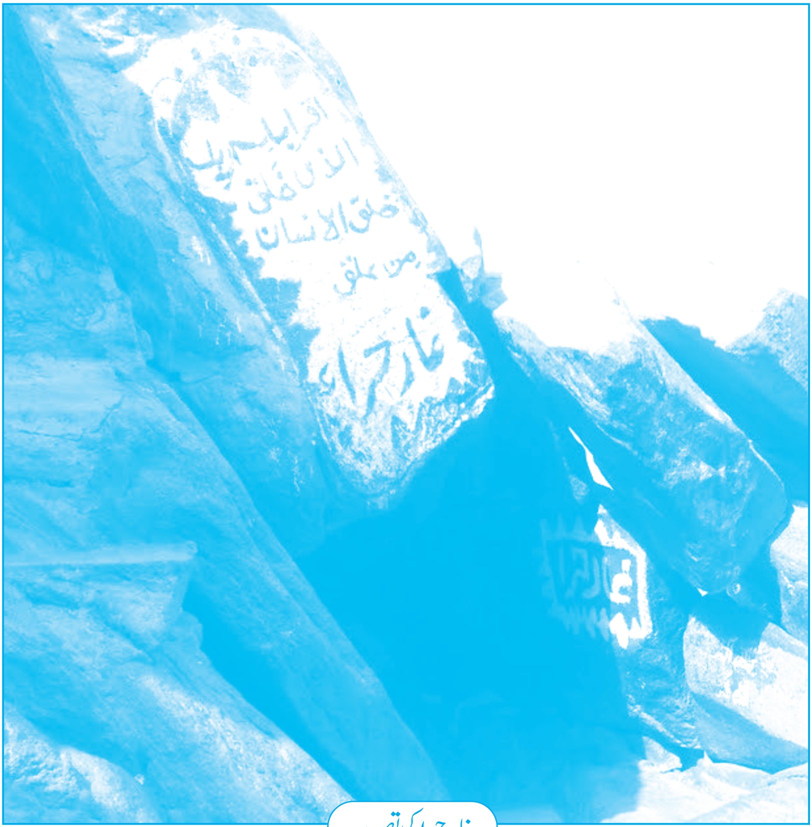

غارِ حرا کی تصویر

غارِ حرا میں تنہائی کی وجہ

مشاہدے اور تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ پاک پر ایمان لانے کے بعد اس کی محبت کو دل میں نقش کرنے (بٹھانے) کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ اللہ کریم کی نعمتوں میں غور و فکر کیا جائے اور اس کا ذکر کیا جائے۔ یہ فکر و ذکر رب کی محبت کے دروازوں کو کھول دیتا ہے۔ پھر یہی محبت انسان کے دل میں ایسی راسخ (مضبوط) ہوتی

ہے کہ بڑی سے بڑی تکلیف اور ایذا اس کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی۔ یہ وہ ہتھیار ہے جو ایک داعی (دین کی دعوت عام کرنے والے) کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ یہی وہ چیز ہے جو اللہ پاک نے مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم میں پیدا فرمائی اور اسلام کی دعوت کا بوجھ اٹھانے کے لئے آپ کے قلبِ اقدس (دل) کو غارِ حرا کی ان تنہائیوں میں تیار فرمایا۔ ①

نبوت کی علامتیں

اسی عرصے میں آپ پر نبوت کی علامتیں بھی ظاہر ہونے لگیں۔ جو بھی خواب دیکھتے صبح کے اجالے کی طرح اس کی تعبیر سامنے آجاتی۔ سچے خوابوں کا یہ سلسلہ چھ ماہ تک رہا۔ ② خوابوں کا سچ ہونا شاید اس لئے تھا کہ نبوت کے بعد عالَمِ غیب کی حقیقتیں عقل کو حیران نہ کریں، بلکہ ان سے پہلے ہی کچھ تعلق اور اُنسیت پیدا ہو جائے۔ ③ اسی طرح جب آپ عرب کی وادیوں اور چٹانوں میں تنہا سفر پر نکلتے تو شجر و حجر آپ کو سلام کے نذرانے پیش کرتے۔ خود ارشاد فرماتے ہیں: "اِنِّیْ لَاَعْرِفُ حَجَرًا بِمَکَّۃَ کَانَ یُسَلِّمُ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُہُ الْاٰنَ" ④ یعنی میں مکے کے اس پتھر کو ابھی تک جانتا ہوں جو اعلانِ نبوت سے پہلے مجھے سلام کرتا تھا۔

---

1 فقہ السیرۃ، ص61

2 بخاری، 4/401، حدیث: 6982- سیرتِ رسولِ عربی، ص80

3 فقہ السیرۃ، ص64

4 طبقات ابن سعد، 1/125- مواہبِ لدنیہ، 1/112

پہلی وحی کی کیفیت

ان علامتوں کے بعد غارِ حرا کی تنہائیوں اور تاریکیوں میں نبوت کے آثار کیسے چمکے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: سچے خواب دیکھنے کے بعد آپ تنہائی پسند ہو گئے اور غارِ حرا میں خلوت فرمانے (تنہا رہنے) لگے، مبارک گھر لوٹنے سے پہلے آپ وہاں کئی کئی راتیں ٹھہر کر عِبادت کرتے اور اس کے لئے کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جاتے تھے۔ پھر حضرتِ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور اتنی ہی چیزیں پھر لے جاتے حتی کہ وہیں (610ء میں) آپ پر پہلی وحی نازِل ہوئی۔ ایک دن فِرِشتے نے حاضِر ہو کر کہا: ”اِقْرَاْ یعنی پڑھیے۔“ فرمایا: ”مَاۤ اَنَا بِقَارِیٍٔ میں نہیں پڑھتا۔“ فِرِشتے نے آپ کو پکڑا اور گلے لگا کر خوب زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا: ”اِقْرَاْ پڑھیے۔“ آپ نے پھر وہی فرمایا کہ میں نہیں پڑھتا۔ اس نے دوبارہ گلے لگا کر خوب زور سے دبایا اور پھر چھوڑ کر کہا: ”اِقْرَاْ پڑھیے۔“ آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ میں نہیں پڑھتا۔ اس نے تیسری بار گلے لگا کر خوب زور سے دبایا، پھر چھوڑ دیا اور کہا: ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ ﴾[1] ترجمہ: پڑھو اپنے ربّ کے نام سے جس نے پیدا کیا، آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا ربّ ہی سب سے بڑا کریم۔

حضرت خدیجہ کا ڈھارس دینا

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم وحی لے کر اس حالت میں واپس ہوئے کہ

1 پ30، العلق: 1 تا 3

قلبِ اقدس کانپ رہا تھا، حضرتِ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر فرمایا: مجھے چادر اڑھا دو۔ انہوں نے آپ کو چادر اڑھا دی حتی کہ جب قلبِ اقدس سے رعب کی کیفیت جاتی رہی تو آپ نے حضرتِ خدیجہ کو سارا واقعہ بتاتے ہوئے فرمایا: مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرتِ خدیجہ نے جواباً تسلی دیتے ہوئے کہا: ”كَلَّا ! وَاللهِ مَا يُخْزِيكَ اللهُ اَبَدًا، اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ“ رب کی قسم ہرگز نہیں اللہ آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا کیونکہ آپ رشتہ جوڑتے ہیں، دوسروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کے لیے کمائی کرتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں، حق کی طرف لے جانے والوں کی مدد کرتے ہیں۔

ورقہ بن نوفل کی پیشین گوئیاں

اس کے بعد حضرتِ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو وَرَقَہ بن نَوفل [1] کے پاس لے گئیں جو حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں اہلِ مکہ کے شرک و بت پرستی سے بیزار ہو کر عیسائی ہو گئے تھے، عِبرانی زبان میں کتابت (لکھنے کا کام) کیا کرتے تھے اور جتنا اللہ پاک کو منظور ہوتا انجیل کو عِبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے، ان سے حضرتِ خدیجہ نے کہا: اے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سنئے۔ ورقہ بن نوفل نے کہا: اے بھتیجے! آپ کیا دیکھتے ہیں؟ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے جو دیکھا تھا اِنہیں بتایا۔ اس پر وَرَقہ نے کہا: یہ وہی فِرِشتہ ہے جسے اللہ

[1] قوی قول یہ ہے کہ ورقہ بن نوفل صحابی نہیں ہیں، انہوں نے دعوتِ اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔ ان کے والد نوفل حضرت خدیجہ کے چچا ہیں۔ نبی کریم علیہ السّلام ان کے بھتیجے نہیں مگر اہلِ عرب پیار میں اپنے کم عمروں کو بھتیجا وغیرہ کہہ دیتے تھے۔ یہ اس واقعے کے وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ (مرآۃ المناجیح، 8/97 ملخصاً)

www.dawateislami.net

پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر اتارا تھا، اے کاش! ان دنوں میں جوان ہوتا، اے کاش! اُس وقت میں زندہ رہتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو نِکالے گی۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا میری قوم مجھے نِکالے گی؟ کہا: ہاں! جب بھی کوئی شخص ایسی چیز لے کر آیا جیسی آپ لائے ہیں تو اس سے دشمنی کی گئی۔ اگر مجھے آپ کا وہ زمانہ نصیب ہوا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔ [1]

پہلی وحی سے ملنے والا اہم سبق

پہلی وحی [2] کی آمد کا یہ منظر اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہے کہ وحی کا یہ سلسلہ ذاتی اور باطنی نہ تھا، بلکہ یہ ایک خارجی حقیقت تھی، اس کا دل اور خیال سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اچانک سے خوف اور ڈر کا پیدا ہونا بھی اسی طرف راہ نمائی کرتا ہے، کیونکہ خوف اور ڈر اس چیز سے ہوتا ہے جو خلافِ توقع اور اچانک ہوتی ہے، اگر کسی کام کو کچھ عرصے تک کر لیا جائے تو پھر اس سے خوف اور ڈر بھی ختم ہو جاتا ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ پر جو وحی نازل ہوئی وہ حقیقت میں اللہ پاک کی طرف سے تھی۔ اسی طرح پہلی وحی نازل ہونے کے بعد کچھ عرصے تک وحی کا رُک جانا بھی اسی حقیقت کا اظہار ہے۔

1 بخاری، 1/7، حدیث: 3

2 لغت (Dictionary) کے مطابق وَحی کا معنیٰ خفیہ طریقے سے خبر دینا، اشارہ کرنا اور پیغام دینا وغیرہ ہے۔ شریعت کی اِصطلاح میں انبیائے کرام علیہمُ السّلام پر اللہ پاک کی طرف سے نازل ہونے والے کلام کو "وَحی" کہتے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں: (1) اللہ پاک کا کلام براہِ راست سننا۔ جیسے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے شبِ معراج اور کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے سنا۔ (2) فرشتے کے ذریعے پیغامِ الٰہی کا آنا۔ (3) انبیائے کرام کے دل میں کسی بات کا ڈالا جانا۔ (ماہنامہ فیضانِ مدینہ جون 2019، ص30 ماخوذاً)

دوسری وحی کا نزول

وحی کا سلسلہ کچھ عرصے تک اس لئے رُکا کہ آپ کا شوق و انتظار زیادہ ہو جائے، جب آپ کی بے قراری حد سے بڑھنے لگی تو پھر ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السّلام وحی کے روح پَرْوَر (خوشیوں بھرے) پیغام کی دوسری قسط لے کر نازل ہوئے، جس میں سورۂ مدّثر کی پہلی پانچ آیات شامل تھیں۔ ان میں آپ کو بالخصوص دعوتِ حق دینے کا حکم دیا گیا تھا، آپ نے پیغامِ الٰہی کے تاباں (چمکتے) نور سے دنیا کو منور کرنے کا پکا ارادہ فرما لیا۔ اس کے بعد وحی کا تسلسل قائم ہو گیا اور 23 سال تک یہ روشن نور آپ کے ذریعے کائناتِ انسانی کی ہدایت کا ذریعہ بنتا رہا اور قیامت تک کے لئے یہی انسانیت کی معراج و ترقی کا زینہ قرار پایا۔

نزولِ وحی کی صورتیں

اقسامِ وحی کی صورتیں اور مثالیں درجِ ذیل ہیں:

(1) خواب۔ جیسے حضرت ابراہیم کو حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کی قربانی کا حکم ہوا۔

(2) دل میں کوئی بات ڈالی جائے۔ جیسے فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہے: جبرائیل نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک وہ اپنا رزق مکمل نہ کرلے۔

(3) گھنٹی کے ٹن ٹنانے جیسی آواز میں وحی آئے۔ یہ قسم سب سے سخت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر جب اس صورت میں وحی نازل ہوتی تو سخت سردی میں بھی پسینے کے قطرے نمودار ہوتے (نکل آتے) اور مبارک پیشانی کو چومنے لگتے۔

(4) فرشتہ کسی معروف یا اجنبی مرد کی شکل میں آکر اللہ پاک کا کلام پیش کرے۔ جیسے حضرت جبرائیل علیہ السّلام اَعرابی (دیہاتی شخص) کی صورت میں حاضر ہوئے یا حضرت دِحیہ

www.dawateislami.net

کلبی رضی اللہُ عنہ کی شکل میں آتے۔ اس صورت میں صحابہ بھی دیکھ لیتے تھے۔

(5) فرشتہ وحی لے کر آئے۔ جیسے حضرت اِسرافیل علیہ السّلام تین سال تک وحی لاتے رہے پھر یہ خدمت حضرت جبرائیلِ امین علیہ السلام کے سپرد کر دی گئی۔

(6) انبیائے کرام علیہم السّلام پردے کے پیچھے سے اللہ پاک کا کلام سنیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے سنا۔

(7) انبیائے کرام علیہم السّلام بغیر پردے کے براہِ راست رب کا کلام سنیں۔ یہ سننا چاہے بیداری میں ہو یا خواب میں۔ بیداری کی مثال جیسے شبِ معراج مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اور کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے سنا اور خواب کی مثال بھی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے سننے کی ہے۔ [1]

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھنے کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم غارِ حرا میں کیوں تشریف لے جاتے تھے؟

سوال: سیدہ عائشہ رضی اللہُ عنہا کی پہلی وحی سے متعلق حدیث بیان کریں۔

سوال: پہلی وحی سے کیا کیا اسباق اور نصیحتیں ملتی ہیں؟

سوال: نزولِ وحی کی قسمیں اور صورتیں کیا کیا ہیں؟

سوال: ورقہ بن نوفل کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

---

1 الروض الانف، 1/ 401، 402 بتغیر- التیسیر فی علم التفسیر، ص 25، 26 بتغیر

www.dawateislami.net

نواں باب

مصطفٰی جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور دعوتِ اسلام

The Greatest and Final Prophet صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم and propagation of Islam

دعوتِ دین کا پہلا مرحلہ

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے (610ء میں) تبلیغ کا آغاز سب سے پہلے اپنے قریبی جاننے والوں سے کیا۔ آپ رازداری کے ساتھ انہیں اسلام کی دعوت پیش کرتے۔ یہ اس لئے نہیں تھا کہ کھلم کھلا دعوت دینے میں آپ کو اپنی جان کا خوف تھا، بلکہ یہ انداز مصلحت اور حکمت کے عین مطابق تھا۔ ایک حکمت تو یہی تھی کہ جلد ایمان قبول کرنے والوں کے ذریعے افرادی قوت بڑھائی جائے اور دوسری حکمت یہ تھی کہ بعد میں آنے والوں کے لئے یہ طریقہ مشعلِ راہ بن جائے کہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں ہمیشہ ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے حکمتِ عملی طے کی جائے۔ بہر حال اسلام کی دعوت دینے کا یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔[1]

السّابِقُونَ الاَوّلُون

اس عرصے میں سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ وہ اسی وقت ایمان لے آئی تھیں جب آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ ان کے بعد آزاد مَردوں میں حضرت ابو بکر صدیق، لڑکوں میں حضرت مولا علی، آزاد کردہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ اور غلاموں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہم ایمان لائے۔[2] حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ ہر دلعزیز، ملنسار اور بڑے با اخلاق شخص تھے، ان کی دریا دلی (سخاوت) اور حُسنِ تجارت (اچھا تاجر ہونے) کی وجہ سے لوگوں کا ان کے پاس آنا جانا بہت تھا۔ انہوں نے اپنے پاس آنے جانے والوں میں بااعتماد افراد کو دین کی دعوت دینا شروع کر دی، یوں ان کی

[1] فقہ السیرۃ، ص68، 69 ملخصاً

[2] شرح الزرقانی علی المواہب، 1/454، 455

کوششوں سے مزید کئی افراد اسلام لے آئے اور ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہوگئی۔ چونکہ اسلام کی دعوت کا سلسلہ ابھی تک خفیہ طریقے سے جاری تھا اس لئے یہ لوگ خفیہ طریقے سے عبادت کرتے، لیکن پھر بھی اسلام کی خوشبوئیں مکہ میں ہر طرف پھیلنے لگیں اور مکہ کے کافر اسے روکنے کی کوششیں کرنے لگے۔

"دارِ ارقم" اسلام کی پہلی تربیت گاہ

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے محسوس فرمایا کہ ایک ایسی جگہ ہو جہاں مسلمانوں کی تعلیم و تربیت بھی ہو سکے اور وہ وہاں آسانی سے عبادت کر سکیں۔ اس کام کے لئے آپ کی نگاہِ انتخاب "دارِ ارقم[1]" پر پڑی۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ[2] خود بھی اسی قافلے کے رکن تھے، اس لئے انہوں نے خوشی خوشی اپنا مکان اسلام کی پہلی تربیت گاہ کے لئے پیش کر دیا۔ یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کئی سال تک اس مکان میں رشد و ہدایت کی محفلیں سجاتے رہے اور اپنے پیروکاروں کی تربیت فرماتے رہے۔

دارِ ارقم ہی کیوں؟

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان کو منتخب کرنے کی ایک وجہ شاید یہ رہی ہو کہ ان کا

1 دارِ اَرقم کوہِ صَفا پر تھا۔ جب مکہ کے کافروں کی طرف سے خطرات بڑھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اِسی میں پوشیدہ طور پر تشریف فرما رہے۔ اِسی مکانِ عالیشان میں کئی صاحِبان مُشَرّف بہ اسلام ہوئے۔ سیّدُ الشُّہدا حضرتِ حمزہ اور مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ، حضرتِ عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما بھی اِسی مکانِ بَرَکت نشان میں داخلِ اِسلام ہوئے۔ (رفیق المعتمرین، ص119 بتغیر)

2 حضرت اَرقَم بن ابو ارقم مخزومی قُریشی رضی اللہ عنہ قدیمُ الاسلام صحابی، جلیلُ القدر شخصیت کے مالک، تمام غزوات میں شرکت کرنے والے مجاہد، کاتبِ وحی، راویِ احادیث اور اوّلین مہاجرین سے ہیں، کوہِ صَفا پر واقع اسلام کا پہلا مرکز دارِ اَرقَم آپ کا ہی گھر تھا۔ آپ کا وصال 22 جُمادَی الاُخریٰ 53ھ یا 55ھ کو مدینہ پاک میں ہوا۔ یہ جنّتُ البقیع میں دفن کئے گئے۔ (اسد الغابہ، 1/95-المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، 5/279-ماہنامہ فیضان مدینہ فروری 2019، ص46)

www.dawateislami.net

یہ مکان کوہِ صفا پر واقع تھا اور صفا ایک مقدس پہاڑی ہے، یوں اسلام کی دعوت کو عام کرنے کے عظیم کام کے لئے یہ بابرکت جگہ بالکل موزوں (مناسب) تھی، نیز پہاڑی پر ہونے کی وجہ سے یہ مکان بلندی پر تھا کہ وہاں سے دشمنوں پر نظر رکھنا بھی بہت آسان تھا، یوں خفیہ طریقے سے دعوت و تبلیغ کا کام کرنے کے لئے بھی یہ جگہ بالکل درست تھی۔ بہر حال تین سال تک یہاں عبادت و تربیت کا سلسلہ جاری رہا اور مسلمانوں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھنے لگی حتی کہ اللہ پاک نے اپنے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو اپنی قوم کو دعوت دینے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا: ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۙ﴾ [1] ترجمہ: اور اے محبوب! اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ!

کوہِ صفا کی ایک تصویر جس پر دار ارقم واقع تھا

[1] پ19، الشعرآء:214

دعوتِ دین کا دوسرا مرحلہ

اس کے بعد آپ نے مخصوص افراد کو دعوت دینے کا طریقہ چھوڑا اور ڈنکے کی چوٹ پر دین کی دعوت دینا شروع کر دی۔ اس دعوت کا آغاز یوں ہوا کہ آپ نے آلِ عبد المطلب کی دعوت کا اہتمام کیا، کھانے کے بعد آپ نے رب کی وحدانیت اور اپنی نبوت و رسالت کا اظہار فرما کر دین کی دعوت دی۔ ابولہب بھی وہاں موجود تھا، یہ دعوت سنتے ہی آگ بگولہ (غصے سے لال) ہو گیا اور جو منہ میں آیا بکنے لگا۔ اس کی ہلڑ بازی (ہنگامے) کی وجہ سے یہ محفل برخاست (ختم) ہو گئی۔ کچھ دنوں بعد آپ نے پھر خاندان والوں کو بلایا اور بڑے درد مندانہ انداز میں ان سے خطاب فرمایا اور انہیں دنیا و آخرت کی بھلائیوں کی طرف آنے کی دعوت دی۔ ابولہب نے پھر نازیبا (نامناسب) باتیں کہنا شروع کر دیں اور اپنے بھائیوں بہنوں کو آپ کے خلاف بہکانے لگا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی پھوپھی جان حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو ابولہب کی باتیں ناگوار گزریں اور انہوں نے اسے برا بھلا کہا، جس پر ابولہب سٹپٹاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ (1)

اقارب (قریبی رشتہ داروں) کو دعوت دینے کے بعد آپ نے بقیہ قریشیوں کو دعوتِ حق دینے کے لئے ایک دن کوہِ صفا پر چڑھ کر سب کو بلایا، سب جمع ہونے لگے، جو خود نہ آسکتا تھا اس نے اپنی طرف سے کسی اور کو بھیجا تاکہ دیکھے کہ یہ پکار کیسی ہے۔ جب ابولہب سمیت سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! اگر میں تم لوگوں سے یہ کہہ دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر چھپا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم لوگ میری بات کا یقین

(1) سیرتِ حلبیہ، 1/403 تا 405

www.dawateislami.net

کرلوگے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا: ہاں! ہاں! ہم آپ کی بات کا یقین کرلیں گے کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا اور امین ہی پایا ہے۔ آپ نے فرمایا: تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ میں تم لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرارہا ہوں اور اگر تم لوگ ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر اللہ پاک کا عذاب آئے گا۔ یہ سن کر تمام قریش ناراض ہو کر چلے گئے۔ ابو لہب کی بدبختی ایک بار پھر آڑے آئی اور وہ آپ کی شان میں بدزبانی کرنے لگا، آپ نے تو اس گستاخی کا کوئی جواب نہ دیا لیکن آپ کے رب نے اس کی مذمت (برائی) میں قرآنِ پاک کی ایک مکمل سورت نازل فرمائی۔ [1]

دعوتِ دین کا تیسرا مرحلہ

اعلانِ نبوت کے چوتھے سال (بمطابق 613ء میں) اللہ کریم نے یہ حکم نازل فرمایا: ﴿فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۴﴾﴾ [2] ترجمۂ کنزُ العِرفان: "پس وہ بات اعلانیہ کہہ دو جس کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔" اس میں اللہ پاک نے سب کو کھلم کھلا دین کی تبلیغ فرمانے کا حکم دیا، لہٰذا اس کے بعد آپ علانیہ دین کی تبلیغ کرنے اور شرک و بت پرستی کی کھلم کھلا برائیاں بیان فرمانے لگے۔ پہلے قریش آپ کے مخالف تھے، اب آپ کی دعوت سے پورا عرب مخالفت کرنے لگا۔ [3]

مال وزر کی پیش کش

اعلانیہ تبلیغ کے بعد جہاں راستے کشادہ ہوئے وہاں مخالفتوں کے سلسلے بھی طویل

1 بخاری، 3/294، حدیث:4770

2 پ14، الحجر:94

3 شرح الزرقانی علی المواہب، 1/461، 462

www.dawateislami.net

ہوئے۔ کاروانِ اسلام کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر منزل کی طرف کوششیں جاری رہیں اور قافلۂ توحید کے اولین شرکا کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ قریش کے سردار اس صورتحال سے بڑے پریشان ہوئے۔ انہیں خاندانِ بنو ہاشم کے انتقام کے ڈر کی وجہ سے آپ پر براہِ راست جان لیوا حملہ کرنے کی ہمت تو نہ ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اولاً وہ یہ سمجھے کہ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مقصود دھن دولت اور مال و زر ہے، یوں انہوں نے آپ کو کثیر مال و دولت دینے کی پیش کش کی، جب آپ ایسی کسی پیش کش کو خاطر میں نہ لائے تو انہوں نے ابو طالب سے کہا کہ وہ آپ کی حفاظت کا ذمہ چھوڑ دیں اور راستے سے ہٹ جائیں، تاکہ وہ خود آپ کو راستے سے ہٹا سکیں لیکن ابو طالب آپ کی حفاظت و معاونت (مدد) کے لئے ڈٹے رہے اور اسلام کا یہ دستہ آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ (1)

تبلیغِ اسلام روکنے کے لئے کفار کی چالیں

کافروں نے پہلے پہل دھمکیوں سے کام چلانے کی کوشش کی مگر جب کچھ اثر نہ ہوا تو انہوں نے مختلف تدبیروں اور چالوں سے تبلیغِ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ان کی کچھ چالیں یہ ہیں:

(1) مذاق و استہزا

قریش کے کافروں کی ایک چال ہنسی، مذاق اور استہزا تھی کہ اس کے ذریعے وہ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تبلیغِ دین سے روکنے کی کوشش کریں۔ اس سے ان کا مقصد

(1) شرح الزرقانی علی المواہب، 1/ 462، 463

www.dawateislami.net

یہ تھا کہ جب وہ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے قریبی ہو کر آپ اور آپ کے ساتھیوں کا مذاق اڑائیں گے تو دوسرے آپ کی باتوں پر کیوں اعتبار کریں گے؟ قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر ان کی اس ہنسی و مذاق کا رد کیا گیا ہے۔ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾

(پ30،المطففین:29تا32)

ترجمہ: بے شک مجرم لوگ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے اور جب وہ ان پر گزرتے تو یہ آپس میں ان پر آنکھوں سے اشارے کرتے اور جب اپنے گھر پلٹتے خوشیاں کرتے پلٹتے اور جب مسلمانوں کو دیکھتے کہتے بے شک یہ لوگ بہکے ہوئے ہیں۔

ان آیات میں بیان کیا جا رہا ہے کہ کفار دنیا میں مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اور ان پر ہنستے ہیں۔ مذاق اڑانے والوں میں ابو جہل، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل سمیت کافروں کے کئی سردار شامل تھے جو حضرت عمار، حضرت خباب، حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم اور دیگر پر ہنستے اور جب یہ غریب مسلمان، کافر سرداروں کے پاس سے گزرتے تو یا تو کافر ان کے بارے میں آنکھوں ہی آنکھوں میں طنز بھرے اشارے کرتے یا پھر ایک دوسرے سے کہتے: یہ لوگ بھٹک گئے ہیں کہ ایک شخص (آقا کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم) پر ایمان لے آئے ہیں اور آخرت کی فرضی امیدوں کے چراغ جلا کر دنیا کی حقیقی لذتوں کو لات مار بیٹھے ہیں۔ [1]

[1] تفسیر کبیر، پ30، المطففین، تحت الآیۃ:29تا36، 11/ 94، 95

(2) جھوٹا پروپیگنڈا کرنا

قریش کے کافروں کی دوسری چال یہ تھی کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تعلیمات و فرمودات اور خود آپ کی شخصیت کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات اور وسوسوں کے بیج بوئے جائیں۔ مقصد یہی تھا کہ طرح طرح کے اعتراضات سے لوگ آپ کے بارے میں شک و شبہ میں پڑ جائیں اور آپ سے منہ موڑلیں۔ قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر ان کی ایسی باتوں کا ذکر کرکے رد کیا گیا ہے، ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ﰳافْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚۛ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۚ﴿۴﴾ وَ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ﴿۵﴾

(پ18، الفرقان:4-5)

ترجمہ: اور کافر بولے یہ تو نہیں مگر ایک بہتان جو انہوں نے بنالیا ہے اور اس پر اور لوگوں نے انہیں مدد دی ہے بے شک وہ ظلم اور جھوٹ پر آئے اور بولے اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے لکھ لی ہیں تو وہ ان پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں۔

ان آیات میں بیان کیا جارہا ہے کہ قریش کے سردار یہ باتیں کہا کرتے تھے: (1) یہ قرآن تو بہت بڑا جھوٹ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے خود بنالیا ہے اور اسے بنانے میں اہلِ کتاب نے ان کی مدد کی ہے۔

(2) یہ قرآن اللہ پاک کی طرف سے نہیں ہے بلکہ جس طرح رستم اور اسفندیار وغیرہ کے قصے ہیں اسی طرح یہ بھی پہلے لوگوں کی کہانیوں پر مشتمل ہے۔

(3) نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم خود تو لکھ سکتے نہیں تو انہوں نے یہ کہانیاں کسی سے لکھوالی ہیں۔ اب دن رات یہی کہانیاں سنتے ہیں، جب یاد ہو جاتی ہیں تو یہ ہمیں سنا دیتے ہیں اور دعوٰی کرتے ہیں کہ یہ رب کا کلام اور وحیِ الٰہی ہے۔

یہی کافر نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تحقیر (بے حرمتی) کرتے اور آپ کی ذات میں شک وشبہ پیدا کرنے کے لئے کہتے کہ ان میں اور ہم میں کیا فرق ہے؟ یہ ہم جیسے ہی تو ہیں۔ قرآنِ کریم میں ان کی اس بات کو ایسے ذکر کیا گیا ہے: ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ﴾[1] ترجمہ: اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔[2]

(3) متبادل پیش کرنا

قریش کے کافروں کی تیسری چال یہ تھی کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جن چیزوں کی طرف بلاتے ہیں ہم لوگوں کو ان کا متبادل (Alternate) پیش کردیں۔ لہٰذا انہوں نے سوچا کہ قرآنِ پاک میں عاد وثمود اور دیگر قوموں کے واقعات ہیں تو ان کے مقابلے میں ایسے ہی قصے لوگوں کو سنائے جائیں جو دلچسپ بھی ہوں اور حیرت انگیز بھی۔ اس کی ذمہ داری نضر بن حارث نامی کافر نے لی، یہ شخص تاجر تھا اور تجارت کے لئے دوسرے ملکوں کا سفر کیا کرتا تھا۔ اس نے عجمی لوگوں کے قصے کہانیوں پر مشتمل کتابیں خریدی ہوئی تھیں، یہ لوگوں کو وہی کہانیاں سناتا اور کہتا: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تمہیں عاد اور ثمود

1 پ18، الفرقان:7

2 تفسیر خازن، پ18، الفرقان، تحت الآیۃ:4تا7، 3/366

www.dawateislami.net

Go To Index

کے واقعات سناتے ہیں، میں تمہیں رستم، اسفند یار اور ایران کے شہنشاؤں کے قصے سناتا ہوں، لہٰذا امیری اور ان کی باتوں میں کوئی فرق نہیں۔[1] قرآنِ پاک کی یہ آیتِ مبارکہ اسی نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَهۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ۖۗ وَّ یَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ (پ21، لقمان:6)

ترجمہ: اور کچھ لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے اور اُسے ہنسی بنالیں۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اسی شخص نے گانے والی ایک لونڈی خرید رکھی تھی، اس کے ذریعے لوگوں کو بہکایا کرتا، جو کوئی اسلام لانا چاہتا یہ اسے اپنی لونڈی کے پاس لے جاتا اور کہتا کہ اسے خوب کھلاؤ پلاؤ اور گانا سناؤ۔ وہ لوگوں سے کہتا کہ گانا اور عیش و عشرت نماز اور روزہ سمیت ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جس کی طرف تمہیں رسول (صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم) بلاتے ہیں۔[2]

(4) سودے بازی

جس طرح چمکتے سورج کی کرنوں کو روکنا آسان نہیں اسی طرح مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے آفاقی اور لافانی (دنیا پر چھا جانے اور فنا نہ ہونے والے) پیغامِ حق کی نورانی کرنوں کو بھی تاریک دلوں میں اجالا کرنے سے روکنا ان کافروں کے بس سے باہر تھا۔ ان کی ہر چال چند دن کے بعد اثر چھوڑ دیتی اور وقت گزرنے کے ساتھ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا۔

1 تفسیر خازن، پ21، لقمان، تحت الآیۃ:6، 3/468- تفسیر مدارک، پ21، لقمان، تحت الآیۃ:6، ص915، 916 ملتقطاً
2 تفسیر قرطبی، پ21، لقمان، تحت الآیۃ:6، 7/39

www.dawateislami.net

آخر تنگ آکر قریش کے کافر سرداروں نے چوتھی چال یہ چلی کہ اسلام اور کفر کے بیچ کوئی درمیانی راہ نکل آئے، یعنی اسلام کی کچھ باتیں مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم چھوڑ دیں اور کفر کی کچھ باتوں سے کافر دست بردار ہو جائیں، یا کچھ کفریہ کام مسلمان کرلیں، بدلے میں کافر اسلام کی کچھ عبادتیں کرکے ان پر مہر تصدیق لگا دیں۔ یوں سمجھوتے کی راہ نکل آئے، لیکن آپ نے اس پیش کش کو بھی یکسر (بالکل) ٹھکرادیا۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۚ﴿۳﴾ (پ30، الکافرون:1-3)

ترجمہ: تم فرماؤ اے کافرو! نہ میں پوجتا ہوں جو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجتے ہو جو میں پوجتا ہوں۔

قریش کے کافر سرداروں کی ایک جماعت نے مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے دین کی پیروی کریں، ہم آپ کے دین کی پیروی کریں گے۔ ایسے کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں، بدلے میں ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ آپ نے اس کفریہ کام سے رب کی پناہ مانگی۔ سیدھا انکار دیکھ کر کافر کہنے لگے: چلیں عبادت نہ کریں! بس اتنا کردیں کہ ہمارے کسی بت کو تعظیماً (عزت سے) ہاتھ ہی لگا دیں، بدلے میں ہم آپ کی تصدیق کرلیں گے۔ ان کی اس تجویز و پیش کش پر یہ سورت نازل ہوئی۔ سورت نازل ہونے کے بعد آپ مسجدِ حرام میں آئے اور وہاں قریش کی جماعت کو یہی سورت پڑھ کر سنائی۔ یہ سنتے ہی وہ مایوس ہوگئے اور انہوں نے حضور صلی اللہ

www.dawateislami.net

علیہ واٰلہٖ وسلم اور آپ کے اصحاب پر ظلم و ستم کے دروازے کھول دیئے۔ (1)

اب یہ کہ جیسے ہی کوئی طاقتور شخص مسلمان ہوتا تو سردارانِ قریش خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے اور اگر ان کے برابر کا کوئی شخص اسلام قبول کرنے کی جرأت کر لیتا تو وہ اس سے تعلقات ختم کر دیتے اور اسے طعن و تشنیع کا نشانہ بھی بناتے، جبکہ اگر کوئی بے سہارا اور کمزور شخص ایمان کی دولت سے مقدر چمکاتا تو اس کا جینا محال کر دیا جاتا۔ اسے طرح طرح سے تڑپایا اور ستایا جاتا کہ شاید وہ توحید کا پٹا گلے سے نکال پھینکے مگر مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پیارے پیارے ہاتھوں سے شربتِ توحید کے جام پینے والے سارے ظلم و ستم برداشت کرتے مگر توحید کی راہوں کو چھوڑ کر کفر و شرک کی راہوں کے راہی نہ بنتے۔ یوں حالات سنگین سے سنگین تر ہونے لگے اور دشمنیوں میں اضافہ ہونے لگا۔

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھنے کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: دعوتِ اسلام کا پہلا دور خفیہ طریقے سے ہوا، اس سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

سوال: اسلام کی پہلی تربیت گاہ کون سی تھی اور اس کے انتخاب کی وجوہات کیا تھیں؟

سوال: حضرت ارقم بن ابو ارقم کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

سوال: مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی حفاظت سے ابو طالب کو روکنے کیلئے کفارِ قریش کے کیا اقدامات تھے؟

سوال: دعوتِ اسلام روکنے کیلئے کفارِ قریش نے کون سی چالیں چلیں؟

---

(1) خازن، پ30، الکافرون، تحت الآیۃ: 1، 4/417، 418

دسواں باب

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ اور کافروں کی ایذا رسانی

The Greatest and Final Prophet ﷺ and persecution by the disbelievers

تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ تقریباً ہر نبی علیہ السّلام نے دین کی راہ میں قربانیاں دی اور تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بھی دین کی دعوت دیتے ہوئے مخالفتوں اور دشمنیوں کا سامنا کیا ہے، بلکہ آپ کے دشمن آپ کی مخالفت میں انسانیت کا دامن بھی چھوڑ بیٹھے۔ جس طرح ہو سکا انہوں نے آپ اور آپ کے ماننے والوں یعنی صحابۂ کرام کو ستایا۔ بالخصوص علانیہ دعوتِ اسلام کا سلسلہ شروع ہوتے ہی کافروں نے ظلم و ستم کی جو آندھیاں چلائیں ان کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے ظلم و ستم کے ایسے پہاڑ توڑے کہ آج بھی ان کی یاد سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بعد میں اسی زمانے کو یاد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ اُوْذِيتُ فِي اللهِ وَمَا يُؤْذٰى اَحَدٌ یعنی اللہ کے راستے میں جتنی تکلیف مجھے دی گئی اتنی کسی اور کو نہیں دی گئی۔ (1)

کافروں کی دشمنی کی وجہ

دراصل کافروں کو یہ خطرہ تھا کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جس سنہرے اور سچے دین کی بات کرتے ہیں اگر یہ دین عام ہو گیا اور اس پر عمل کرنے والے ہر طرف پھیل گئے تو گویا انقلاب آجائے گا۔ جس سے کافروں کے لاچار باطل معبودوں، ان کی پوجا پاٹ، ان کے نذرانوں اور سب سے بڑھ کر قریش کی مذہبی چودراہٹ کا جنازہ نکل جائے گا، اسی ڈر، بغض اور حسد کی وجہ سے وہ اسلام کے مخالف بنے رہے۔ ورنہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے لائے ہوئے دین کی حقانیت اور قرآنِ کریم کی سحر آفرینی نے بڑے بڑے کافر سرداروں کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ان کے دل اس بات کی گواہی

(1) ترمذی، 4/213، حدیث: 2480

دیتے تھے کہ آپ سچے نبی ہیں اور قرآنِ کریم کسی انسان کا کلام نہیں ہے لیکن بغض، حسد اور تکبر انہیں اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ اسلام کو سینے سے لگائیں۔

رئیسانِ قریش کا قرآن سننا

اس بات کی تصدیق اس واقعے سے ہوتی ہے؛ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا معمول تھا کہ رات کو اپنے گھر نماز میں قرآن کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، ایک رات ابوسفیان (جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) آئے اور چپکے سے ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر گزری کہ ابو جہل بھی رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھ گیا، چند لمحوں بعد اَخنَس بن شُرَیق بھی آپ کی مبارک زبان سے تلاوت قرآن کا مزہ لینے کیلئے وہاں پہنچ گیا اور ایک جگہ دَبک کر بیٹھ گیا۔ تینوں سخت کافر اور اسلام کے پکے دشمن قرآن سننے کے شوق میں وہاں بیٹھے تھے اور تینوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے۔ قرآنی آیات و الفاظ کی مٹھاس اور حلاوت، ساتھ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی پیاری اور دلکش آواز میں کانوں میں رس گھولتی تلاوت، یہ تینوں ایسا کھوئے کہ رات کب گزری پتا ہی نہ چلا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے تلاوت ختم فرمائی تو ان میں سے ہر ایک نے اپنی راہ لی۔ راستے میں ایک مقام پر سب کی ملاقات ہو گئی، سب سمجھ گئے کہ ہوا کیا ہے، ایک دوسرے کو کوسنے لگے کہ سارا دن ان کی مخالفت کرتے ہو اور رات کی تنہائی میں آکر ان سے قرآن سنتے ہو، قوم کو اگر پتا چل گیا تو وہ اپنا عقیدہ بدل لیں گے۔ یوں سب نے وعدہ کیا کہ آئندہ کوئی نہیں آئے گا۔ اگلی رات آئی تو تلاوت سننے کی بے قراری تینوں کو پھر وہاں لے آئی، ممکن ہے ہر ایک نے سوچا ہو کہ دوسرا تو کوئی آئے گا نہیں، لہٰذا میں سن

www.dawateislami.net

Go To Index

آتا ہوں، یوں سب وہاں پھر سے جمع ہو گئے اور دوسری رات بھی تلاوت سننے میں گزر گئی۔ صبح کا اجالا پھیلنے لگا تو سب اٹھے اور گھروں کو روانہ ہوئے۔ راستے میں پھر سب کا سامنا ہو گیا، لگے ایک دوسرے کو طعن کرنے، پھر سے تاکید کی کہ اب کوئی نہ آئے ورنہ بات پھیلی تو قوم کے لوگ گمراہ ہو جائیں گے۔ اگلی رات نے جب اپنے پر پھیلائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی میٹھی اور پیاری آواز سے تلاوت نے ان کے دلوں میں انگڑائی لی اور وہ تینوں بے قابو ہو کر وہاں پہنچ گئے۔ ایک رات پھر دلکش آواز سے تلاوت سننے میں گزر گئی اور وقت کا پتا نہ چلا۔ صبح ہوئی تو سب گھروں کو روانہ ہونے لگے، راستے میں پھر تینوں کی ملاقات ہو گئی، تینوں شرمندہ ہوئے اور پکا وعدہ کیا کہ آئندہ کوئی نہیں آئے گا۔ صبح ہوئی تو اخنس بن شریق نے بڑا ساڈنڈا پکڑا اور ابو سفیان کے گھر آکر ان سے کہنے لگا: اَخْبِرْنِیْ یَا اَبَاحَنْظَلَۃَ عَنْ رَاْیِكَ فِیْمَا سَمِعْتَ مِنْ مُحَمَّدٍ؟ یعنی ابو حنظلہ! سچ بتاؤ جو کلام تم سنتے رہے ہو اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ ابو سفیان سنتے ہی کہنے لگے: فَمَا تَقُوْلَ اَنْتَ پہلے تم اپنا بتاؤ! اخنس کہنے لگا: اَرَاہُ الْحَقَّ یعنی مجھے تو حق لگتا ہے۔ ابو سفیان (بات ٹال گئے اور) کہنے لگے: کچھ باتوں کی تو مجھے سمجھ آئی ہے جبکہ کچھ میں سمجھ نہیں سکا۔ اخنس یہاں سے فارغ ہو کر ابو جہل کے پاس آیا اور کہنے لگا: یَا اَبَا الْحَکَمِ مَا رَاْیُكَ فِیْمَا سَمِعْتَ مِنْ مُحَمَّدٍ؟ اے ابو الحکم! سچ بتاؤ! تم نے جو کلام سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ جواباً ابو جہل نے اپنے ازلی بغض، حسد اور تکبر کا اظہار کیا۔[1] جبکہ ایک روایت میں ہے کہ اخنس بن شریق اور ابو جہل کی آپس

[1] السیر والمغازی لابن اسحٰق، ص189، 190- سبل الہدی والرشاد، 352/2

www.dawateislami.net

میں ملاقات ہوئی تو اخنس نے ابو جہل سے کہا: یہ تنہائی کی جگہ ہے اور یہاں کوئی ایسا نہیں جو میری تیری بات پر مطلع ہو سکے، اب تو مجھے ٹھیک ٹھیک بتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم) سچے ہیں یا نہیں؟ ابو جہل نے کہا: خدا کی قسم! بے شک وہ سچے ہیں، کبھی کوئی جھوٹا حرف اُن کی زبان پر نہیں آیا مگر بات یہ ہے کہ یہ قُصَی [1] کی اولاد ہیں، حج اور خانہ کعبہ کے متعلق سارے اعزاز اِنہیں حاصل ہی ہیں، اب نبوت بھی اِنہیں میں ہو جائے تو باقی قریشیوں کے لئے کیا اعزاز رہ جائے گا؟ اس لیے ہم کبھی بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ [2]

اِس سے پتا چلتا ہے کہ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے سچے نبی ہونے اور قرآنِ کریم کے حق و سچ ہونے کے وہ بھی قائل تھے البتہ ان کے بغض اور تکبر نے اُنہیں دولتِ اسلام سے محروم رکھا، بلکہ اسی تکبر اور بغض کی وجہ سے وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کے دشمن ہو گئے اور ظلم و جبر کی ایسی تاریخ رقم کی جس کی مثال نہیں ملتی۔ ظلم و ستم کی ان آندھیوں کے باوجود آپ نے توحید کی شمع جلائے رکھی اور دینی دعوت کو عام کرنے کی کوششیں کرتے رہے۔ ہر مجمع، ہر بازار اور ہر جگہ جا کر آپ اللہ پاک کی وحدانیت کا چرچا کرتے اور آزاد ہو یا غلام، کمزور ہو یا طاقت ور، غریب ہو یا امیر، چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت سب کو آپ خدائے واحد و اَحد کی طرف بلاتے۔ یہ سب صرف اس لیے تھا کہ جزیرۂ عرب کا گوشہ گوشہ رب کی توحید کے نور سے منور ہو اور ربّ کائنات کی سب سے بہترین تخلیق (انسان) کی پیشانیاں باطل معبودوں کے سامنے نہ جھکیں بلکہ صرف

---

1 ان کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے آباء و اجداد والے باب میں گزر چکا ہے۔

2 تفسیرِ بغوی، پ7، الانعام، تحت الآیۃ: 33، 2/77

www.dawateislami.net

اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوں جو پوری کائنات کا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ اس سنہرے اور عالمگیر پیغام کو ماننے کے بجائے کافر آپ کی جان کے دشمن ہو گئے۔

معاشرے میں آپ کا مقام

مکہ کے اس معاشرے میں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شخصیت ذاتی وقار اور خاندانی وجاہت میں بے مثل و بے مثال تھی، اسی لیے دوست دشمن سب آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، آپ کے صدق، امانت داری، عفت و پاک دامنی اور فضولیات سے دوری کے ساتھ ساتھ نبوت کے رعب نے آپ کی عظمت کو کئی گنا بڑھا دیا تھا، پھر ابو طالب اور ان کے ساتھ بنو عبد المطلب اور بنو ہاشم کے خاندانوں کی حمایت نے آپ کی اہمیت مزید بڑھا دی تھی۔ ایسے میں براہِ راست آپ پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت کرنا گویا کسی بڑی جنگ کو دعوت دینے کے مترادف تھا، اسی لیے کچھ لوگ آپ کو تکلیف دینے سے بچتے تھے، البتہ بعض بدنصیب ایسے بھی ہوئے جنہوں نے آپ کو طرح طرح سے ستایا اور آپ کو تکلیف دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

ابو لہب کے آپ پر مظالم

ان بدبختوں میں سے ایک ابولہب تھا، اس کا اصل نام عبد العزیٰ تھا لیکن ظاہری خوبصورتی اور سرخ و سفید رنگ کی وجہ سے اسے ابولہب کہتے تھے۔ یہ واحد کافر ہے جس کی مذمت میں قرآنِ پاک کی پوری سورت نازل ہوئی۔ یہ اور اس کا گھرانہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو تکلیف دینے میں پیش پیش رہتا تھا۔ بعثت سے پہلے اس کے دو بیٹوں کے ساتھ نبی علیہ السّلام کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ اور حضرت امِّ کلثوم رضی اللہ عنہما کی شادی ہوئی

www.dawateislami.net

تھی، لیکن بعثت کے بعد اس نے دشمنی اور بغض کے زیرِ اثر ان دونوں کو طلاق دلوا دی تھی۔[1] ایک دفعہ ذوالمجاز کے میلے میں جب آپ لوگوں کو دین کی دعوت دے رہے تھے، یہ آپ پر آواز کستا جا رہا تھا۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر کہتا جاتا: لوگو! یہ بے دین اور کاذب ہیں، ان کی باتوں میں مت آنا۔ ایک روایت میں ہے کہ آواز کسنے کے ساتھ ساتھ آپ کے مبارک جسم کو پتھروں سے نشانہ بھی بناتا تھا۔[2] اس کا گھر آپ کے گھر کے پاس تھا، آپ کے مکانِ عالیشان میں کوڑا کرکٹ ڈالنا بھی اس کا معمول تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے پڑوسی بھی ایسا ہی کرتے، آپ صبر و تحمل کے ساتھ ان کی یہ حرکتیں برداشت کرتے اور صرف اتنا فرماتے: يَا بَنِي عبدِ مَنَاف اَيُّ جِوَارٍ هٰذَا یعنی اے عبدِ مناف کی اولاد! پڑوسی کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں!![3]

ابو جہل کے آپ پر مظالم

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پر براہِ راست ظلم و ستم کرنے والے بدبختوں میں سے ایک ابو جہل بھی تھا۔ یہ جب تک زندہ رہا ہمیشہ آپ کی دشمنی اور ایذا رسانی پر خود بھی کمر بستہ رہا اور دوسروں کو بھی ابھارتا رہا۔ ایک دن آپ کعبہ شریف کے قریب نماز ادا فرما رہے تھے، کافروں کی ایک ٹولی بھی وہاں موجود تھی۔ ابو جہل نے جب آپ کو نماز پڑھتے دیکھا تو ایک بھاری پتھر اُٹھا کر آپ کے سرِ مُبارک کو سجدے کی حالت میں کچلنے کے ناپاک ارادے سے آگے بڑھا اور جُوں ہی نزدیک پہنچا تو ایک دم بوکھلا کر پیچھے کی طرف بھاگا، کافروں نے

1. مواہب لدنیہ، 1/392
2. مصنف ابن ابی شیبہ، 20/241، حدیث: 37720
3. السیرۃ النبویۃ لدحلان، 1/226

www.dawateislami.net

حیرت سے پوچھا: تجھے کیا ہو گیا ہے؟ بولا: میں جُوں ہی قریب پہنچا میرے اَوسان ہی خطا ہو گئے، میں نے دیکھا کہ ایک دہشت ناک سر اور خوفناک گردن والا بھیانک اُونٹ مُنہ کھولے دانت کچکچاتا ہوا مجھے ہڑپ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہا ہے! ایسا بھیانک اُونٹ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: وہ جبرائیل تھے، اگر ابوجہل اور نزدیک آتا تو اُسے پکڑ لیتے۔ (1) ایک مرتبہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کعبہ شریف کے پاس نماز میں مشغول تھے، شرک و کفر کے نمائندے یعنی کافروں کے سردار بھی حرم میں موجود تھے، ابوجہل نے آپ کی شان میں گستاخانہ جملے کہے اور پھر اسے ایک گھٹیا حرکت سوجھی، کہنے لگا: فلاں جگہ اونٹ ذبح کئے گئے تھے، ان کی غلاظتیں اور گندگیاں اب بھی وہیں پر بکھری ہوئی ہیں۔ کون ہے ایسا جو انہیں اٹھا لائے اور جب یہ سجدے میں جائیں تو ان کی گردن اور پشت پر رکھ دے؟ اگر کوئی ایسا کر دے تو مزہ آجائے گا۔ عقبہ بن ابی معیط نے اس بدبختی کیلئے خود کو پیش کر دیا۔ چنانچہ یہ گیا اور وہاں سے غلاظت میں لتھڑا ہوا بدبودار بچّہ دان (یعنی وہ کھال جس میں اونٹنی کا بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے) لے آیا اور جب یہ پیکرِ نظافت و لطافت اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوئے تو اس بدبخت نے وہ نجاست کا ملبہ آپ کی پاک گردن اور مبارک شانوں پر رکھ دیا۔ کافر یہ منظر دیکھ کر خوشی سے باؤلے ہو رہے تھے۔ اتنے میں خاتونِ جنت، شہزادیٔ کونین، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو وہ تشریف لائیں اور اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے ان غلاظتوں کو دور کیا۔ آپ نے سجدے سے سر اٹھایا، نماز سے

(1) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص 117

فارغ ہوئے، ہاتھ دعا کیلئے بلند کر دیے اور تین مرتبہ یہ دعا مانگی: ”اَللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِقُرَیْشٍ یعنی اے اللہ! تُو قریش کو اپنی گرفت میں لے لے۔“ پھر آپ نے نام بنام دعا کی کہ مالک! تُو اپنی گرفت میں لے لے، ابو جہل کو، عتبہ کو، شیبہ کو، ولید کو، امیہ کو، عقبہ کو اور عمارہ کو۔ ①

دعائے ضرر کی وجہ

یوں تو مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے مشکل سے مشکل وقت میں بھی اپنے ذاتی دشمنوں کو دعائے ضرر نہ دی، لیکن اس مرتبہ انہوں نے حرکت ہی ایسی کی تھی کہ اس سراپا رحمت کو بھی جلال آ گیا۔ ان ظالموں نے ایسے وقت میں آپ کے جسمِ اطہر پر پلیدی لا ڈالی جب آپ اپنے محبوب رب سے راز و نیاز میں مصروف اور اس کے قرب کی لذتوں کے مزے لے رہے تھے۔ بہر حال نام لے لے کر کی جانے والی دعاؤں سے ان سب کے رنگ ضرور فق ہوئے ہوں گے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے مبارک منہ سے جو بات نکل جائے وہ پوری ہوتی ہے اور یہ دعائیں بھی پوری ہوئیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم! میں نے ان سب کافروں کو جنگِ بدر کے دن دیکھا کہ ان کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں۔ پھر ان سب کی لاشوں کو نہایت ذلت کے ساتھ گھسیٹ کر بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ ②

عقبہ کی گستاخی

ایک مرتبہ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بیت اللہ کے پاس نماز میں مصروف

---

① بخاری، 1/193، حدیث:520

② بخاری، 1/193، حدیث:520-مواہب لدنیہ، 1/305

www.dawateislami.net

Go To Index

تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اور آپ کے مبارک گلے میں چادر ڈال کر اس زور سے بل دیا کہ آپ کا گلا گھٹنے لگا، یہاں تک کہ کھڑے نہ رہ سکے اور مبارک گھٹنے زمین تک جا لگے۔ کہیں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں آ نکلے، انہوں نے یہ ستم دیکھا تو دوڑتے ہوئے آئے اور دھکا دے کر اس بدبخت کو دور کیا، صدیقِ اکبر روتے جارہے تھے اور کہتے جارہے تھے: ظالمو! تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جس کا جرم یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ [1]

ظلم و ستم کے بے شمار واقعات میں سے یہ چند واقعات ہیں جو مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ساتھ پیش آئے، حالانکہ آپ کی شخصیت مکہ میں ممتاز اور باوقار تھی اور کئی قبیلوں کی حمایت بھی آپ کو حاصل تھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ظلم و ستم کے وہ واقعات جو دوسرے مسلمانوں ان میں بھی بالخصوص کمزوروں کے ساتھ پیش آرہے تھے وہ کتنے سنگین اور خوفناک ہوں گے!! کہا جاسکتا ہے کہ تکلیف دینے کے تمام حربے مسلمانوں پر آزمائے جا رہے تھے۔ سنگ دلی اور بے حسی کے ان مظاہروں میں بوڑھے یا جوان، عورت یا مرد کسی کی بھی تمیز نہیں تھی اور جس پر بھی بس چلتا اسی کو ظلم کی چکی میں پیس دیا جاتا۔ وہ ممتاز اور معزز افراد جو اسلام لائے ان کے ساتھ کافروں کا سلوک کیسا تھا، اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

معزز صحابہ پر ظلم و ستم کے واقعات

روایتوں میں ملتا ہے کہ کافروں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کئی دفعہ مارا، ایک دفعہ تو اتنا پیٹا کہ یہ کئی دن تک بیہوش رہے۔ [2] حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ جو بنو امیہ

1. بخاری، 2/575، حدیث: 3856- مواہب لدنیہ، 1/303
2. تاریخ ابن عساکر، 30/50

www.dawateislami.net

Go To Index

کے معزز رکن تھے، اسلام قبول کرنے پر انہیں ان کا چچا تکلیفیں دیتا، اِنہیں رسیوں میں باندھ کر عرب کی تپتی دھوپ میں ڈال دیتا۔ ① حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو ان کا دانہ پانی بند کر دیا گیا، حالانکہ اسلام قبول کرنے سے پہلے دولت مند والدین کی آنکھ کا تارا تھے، مکّہ کے حسین و جمیل نوجوان تھے، اس حال میں باہر نکلتے کہ پاؤں میں باہر سے منگوائی ہوئی بہترین چپل ہوتی، بدن پر مہنگا اور نرم و ملائم لباس ہوتا اور اس پر وافر مقدار میں مہنگی خوشبوئیں چھڑکی ہوتیں، جہاں سے گزر جاتے گلی کوچے مہک جاتے، مگر اسلام لانے کے بعد ان کی آسائشیں تکلیفوں میں بدل گئیں۔ مسلسل ایذائیں برداشت کرنے کی وجہ سے ان کی کھال سانپ کی کینچلی کی طرح جسم سے جدا ہوتے ہوئے بھی دیکھی گئی۔ ②

جب مکہ کے بااثر لوگوں کے ساتھ کافروں کا ایسا رویہ تھا کہ جس پر بس چلتا اسی کو تشدد کا نشانہ بنا دیتے تھے تو وہ لوگ جو بالکل غریب تھے، یا جو بے یار و مددگار غلام تھے، ان پر کافروں نے ظلم و ستم کے کیسے پہاڑ توڑے ہوں گے!! چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت بلالِ حبشی

حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہلے، کافر سردار عبد اللہ بن جدعان کے غلام تھے۔ اسی دور میں ایک معجزہ دیکھ کر ان کا دل نورِ ایمان سے جگمگا اٹھا۔ کچھ عرصے تک ایمان کی دولت چھپائے رکھی، بالآخر ایک دن پتہ چل ہی گیا۔ ہوا یوں کہ یہ حرم میں بتوں کے پاس کھڑے تھے، معبودانِ باطلہ کی نفرت نے جوش مارا، اِدھر اُدھر دیکھا، کسی کو نہ پا کر بتوں پر تھوکنا

① تاریخ ابن عساکر، 39/26

② طبقات ابن سعد، 3/86، 88 ملتقطا- ماہنامہ فیضانِ مدینہ، جولائی 2017، ص 34

www.dawateislami.net

شروع کر دیا۔ یہ سمجھے کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا لیکن دور کھڑے چند کافر انہیں دیکھ رہے تھے، انہوں نے ان کا پیچھا کیا، ان کے مالک ابن جدعان کے پاس آئے اور اسے سارا واقعہ بتایا۔ اس نے لوگوں سے کہہ دیا کہ جیسا جی چاہے بلال کے ساتھ سلوک کرو۔ [1] اس کے بعد سے ان پر بلاؤں کا دور شروع ہوا۔ اس میں شدت تب آئی جب امیہ نے انہیں ابن جدعان سے خرید لیا۔ امیہ بے حد ظالم تھا، وہ تکلیف دینے کے نت نئے طریقے ڈھونڈتا اور انہیں حضرت بلال پر آزماتا۔ کبھی ان کی گردن میں رسی ڈال کر مکے کے اوباشوں کے ہاتھوں میں دے دیتا جو انہیں مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے، کبھی انہیں بھوکا پیاسا رکھ کر دوپہر کی تپتی دھوپ میں ریت پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا، کبھی ان کے جسم کو پتھروں سے کچلا جاتا۔ [2] ایک دن حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے انہیں اس حال میں دیکھا تو امیہ کو بیچنے کا کہا۔ وہ بیچنے پر رضامند ہو گیا۔ حضرت صدّیقِ اکبر نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ [3]

خبّاب بن اَرت

حضرت خبّاب رضی اللہ عنہ ایک کافرہ اُمِّ اَنمار کے غلام بننے سے پہلے ایک آزاد فرد تھے، کسی نے انہیں پکڑا اور منڈی میں جا کر فروخت کر دیا، وہاں اُمِّ انمار نے انہیں خرید لیا۔ یہ لوہار تھے۔ جب یہ ایمان لائے تو مالکن کے حکم سے انہیں دہکتے انگاروں پر لٹا دیا جاتا، جسم جلتا، چربی پگھلتی، جس سے انگارے بجھ جاتے مگر انتقام کی آگ پھر بھی سرد نہ ہوتی۔ کبھی

1 تاریخ ابن عساکر، 10/436 ملتقطا
2 اسد الغابہ، 1/306 ملتقطا- الاستیعاب، 1/259
3 حلیۃ الاولیاء، 1/199 ملخصا

www.dawateislami.net

ان کی مالکن لوہے کی سلاخ گرم کرواتی اور وہ گرم گرم سلاخ ان کے سر پر رکھ دیتی، یہاں تک کہ سلاخ ٹھنڈی ہو جاتی۔ ایک دن انہوں نے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے اپنی حالت بیان کی اور دعا کیلئے عرض کیا۔ آپ نے ان کیلئے دعا فرمائی: ”اَللّٰهُمَّ انْصُرْ خَبَّابًا یعنی الٰہی! خبّاب کی مدد فرما۔“ اس مدد کے اسباب یوں پیدا ہوئے کہ ان کی مالکن کے سر میں شدید تکلیف ہو گئی، اس کا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ سر داغا جائے۔ اب معاملہ الٹ ہو گیا، ان کے ہاتھ میں گرم سلاخ ہوتی اور سامنے مالکن کا سر ہوتا تھا۔ ①

آلِ یاسر

حضرت عمّار رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کا تعلق یمن سے تھا، ایک دفعہ مکہ آئے تو پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ یہاں انہوں نے ایک کنیز سُمَیَّہ سے نکاح کر لیا جن کے بطن سے حضرت عمار پیدا ہوئے۔ حضرت یاسر اور ان کا خاندان گویا مکہ میں بے سہارا تھا۔ جب یہ تینوں ایمان لے آئے تو کافروں کے سینوں پر سانپ لوٹ گئے۔ انہوں نے ان تینوں کو ایذائیں دینا شروع کر دیں۔ حضرت یاسر تشدد کی تاب نہ لا سکے اور شہید ہو گئے۔ ② حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا کو ان کے مالک نے ابو جہل بدبخت کے حوالے کر دیا، اس نے پہلے انہیں ورغلانے کی کوشش کی، مگر یہ سچی مومنہ خاتون ایمان پر ڈٹی رہیں۔ یہاں تک کہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابو جہل مردود نے انہیں نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ ③

1 سیرت حلبیہ، 1/326-اسد الغابۃ، 2/142

2 اسد الغابہ، 5/482-الاصابہ، 6/500

3 الاستیعاب، 4/419

www.dawateislami.net

اسلامی تحریک میں شہادت کا سب سے پہلا جام اسی خاندان کے حصے میں آیا۔ان کے صاحبزادے حضرت عمار کو بھی پریشان کیا جاتا، انہیں ننگی پشت کے بل انگاروں پر لٹا دیا جاتا تھا۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اس خاندان پر ظلم کے مناظر دیکھے تو ارشاد فرمایا: اے آلِ یاسر! صبر کرو، تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ ہے۔[1]

اسلام کے سچے جانثاروں میں سے چند کے احوال بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں، ورنہ اس دور میں جس نے بھی اسلام کو سینے سے لگایا اسے آزمائش اور مصیبت کی بھٹی میں جھونکا گیا اور پوری کوشش کی گئی کہ ان تکلیفوں سے بچنے کیلئے وہ اسلام سے مرتد ہو جائے، لیکن اسلام کے ماننے والے یہ جاں باز ان آزمائشوں میں پہاڑ جیسی مضبوطی کے ساتھ جمے اور ڈٹے رہے۔

حق پر ہونے کے باوجود مظلوم کیوں؟

یہاں یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اور ان کے صحابہ حق پر تھے تو انہوں نے تکلیفیں اور مصیبتیں کیوں جھیلیں؟ اللہ پاک نے انہیں کیوں نہ بچایا اور ان کی مدد کیوں نہ کی؟ اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ ایمان لانے والا اپنی جان، مال اور عزت وغیرہ کا ربِّ کریم کے ساتھ سودا کر لیتا ہے اور اس بات کا اقرار کر لیتا ہے کہ اس کی تمام خواہشیں اور تمنائیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شریعت کے تابع ہوں گی۔ اب اس راہ پر چلنے والے مومن و منافق، اپنے اور بیگانے سب ہو سکتے تھے، اسی لیے انہیں مصیبتوں اور تکلیفوں سے آزمایا گیا کہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز ہو جائے۔ اسی بات کو قرآنِ کریم میں ایسے بیان کیا گیا ہے:

1 مستدرک للحاکم، 4/469، حدیث: 5696

www.dawateislami.net

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۳﴾

(پارہ20، عنکبوت:2،3)

ترجمہ کنزالعرفان: کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہتے ہیں ہم ”ایمان لائے“ اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا؟ اور بیشک ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا تو ضرور ضرور اللہ انہیں دیکھے گا جو سچے ہیں اور ضرور ضرور جھوٹوں کو (بھی) دیکھے گا۔

اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ تمام امتوں میں کئی حکمتوں اور مصلحتوں کے پیشِ نظر اللہ پاک کا یہ طریقہ جاری رہا ہے کہ وہ ایمان والوں کو آزمائشوں میں مبتلا فرماتا ہے، لہٰذا اس کے برخلاف ہونے کی توقّع رکھنا جائز نہیں۔ اس امّت سے پہلے لوگوں پر بھی انتہائی سخت آزمائشیں اور مصیبتیں آئیں، لیکن پہلے لوگوں نے ان مصیبتوں اور آزمائشوں پر صبر کیا اور اپنے دین پر اِستقامت کے ساتھ قائم رہے۔ اس سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ آزمائشیں اور مصیبتیں آئیں تو سابقہ لوگوں کی طرح ہم بھی صبر وہمت سے کام لیں اور اپنے دین کے احکامات پر مضبوطی سے عمل کرتے رہیں۔

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھ کر اس پر عمل کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: کیا وجہ تھی کہ کفار قریش پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور قرآن کریم کو حق وسچ ماننے کے باوجود بھی دولتِ اسلام سے محروم رہے؟

سوال: رئیسانِ قریش کا چھپ کر آقا کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی تلاوتِ قرآن سننے کا واقعہ بیان کریں؟

سوال: کفارِ قریش نے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پر کیا کیا مظالم ڈھائے؟

سوال: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہونے والے ظلم و ستم کے واقعات بیان کریں۔

سوال: ایمان والوں کو اکثر مصیبتوں اور آزمائشوں کا سامنا کیوں رہتا ہے؟

www.dawateislami.net

گیارہواں باب

ہجرتِ حبشہ

Migration to Ethiopia

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کی حفاظت کا ذمہ ربِ کائنات نے خود لیا ہوا ہے۔ قرآنِ پاک میں ہے: ﴿ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾ [1] ترجمہ کنزالعرفان: ”اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔“ ربِّ کریم کے اس وعدۂ حفاظت کے علاوہ ظاہری طور پر آپ کے خاندان والے بھی آپ کے دفاع کیلئے تیار رہتے تھے۔ اس کے باوجود کافروں کا جب بھی بس چلتا تو وہ دل آزاری اور تکلیف دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ اعلیٰ خاندانوں سے اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ بھی وہ یہی کرتے، جبکہ غریب اور نادار صحابۂ کرام پر تشدد کرنا ان کا معمول تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مظالم اور وحشیانہ حرکتوں میں اضافہ ہی ہوتا جارہا تھا یہاں تک کہ مکہ میں رہنا دوبھر (مشکل) ہو گیا۔

پہلی ہجرتِ حبشہ

نبی علیہ السّلام کو معلوم تھا کہ سرزمینِ حبشہ [2] کا حکمران [3] عادل، رحم دل اور نیک ہے،

---

1 پ6، المائدۃ:67

2 موجودہ افریقی ملک ایتھوپیا (Ethiopia) کے علاقے جنہیں اہلِ عرب حبشہ کہتے تھے۔ پانچ نبوی یعنی 615 عیسوی میں اس ریاست کا نام ”اکسوم“ تھا، اسی نام کا شہر ریاست کا دارالحکومت تھا۔ آج بھی اس شہر کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اُس وقت یہ ریاست بہت وسیع سلطنت پر مشتمل تھی۔

3 حبشہ کے حکمران کو نَجاشی کہتے تھے۔ اس وقت کے نجاشی کا نام اصحمہ (اَص، حَ، مَہ) تھا۔ حضور علیہ الصلاۃ والسّلام نے ان کی اچھائی اور نرم مزاجی کی گواہی دی، یہ بعد میں ایمان لائے اور اِنہوں نے آپ کی طرف تحفے بھی بھیجے، نو ہجری میں ان کے فوت ہونے پر آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی۔ (بخاری، 1/445، حدیث:1318 - مواہب لدنیۃ، 1/444 ملخصاً) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت نجاشی کا جنازہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کے لئے ظاہر کر دیا گیا تھا آپ نے انہیں دیکھا اور نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (عمدۃ القاری، 6/164، تحت الحدیث:1318) ان کے بعد والا نجاشی اسلام لانے سے محروم رہا۔

www.dawateislami.net

اس سے یہ خطرہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کو ستائے یا انہیں پریشان کرے گا۔ اس لیے آپ نے مسلمانوں کو اپنے دین کی حفاظت کیلئے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔ یوں اعلانِ نبوت کے پانچویں سال سن 615 عیسوی میں گیارہ مرد اور چار عورتیں اپنا ایمان بچانے کیلئے وطن چھوڑ کر پردیس کی راہوں کے مسافر بن گئے۔ یہ لوگ پہلے شُعَیبَہ [1] نامی بندرگاہ پر پہنچے۔ وہاں سے کشتیوں میں بیٹھ کر سمندر پار حبشہ کی سرزمین پر پہنچ گئے۔ حبشہ پہنچ کر مسلمانوں نے چین کا سانس لیا، وہ بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے اور اپنے خالقِ حقیقی کی عبادت میں محو (مصروف) رہنے لگے۔ رجب کا مہینہ تھا جب مہاجرین کا یہ پہلا کارواں (قافلہ) ہجرت کر کے حبشہ پہنچا تھا، تین ماہ تک یہ لوگ وہاں امن و عافیت سے رہے۔ [2] پھر ایک روز انہیں اطلاع ملی کہ مکہ میں امن آ چکا ہے اور کافروں نے اسلام کے دامن میں پناہ لے لی ہے۔ مہاجرین نے مشورہ کیا کہ جب ظلم و تشدد کا دور ختم ہو چکا ہے تو ہمیں واپس اپنے وطن اور اہل و عیال کا رخ کر لینا چاہیے۔ کچھ افراد نے اس مشورے پر عمل کیا جبکہ کچھ وہیں رہے۔

دوسری ہجرتِ حبشہ

وہ چند افراد جو حبشہ سے واپس آئے مکہ پہنچتے ہی ان کے ہم وطنوں نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا (دھمکایا) اور پھر سے ظلم و ستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ وہ تین ماہ جس میں یہ لوگ

1 شُعَیبَہ جدہ سے تھوڑے فاصلے پر ایک بندرگاہ تھی، جدہ کی بندرگاہ بننے سے پہلے اہلِ مکہ کی کشتیاں یہیں لنگر انداز ہوتی تھیں۔ (معجم البلدان، 3/146) حضرتِ عثمان رضی اللّٰہ عنہ کے دورِ خلافت میں جدہ میں بندرگاہ بنائی گئی۔

2 طبقات ابن سعد، 1/159 تا 161 ماخوذاً وملتقطاً

ظلم سے محفوظ رہے اس کی بھی کسر نکال دی گئی۔اس پر مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے انہیں پھر سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔یوں رب کے یہ بندے ایک بار پھر اس سرزمین کی طرف روانہ ہوئے جہاں یہ اطمینان و سکون سے اپنے رب کی عبادت کرسکتے تھے۔اس دفعہ ان کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد تیار ہوگئی۔اب کی بار اس قافلۂ عشق و مستی کے مرد شرکا کی تعداد تراسی(83)جبکہ خواتین کی تعداد اٹھارہ(18) تھی۔ دامادِ رسول حضرت عثمانِ غنی اپنی زوجہ،صاحبزادئ رسول حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما کے ہمراہ اس دوسری ہجرت میں بھی شریک تھے لیکن انہیں مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ساتھ نہ جانے کا افسوس تھا،بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یَا رَسُولَ اللہ فَهِجْرَتُنَا الْاُوْلٰى وَهٰذِهِ الْآخِرَةُ اِلَى النَّجَاشِيِّ وَلَسْتَ مَعَنَا؟یعنی یارسولَ اللہ!ہم نے پہلے ہجرت کی اور اب یہ دوسری ہجرت ہے لیکن حضور ہمارے ساتھ نہیں ہیں؟ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: اَنْتُمْ مُهَاجِرُوْنَ اِلَى اللهِ تَعَالٰى وَاِلَيَّ، لَكُمْ هَاتَانِ الْهِجْرَتَانِ جَمِيْعًا یعنی تم اللہ پاک اور میری طرف مہاجر ہو اور تمہیں یہ دونوں ہجرتیں نصیب ہوئیں،یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: فَحَسْبُنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ پھر تو ہمیں یہی کافی ہے۔(1)

مہاجرین کے خلاف کافروں کی سازش

جب کافروں نے دیکھا کہ مسلمانوں نے ایک پناہ گاہ(رہنے کی جگہ) تلاش کرلی ہے اور وہاں چین کی زندگی گزار رہے ہیں تو ان سے برداشت نہ ہوا۔ایک تو اِنہیں یہ افسوس تھا کہ وہ

(1) طبقات ابن سعد، 1/ 161، 162

www.dawateislami.net

Go To Index

اتنے امن سے وہاں کیوں رہ رہے ہیں؟ دوسرا اِنہیں یہ پریشانی ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان وہاں اپنی طاقت جمع کریں اور کچھ عرصے بعد ہم پر دھاوا بول(حملہ کر) دیں۔ یوں انہوں نے کچھ تحائف کے ساتھ ”عمرو بن عاص[1]“ اور ”عبد اللہ بن ربیعہ[2]“ جیسے ماہر اور ذہین افراد کو بادشاہِ حبشہ کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ یہ وہاں پہنچے اور تحفے دے کر بادشاہ کو سجدہ کر کے کہنے لگے: جہاں پناہ! ہمارے کچھ مجرم بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ لے چکے ہیں، آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں۔ بادشاہ چونکہ انصاف پسند تھا اس لیے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اس نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور انہیں اپنی صفائی کا موقع دیا۔[3]

شاہی دربار میں پیشی

حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہُ عنہ مسلمانوں کے نمائندہ بن کر گفتگو کیلئے آگے بڑھے۔ خود پر لگائے گئے الزامات کا جواب انہوں نے ایسے دیا: اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ شرک و بت پرستی کرتے۔ لوٹ مار، چوری، ڈکیتی، ظلم و ستم اور طرح طرح کی بدکاریوں اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے۔ اللہ پاک نے ہماری قوم میں ایک شخص کو اپنا رسول بنا کر بھیجا جس کے حسب و نسب اور صدق و دیانت کو ہم پہلے سے جانتے تھے، اس

1. حضرت عمرو بن عاص رضی اللہُ عنہ بعد میں ایمان لے آئے۔ صلحِ حدیبیہ کے بعد یہ اس ڈر سے حبشہ چلے گئے کہ کہیں اسلام نہ قبول کرنا پڑے۔ وہاں یہ تابعی بزرگ حضرت اصحمہ نجاشی بادشاہ کے ہاتھ پر ایمان لائے اور بعد میں صحابیت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ آپ بڑے ذہین اور بہترین سپہ سالار تھے، فاتحِ مصر ہونے کا اعزاز آپ کو حاصل ہے۔ سن 43 ہجری عید الفطر کی رات کو تقریباً سو سال کی عمر میں اس دنیا سے کوچ (انتقال) فرما گئے۔ (المغازی للواقدی، 2/741- تاریخ ابن عساکر، 46/202- ماہنامہ فیضانِ مدینہ، جولائی 2018، ص 41، 42 ماخوذاً)
2. بعض کتب میں عبد اللہ بن ربیعہ کی جگہ عمارہ بن ولید کا ذکر ہے۔ (المغازی لموسی بن عقبہ، ص 73)
3. السیر و المغازی لابن اسحٰق، ص 214

www.dawateislami.net

رسول نے ہمیں شرک و بت پرستی سے روکا، اس رسول نے ہمیں صرف خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا، اس رسول نے ہمیں ہر قسم کے ظلم و ستم، تمام برائیوں اور بدکاریوں سے منع کیا۔ ہم اس رسول پر ایمان لائے اور شرک و بت پرستی چھوڑ کر تمام برے کاموں سے تائب ہو گئے۔ بس (ان کی نظر میں) یہی ہمارا گناہ ہے جس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ان لوگوں نے ہمیں اتنا ستایا کہ ہم اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر آپ کی سلطنت کے زیر سایہ پر امن زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب یہ لوگ ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم پھر اسی پرانی گمراہی میں واپس لوٹ جائیں۔ (1)

شاہی دربار میں رب کی رحمتوں کے انوار

حضرت جعفر کی اس تقریر سے بادشاہ بڑا متاثر ہوا۔ عمرو بن عاص نے صورت حال اپنے خلاف جاتے دیکھی تو ترکش کا آخری تیر بھی پھینک دیا، کہنے لگے: یہ مسلمان آپ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں عجیب عقیدہ رکھتے ہیں۔ بادشاہ نے حضرت جعفر سے اس بارے میں پوچھا تو آپ سورۂ مریم کی تلاوت فرمانے لگے۔ وہ عجب منظر تھا کہ نجاشی کا دربار اپنی پوری آب و تاب (شان) سے سجا ہے، بادشاہ کے وزیر اور مذہبی پیشوا (راہ نما) وہاں موجود ہیں، مکہ کے دو سفیر بھی حاضرِ دربار ہیں، اس اجنبی ماحول میں حضرت جعفر قرآنِ کریم کی سورۂ مریم کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ اللہ کا کلام، شاہی دربار اور حضرت جعفر کی پر سوز تلاوت، یوں ایک سماں بندھ گیا، رب کی رحمت اور اس کے انوار کی ایسی رم جھم شروع ہوئی کہ آپ کی تلاوت سے بادشاہ اور عیسائی علما پر رِقّت (رونے کی کیفیت) طاری ہو

(1) المغازی لموسی بن عقبہ، ص71 تا 73 ملتقطاً- مواہبِ لدنیۃ، 2/33

www.dawateislami.net

Go To Index

گئی۔ تلاوت فرمانے کے بعد آپ نے فرمایا: ہمارے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ہمیں حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہی تعلیم دی ہے کہ وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں جو کنواری پاک مریم رضی اللہُ عنہا سے بغیر باپ کے خدا کی قدرت کا نشان بن کر پیدا ہوئے۔ نجاشی نے کہا: بے شک انجیل اور قرآن ایک ہی سورج کی کرنیں اور ایک ہی چشمے کی موجیں ہیں۔ آپ لوگ یہاں آرام سے رہیں، جس نے بھی آپ کو ایذا (تکلیف) دی ہم اس پر تاوان (جرمانہ) لگائیں گے۔[1] یوں سفیرانِ مکہ اپنے منصوبے میں ناکام ہوئے۔

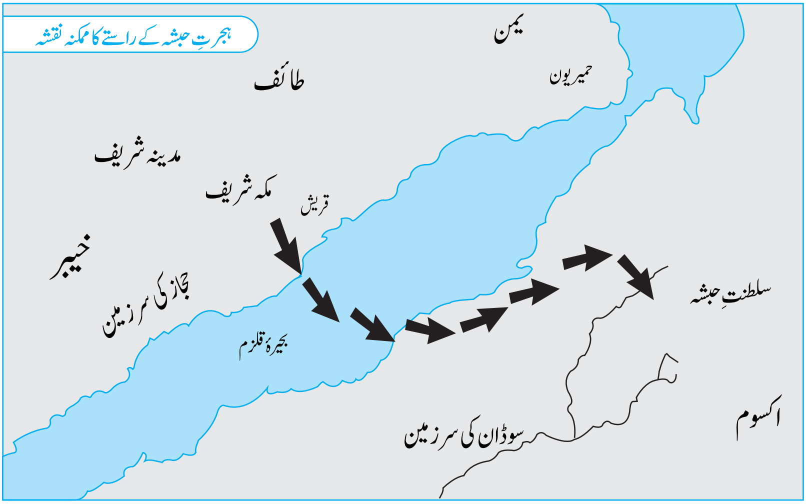

ہجرتِ حبشہ کے راستے کا ممکنہ نقشہ

ہجرتِ حبشہ کی چند حکمتیں

مسلمانوں کی حبشہ کی طرف ہجرت مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اجازت و

---

1 المغازی لموسی بن عقبہ، ص71 تا 73 - سیرت حلبیہ، 1/ 477 تا 479

www.dawateislami.net

حکم سے تھی۔ مسلم مہاجرین نے ملکِ حبشہ میں بطورِ اقلیت اسلامی دعوت کے بارے میں جو کردار ادا کیا وہ آنے والی تمام امت کیلئے بہترین اور راہ نما اصول فراہم کرتا ہے۔

ہجرتِ حبشہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس سے اسلام کی آفاقیت اور اس کے عالمگیر ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ اس دور میں عرب کے آس پاس کئی سلطنتیں موجود تھیں، مگر مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے عرب و عجم اور سیاہ و سفید کا فرق مٹا کر حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت عطا فرمائی۔

اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان کیلئے دینِ اسلام نہ صرف ہر چیز سے عزیز تھا بلکہ وہ اس کیلئے ہر طرح کی قربانی دینے کیلئے تیار تھے۔ یہی وہ جذبہ تھا جو انہیں ایک اجنبی ملک لے گیا اور اسی جذبے نے دنیا و آخرت میں ان کیلئے کامیابیوں کے دروازے کھول دیئے۔ آج بھی اسلام کی سربلندی کیلئے ایسا ہی جذبہ درکار ہے۔ اللہ پاک ہمیں نصیب فرمائے۔ آمین

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھ کر اس پر عمل کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: حبشہ کے اس وقت کے حکمران نجاشی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

سوال: پہلی ہجرت کب، کہاں اور کیوں ہوئی؟

سوال: ہجرتِ حبشہ کی چند حکمتیں بیان فرمائیں۔

سوال: مہاجرین کے خلاف کافروں نے کیا سازش رچائی؟

سوال: شاہی دربار میں حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی تقریر کا کیا ثمرہ (اثر) ظاہر ہوا؟

بارھواں باب

بائیکاٹ، عام الحزن اور سفرِ طائف

Boycott, the year of grief, and Ta'if's journey

مکہ کے کافروں کو یہ غلط فہمی تھی کہ ان کا ظلم و تشدد اسلام کا راستہ روک دے گا یا کم از کم اسلامی تحریک کو کمزور کر دے گا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی تھی اور اسلامی تحریک بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ کافروں کا ظلم و ستم کئی خوش نصیبوں کو راہِ راست پر لانے کا سبب بن جاتا۔ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے چچا، حضرت امیر حمزہ رضی اللہُ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔

حضرت امیر حمزہ کا قبولِ اسلام

یہ نبوت کے چھٹے سال سن 616 عیسوی کی بات ہے کہ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ایک روز کہیں جا رہے تھے کہ ابو جہل راستے میں مل گیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور شدید تلخ کلامی شروع کر دی، جو منہ میں آیا کہتا چلا گیا، مگر پیکرِ حلم و وقار نے اس یاوہ گوئی اور بد اخلاقی کا کوئی جواب نہ دیا، اس سے ابو جہل کے غصے کی آگ مزید بھڑک اٹھی، اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا، اسی سے آپ کو ایذا دینا شروع کر دی، یہاں تک کہ جسمِ نازک سے خون رسنے لگا، مگر اس پیکرِ تسلیم و رضا نے کمال صبر کا مظاہرہ فرمایا اور اف تک نہ کی، ابو جہل دل کا غبار نکال کر وہاں سے چلتا بنا اور صحنِ حرم میں اپنے یاروں کی محفلوں میں جا بیٹھا، جبکہ آپ بھی خاموشی سے اپنے گھر تشریف لے گئے۔ ایک لونڈی نے یہ سارا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اسی روز حضرت حمزہ رضی اللہُ عنہ حسبِ معمول جنگل سے شکار کر کے واپس لوٹے تو اس کنیز نے انہیں روک کر ابو جہل کی بد بختی اور ایذا رسانی (تکلیف پہنچانے) کا سارا واقعہ سنایا۔ حضرت امیر حمزہ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا، اسی وقت دوڑتے ہوئے حرم شریف پہنچے، ابو جہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا، آپ اس کے سر پر جا

www.dawateislami.net

پہنچے اور کوئی بات کئے بغیر اپنی کمان اس زور سے اس کے سر پر ماری کہ سر زخمی ہو گیا، پھر جلال بھرے لہجے میں اس سے فرمایا: تُو نے میرے بھتیجے کو گالیاں دی ہیں اور بد اخلاقی کی ہے، حالانکہ جانتا نہیں کہ میں بھی انہی کے دین پر ہوں۔ ابو جہل اس شیر غُراں (دھاڑنے والے شیر) کا جلال و غضب دیکھ کر گھبرا گیا، اس کے قبیلے کے لوگ حضرت حمزہ کی طرف بدلہ لینے کیلئے آگے بڑھے، مگر ابو جہل جان گیا تھا کہ حضرت حمزہ کے مقابلے کا کوئی نہیں تو کہنے لگا: دَعُوْا اَبَا عُمَارَةَ فَاِنِّیْ وَاللهِ لَقَدْ سَبَبْتُ ابْنَ اَخِیْهِ سَبًّا قَبِیْحًا یعنی انہیں جانے دو، یہ ٹھیک غصہ کر رہے ہیں، میں نے ہی ان کے بھتیجے کے ساتھ بد تمیزی کی ہے۔ (1)

رشتہ داری اور تعلق کے جوش پر یہ سب کچھ ہو گیا، مگر جب گھر واپس آئے اور غصہ ٹھنڈا ہوا تو پریشانی ہونے لگی کہ کیا کریں؟ بھتیجے کا دین قبول کریں یا ایسے ہی رہیں۔ جیسے تیسے رات بسر کی، صبح ہوئی تو مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی دلی بے چینی کا اظہار فرمایا۔ نبی علیہ السّلام نے توجہ فرمائی اور دینِ اسلام کی حقانیت کے بارے میں چند ارشادات فرمائے، جن کی تاثیر سے حضرت امیر حمزہ کے سارے حجابات (پردے) اٹھ گئے، شک اور شبہات کا سارا غبار دور ہو گیا اور دل کی دنیا نورِ ایمان سے جگ مگ جگ مگ کرنے لگی۔ آپ کے ایمان لانے سے کفر کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا اور کمزور مسلمانوں پر کافروں کے ظلم میں بڑی کمی آ گئی۔ (2)

ابھی حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی خبر تازہ ہی تھی کہ کافروں پر حضرت

1. السیر والمغازی لابن اسحٰق، ص 171 - السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص 114
2. سبل الہدیٰ والرشاد، 2/332، 333 ملتقطا

www.dawateislami.net

Go To Index

عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایمان قبول کرنے کی خبر بجلی بن کر گری۔ حضرت فاروقِ اعظم حضرت امیر حمزہ کے قبولِ اسلام کے تین دن بعد عین حالتِ جوانی میں ایمان لائے۔ [1]

حضرتِ عمر کا قبولِ اسلام

حضرت عمر کے ایمان قبول کرنے کا واقعہ بڑا مشہور ہے، مختصر یہ کہ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ان کے قبولِ اسلام کی دعا فرمائی، [2] دعا کی قبولیت کے اسباب یوں ہوئے کہ حضرت عمر معاذاللہ آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کرکے گھر سے نکلے، راستے میں خبر ملی کہ بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہو چکے ہیں تو سخت غصے میں وہاں پہنچے، پہلے بہنوئی کو پیٹا پھر بہن کو مارا، مگر انہوں نے اسلام چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ یہ سن کر حیران ہوئے کہ آخر اس دین میں ایسا کیا ہے۔ کہنے لگے: مجھے بھی رب کا کلام پڑھاؤ! بہن نے کہا: پہلے غسل کرو! پاک صاف ہو جاؤ! غسل کے بعد جب کلامِ الٰہی پڑھا تو دل کی دنیا میں انقلاب پیدا ہو گیا، کہنے لگے: میں ایمان قبول کرنا چاہتا ہوں۔ ان دنوں نبی علیہ السّلام کی سرگرمیوں کا مرکز دارِ ارقم تھا، یہ لوگ وہاں پہنچے، حضرت عمر کے وہاں پہنچنے سے کچھ مسلمان پریشان ہوئے مگر شیرِ خدا حضرت امیر حمزہ فرمانے لگے: عمر کو اندر آنے دو! اگر وہ اچھی نیت سے آئے ہیں تو ٹھیک، ورنہ خود ان کی تلوار سے ان کا سر قلم کر دیں گے۔ دروازہ کھولا گیا، حضرت عمر آئے اور ایمان لانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس غیر متوقع خبر نے سب مسلمانوں کو خوش کر دیا، نعرۂ تکبیر سے مکہ کی

---

1. طبقات ابنِ سعد، 3/204- فیضانِ فاروقِ اعظم، 1/326
2. ابن ماجہ، 1/77، حدیث:105

www.dawateislami.net

فضا گونج اٹھی۔[1] اسلام لانے کے بعد انہی کے اصرار پر اہلِ ایمان کی جماعت اس شان سے باہر نکلی کہ ایک طرف حضرت حمزہ چل رہے تھے اور دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہُ عنہما۔ کافروں نے جب یہ منظر دیکھا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی، کل تک جو اسلام کے دشمن تھے آج وہی سب سے بڑے محافظ بن گئے تھے۔ مسلمانوں کو حرمِ پاک میں عبادت کی آزادی چونکہ حضرت عمر کے طفیل (ذریعے) ملی تھی اس لیے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے آپ کو فاروق (حق و باطل میں فرق کرنے والے) کا خطاب عطا فرمایا۔[2]

بائیکاٹ کی ابتدا

حضرت عمر فاروقِ اعظم اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہُ عنہما کے قبولِ اسلام سے کافروں کو شدید صدمہ پہنچا، ان کی وجہ سے اشاعت اور تبلیغِ دین کا کام مزید بہتر طریقے سے ہونے لگا یہ دیکھ کر کافروں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ انہیں سمجھ نہیں آتا تھا کہ اسلام کی تبلیغ کو کیسے روکا جائے۔ آخر کار انہوں نے یہ فیصلہ کیا جب تک مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی زندگی کا چراغ گل نہ کر دیا جائے تب تک ان کی مشکلیں ختم نہیں ہو سکتیں۔ وہ یہ باتیں کھلم کھلا کرنے لگے کہ ہم انہیں شہید کر دیں گے۔ جنابِ ابو طالب نے جب مشرکوں کے یہ تیور دیکھے تو بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کو جمع کیا، انہیں خاندانی تعلق کا لحاظ کرایا اور ان سے کہا: تم لوگ انہیں

1 السیر والمغازی لابن اسحٰق، ص181 تا 183- مستدرک حاکم، 5/79، حدیث: 6981 ملخصا

2 شرح الزرقانی علی المواہب، 2/8

www.dawateislami.net

لے کر شعب ① میں چلے جاؤ اور ان کی حفاظت کرو! بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب میں سے جو مسلم تھے انہوں نے ایمانی غیرت اور جو کافر تھے انہوں نے خاندانی غیرت کے تحت اس بات کو مان لیا۔ جب قریش کے مشرکین کو احساس ہو گیا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے تو انہوں نے اپنی ناکامی چھپانے کیلئے بنوہاشم و بنوعبد المطلب کا سماجی اور معاشی بائیکاٹ کر دیا اور اعلان کر دیا کہ جب تک وہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو قریش کے حوالے نہیں کر دیتے وہ نہ ان کے ساتھ بیٹھیں گے، نہ ان کے ساتھ لین دین رکھیں گے اور نہ ان کے گھر جائیں گے۔ انہوں نے اپنی اس ناپاک سازش کیلئے باضابطہ دستاویز بنائی اور اس میں یہ سب کچھ لکھ دیا اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ بنو ہاشم کے ساتھ کوئی صلح صفائی کی

1 شِعْبٌ کے معنی ہوتے ہیں: گھاٹی یعنی دو پہاڑوں کے درمیان کی کھلی جگہ۔ مکہ شریف پورا ہی پہاڑی علاقہ ہے اور یہاں کئی گھاٹیاں ہیں۔ شعبِ ابی طالب حضرت ہاشم کی ملکیت تھی، ان سے حضرت عبد المطلب اور پھر ابو طالب کی مِلک ہوئی، اسی وجہ سے اسے شعبِ ابی طالب کہتے ہیں۔ یہ گھاٹی دو وجہ سے مشہور ہوئی: ایک تو یہاں مسلمانوں کا محاصرہ (گھیراؤ) ہوا، دوسرا ایک روایت کے مطابق یہیں سے مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سفر معراج کیلئے تشریف لے گئے۔ (مراۃ المناجیح، 8/153) یہ گھاٹی بیت اللہ شریف کے بالکل قریب تھی۔ (السیر و المغازی لابن اسحق، ص159) ایک جدید تحقیق کے مطابق اس کا محل وقوع یوں ہے کہ جبل ابو قبیس اس شعب کے بائیں جانب اور خنادم اس کے دائیں جانب واقع ہے۔ یہ گھاٹی بیت اللہ شریف سے تقریباً تین سو میٹر دور اونچائی پر واقع تھی۔ حضرتِ ہاشم کا کھدوایا ہوا کنواں "بئرِ بَذَّر" اس گھاٹی کے دہانے پر (شروع میں) تھا۔ (معالم مکۃ التاریخیہ والاثریہ، ص145) ایک روایت کے مطابق اسی گھاٹی میں والدِ مصطفٰی حضرت عبد اللہ کا بھی مکان تھا۔ (اخبار مکہ للازرقی، ص858- اخبار مکہ للفاکہی، 3/264) بعد میں خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ نے اسی مکان کو مسجد میں تبدیل کروا دیا۔ (اخبار مکہ للازرقی، ص811) دورِ جدید کے توسیعی کاموں کی وجہ سے یہ گھاٹی باقی نہیں رہی۔ اب یہاں ایک وسیع میدان ہے۔ (معالم مکۃ التاریخیہ والاثریہ، ص154)

گنجائش نہیں اور نہ ان کے ساتھ کوئی نرمی ہو گی۔[1] مشرکینِ قریش میں سے سب نے ان شرائط کی پابندی کا وعدہ کیا اور پھر کعبہ شریف کے اندر اس دستاویز کو آویزاں کر دیا(لٹکا دیا)۔

شعبِ ابی طالب کی مصیبتیں

اہلِ مکہ کی معیشت کا بنیادی ذریعہ تجارت تھی، جب دیگر اہلِ مکہ نے مل کر بنو ہاشم وغیرہ کا معاشی بائیکاٹ کر دیا تو ایک طرح سے ان کی تجارت پر پابندی لگ گئی۔ اس وجہ سے یہ لوگ زندگی گزارنے کی بنیادی ضرورتوں تک سے محروم ہو گئے۔ یوں یہ بائیکاٹ بنو ہاشم وغیرہ کیلئے بہت بڑی مصیبت اور آزمائش بن کر آیا جس نے انہیں ہلا کر رکھ دیا۔[2] اس پورے عرصے میں بچے، بوڑھے، مرد اور عورت سب بھوک پیاس کی سختی برداشت کرتے۔ یہاں تک کہ بنو ہاشم کے بچے بھوک پیاس سے ساری ساری رات بلکتے (روتے) رہتے اور ان کی دردناک آوازیں دور دور تک سنائی دیتیں مگر کچھ مشرکین اتنے سنگ دل تھے کہ رحم کھانا تو دور وہ بچوں کی ان آوازوں پر خوش ہوتے تھے۔[3] ظلم بالائے ظلم یہ کہ مشرکین نے اس گھاٹی کی ناکہ بندی بھی کر دی تا کہ کوئی امداد ان تک نہ پہنچ سکے۔ باہر سے کوئی قافلہ سامان بیچنے مکہ آتا تب بنو ہاشم میں سے کوئی اس سے سامان لینے کی کوشش کرتا مگر مشرکین یا تو اس کا پورا سامان پہلے سے خرید لیتے یا قافلے والوں کو مجبور کرتے کہ ان کے ہاتھ سودا مت بیچو!

1 المغازی لموسیٰ بن عقبہ، ص 81، 82
2 السیر والمغازی لابن اسحٰق، ص 156 ملخصاً وماخوذاً
3 طبقات ابن سعد، 1 / 163

www.dawateislami.net

یوں وہ ہاشمی خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔ ابولہب ہاشمی ہونے کے باوجود شعب میں نہ گیا بلکہ وہ کفار کے ساتھ تھا۔ ابولہب اور ولید بن مغیرہ جیسے بے رحم کافروں نے اعلان کر رکھا تھا کہ اگر یہ لوگ کہیں سے سودا خرید رہے ہوں تو کوئی بھی ان سے پہلے سودا خرید لے، پیسے نہ ہوں تب ادھار کر دے، بعد میں ہم ادا کر دیں گے۔ ابولہب تو یہ کرتا کہ جیسے ہی کوئی تجارتی قافلہ مکہ آتا اور مسلمان اس سے کوئی چیز خریدنے پہنچتے تو یہ تاجروں سے کہتا تم اِنہیں اتنے دام بتاؤ کہ یہ کچھ خرید نہ سکیں۔ ساتھ ہی قافلے والوں کو اطمینان دلاتا کہ اپنے نقصان کی فکر مت کرو! اگر تمہارا سامان فروخت نہ ہو سکا اور تمہیں خسارہ (نقصان) ہوا تو اسے میں پورا کروں گا۔ یوں بنو ہاشم کوئی چیز خریدنا چاہتے تو ابولہب کی سازشوں سے انہیں خالی ہاتھ واپس آنا پڑتا۔[1] اس سب کے باوجود مکہ کے کچھ لوگ ایسے تھے جو چھپ چھپا کر بنو ہاشم کی مدد کر دیتے تھے۔

بائیکاٹ کا عرصہ اور اختتام

نبوت کے ساتویں سال (617 عیسوی کے) محرم شریف کے شروع میں اس محاصرے کا آغاز ہوا اور دسویں سال مسلمان شعب سے باہر نکلے۔[2] اس طرح پورے تین سال شعبِ ابی طالب کے اس دردناک ماحول میں بسر ہوئے۔ بالآخر اللہ پاک نے ایسا انتظام فرمایا کہ یہ معاہدہ خود بخود کالعدم (ختم) ہو گیا۔ ہوا یہ کہ ایک دن مصطفٰے جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

1 السیر والمغازی لابن اسحٰق، ص159، 160 – الروض الانف، 2/161

2 المغازی لموسیٰ بن عقبہ، ص57 – طبقات ابن سعد، 1/163

نے جنابِ ابوطالب کو بتایا: چچا جان! اللہ پاک کے نام کے سوا معاہدے کی تحریر کو دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ اب اس میں اللہ پاک کے نام کے سوا باقی کچھ نہیں ہے۔ جنابِ ابوطالب حیران ہوئے کہ انہیں کیسے پتہ چلا؟ کہنے لگے: اَرَبُّكَ اَخْبَرَكَ بِهٰذَا یعنی کیا تمہارے رب نے تمہیں یہ بتایا ہے؟ فرمایا: نَعَمْ! جی ہاں! وہ اسی وقت حرم میں گئے اور لوگوں سے کہا: اے گروہِ قریش! میرے بھتیجے نے مجھے اس طرح خبر دی ہے۔ تم اپنا معاہدہ لاؤ! اگر یہ خبر صحیح نکلی تو تم اس ظلم و سختی سے باز آؤ! جبکہ اگر یہ خبر غلط نکلی تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ مشرکین نے چونکہ اپنی طرف سے بڑی حفاظت کے ساتھ اس معاہدے کو بیت اللہ شریف میں رکھا تھا اس لیے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ معاہدے کو کچھ ہو سکتا ہے۔ اس لیے بیک زبان کہنے لگے: رَضِيْنَا یعنی جو آپ کہہ رہے ہیں ہم اس پر راضی ہیں۔ پھر انہوں نے جا کر اس معاہدے کو دیکھا تو ان کے ہوش اڑ گئے، کیونکہ جیسا آپ نے ارشاد فرمایا تھا حرف بحرف اسی طرح معاملہ تھا۔ یہ عظیم معجزہ دیکھ کر بھی انہیں حق قبول کرنے کی توفیق نہ ملی، بلکہ کہنے لگے: یہ سب ابوطالب کے بھتیجے کے جادو کا کرشمہ ہے۔[1] کچھ سنگ دل تو ابھی تک اسی بائیکاٹ پر عمل کرنے کی باتیں کرنے لگے مگر کچھ ایسے لوگ جو اس ظلم سے نالاں (پریشان) تھے وہ آڑے آئے اور اس ظالمانہ محاصرے کا اختتام ہو گیا۔

بائیکاٹ کی حکمتیں

شعبِ ابی طالب کے محاصرے میں مسلمانوں کو ہر طرح سے مجبور کیا گیا کہ وہ

1 الروض الانف، 2/163-شرح الزرقانی علی المواہب، 2/37، 38 ملخصاً

www.dawateislami.net

مشرکین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرلیں (سر جھکا کر ان کی بات مان لیں) مگر آفرین ہے وفا کی راہوں کے ان مجاہدوں پر! جو مصیبتوں اور تکلیفوں کی چکی میں پستے رہے مگر کافروں کی خواہشات کے آگے نہ جھکے۔ دیکھا جائے تو بائیکاٹ کے معاملے میں کافر اپنی پوری کوششوں اور تمام شیطانی سازشوں کے باوجود ناکام ہوئے۔ اس محاصرے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ مشرکین کے ظالمانہ اور انسانیت سوز رویے کی وجہ سے بہت سے لوگ مسلمانوں کے حامی ہو گئے، ان کی حمایت کی وجہ سے ہی اس محاصرے کا اختتام ہوا۔ پھر وقت نے یہ بات ثابت کی کہ جو لوگ دل و جان سے اس محاصرے میں مسلمانوں کے ساتھ ہوئے ان میں سے کئی آگے چل کر مسلمان ہوئے اور مسلمانوں کی اس حمایت کے بدلے اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

یہ محاصرہ تین سال تک جاری رہا، ایسے میں ایامِ حج کے دوران پورے عرب سے قافلے مکہ آکر مسلمانوں کے ساتھ ان کے اپنے رشتہ داروں اور خاندان والوں کا ظالمانہ سلوک دیکھتے ہوں گے۔ یہ قافلے واپس جاکر یقیناً اس واقعے کا ذکر کرتے ہوں گے اور یوں لوگ اسلام سے واقف ہوتے ہوں گے۔ اس بائیکاٹ کی بدولت قدرت کی طرف سے اسلام کی اشاعت کا سامان ہونے لگ گیا۔

شفیق چچا اور حضرت خدیجہ کا وصال

تین سالہ بائیکاٹ کے دوران پیش آنے والی مصیبتوں اور پریشانیوں کے ختم ہوتے ہی مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم دوبارہ ذوق و شوق سے اپنا فرض ادا کرنے لگے اور پھر سے جاں فشانی (محنت) سے اسلام کی تبلیغ شروع کردی۔ محاصرہ ختم ہوئے ابھی تھوڑا ہی

عرصہ گزرا تھا کہ آپ کے چچا جناب ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ ابھی ان کے انتقال کا دکھ تازہ ہی تھا کہ آپ کو ایک اور صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ نبوت کے دسویں سال رمضان کے مہینے میں حضور کی وفاشعار، غم گسار اور جاں نثار رفیقہ حیات حضرت ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ [1] حضرت خدیجہ اور جنابِ ابو طالب کے تھوڑی مدت میں ایک ساتھ اس دنیا سے چلے جانے کی ایک وجہ شاید اس وہم کا خاتمہ ہو کہ اسلام کی دعوت کو کامیابی انہی دونوں کے مرتبے اور منصب کی بدولت نصیب ہوئی۔ ان کے چلے جانے اور پھر اسلام کی دعوت کے غلبہ پانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر حمایت، مدد، تعاون اور نُصرت اللہ پاک کی طرف سے ہی ہے۔

عامُ الحزن (غم کے سال) کی وجوہات

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے کفر و شرک کے اندھیروں میں جب توحید کی شمع روشن کی تو کافروں نے مخالفت کا طوفان برپا کر دیا۔ ایسے وقت میں حضرت خدیجہ اور جنابِ ابو طالب کی شخصیتیں ہی تھیں جنھوں نے آپ کی حمایت کی۔ بالخصوص حضرت خدیجہ وہ ہستی ہیں جو اول دن سے آپ کے ساتھ رہیں۔ جب نبوت و رسالت کا مقدس بوجھ آپ کے مبارک کندھوں پر آیا تو انہوں نے ہی حضور کی ہر طرح سے مدد کی۔ یہ پہلے ہی دن آپ پر ایمان لے آئیں اور اسی دن سے اِنہوں نے خود کو اسلام کی خدمت کیلئے وقف کر دیا، یہ مسلسل اس کارِ خیر میں آپ کا دست و بازو (مددگار) بنی رہیں۔ اسی طرح شفیق چچا ابو طالب

[1] مواہبِ لدنیہ، 1/135 بتقدم وتاخر

www.dawateislami.net

بھی آپ کے مددگار اور حمایتی رہے۔ یکے بعد دیگرے ان دونوں کے چلے جانے سے کافروں کو کسی آدمی کا پاس (لحاظ) نہیں رہ گیا تھا، اب وہ نہایت بے رحمی اور بڑی بے باکی سے آپ کو ستانے لگے، اسی لیے آپ نے ان دونوں کے دنیا سے چلے جانے کے سال کو "عام الحزن" (غم کا سال) قرار دے دیا۔

اس سال کو یہ نام دینے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ان دونوں شخصیات کے چلے جانے سے دعوتِ دین کے کئی دروازے بند ہو گئے۔ جب تک یہ دونوں شخصیات حیات تھیں تو ان کی مدد و معاونت کی وجہ سے دعوت و ارشاد کے کئی کاموں میں آپ کو کامیابی حاصل ہوئی، ان کے چلے جانے کے بعد آپ کئی طرح سے کوشش فرماتے، لیکن سامنے سے مخالفت، دشمنی اور رکاوٹوں کے سوا کچھ نہ پاتے۔ یوں آپ جیسے جاتے ویسے ہی واپس آ جاتے، نہ کوئی آپ کی بات سنتا اور نہ کوئی ایمان لاتا، اس وجہ سے آپ غم ناک ہوئے اور اس سال کا نام عام الحزن (غم کا سال) رکھ دیا۔ بعد میں وحی کے ذریعے آپ کو تسلی دی گئی اور فرمایا گیا کہ آپ کا مقصد صرف دعوت اور تبلیغ ہے، اگر کوئی آپ پر ایمان نہیں لاتا تو اسے آپ خود پر بوجھ مت سمجھیں۔ (1)

سفرِ طائف کی وجہ

حضرت خدیجہ اور جنابِ ابو طالب کے دنیا سے چلے جانے کے بعد مکہ کا ماحول دینِ اسلام کی دعوت کیلئے ناسازگار (ناموافق) ہو گیا۔ کافر آپے سے باہر ہونے لگے اور طرح طرح سے آپ

(1) فقہ السیرۃ، ص 97، 98 ملخصًا

www.dawateislami.net

کو ستانے لگے۔ اس ماحول میں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے سوچا کہ طائف [1] کو دعوتِ دین کا مرکز بنایا جائے، شاید وہاں سے کوئی ایسی راہیں نکل آئیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ ہو۔ اس ارادے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے نبوت کے دسویں سال سن 620 عیسوی کو آپ اپنے غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ طائف کے سفر پر نکلے۔[2] تقریباً 91 کلو میٹر کا طویل اور مشکل سفر آپ نے پیدل طے فرمایا۔

طائف کے واقعات

شہرِ طائف پہنچ کر کچھ دن آرام کے بعد وہاں کے تمام سرداروں کے پاس گئے، ان سے بات چیت کی اور دعوتِ اسلام پیش کی مگر کسی نے بھی لبیک نہ کہا۔ گھر گھر دعوت دینے کا یہ سلسلہ تقریباً دس دن یا ایک ماہ تک جاری رہا لیکن وہاں کے کسی فرد کو یہ دعوت قبول کر کے اپنا مقدر سنوارنے کی توفیق نہ ملی۔ آخر کار آپ طائف کے سب سے بڑے سرداروں کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ تین سردار تھے، ایک کا نام عَبدِ یالیل تھا اور دو اس کے بھائی مسعود اور حبیب۔ آپ نے انہیں دعوتِ اسلام دی، بجائے اس کے کہ وہ دعوتِ حق قبول

---

1 طائف (Ta'if) مکہ شریف سے تقریباً 91 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ سعودی عرب کے صوبہ مکہ میں شامل ہے۔ سطحِ سمندر سے تقریباً ساڑھے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع اس شہر کا موسم بڑا خوشگوار رہتا ہے اور اتنی گرمی نہیں ہوتی جتنی عرب کے دوسرے علاقوں میں ہوتی ہے۔ یہاں کے انگور اور شہد کافی مشہور ہیں۔ آج کل اس کی آبادی ساڑھے پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں موجود مسجدِ عدا اسی مقام پر واقع ہے جہاں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے آرام فرمایا تھا۔ (آخری نبی کی پیاری سیرت، ص55)

2 سبل الہدی والرشاد، 2/438 ملتقطا

کر کے حضور کی غلامی اختیار کرتے انہوں نے بداخلاقی کا مظاہرہ کیا اور آپ کا مذاق اڑایا۔ ساتھ میں فرعونیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: اُخْرُجْ مِنْ بَلَدِنَا یعنی ہمارے شہر سے نکل جاؤ! آپ وہاں سے اٹھ آئے۔ ①

طائف والوں کا ظلم و تشدد

آپ کے وہاں سے چلے آنے کے بعد بھی ان سرداروں کو تسلی نہیں ہوئی، انہوں نے بدمعاش اور شریر لوگ آپ کے پیچھے لگا دیئے جو جلوس کی شکل میں اکٹھے ہو کر پھبتیاں کستے (مذاق اڑاتے)، نازیبا جملے کہتے اور اپنے بتوں کے نعرے لگاتے ہوئے آپ پر پتھر برسانے لگے۔ انہوں نے آپ کے نرم و نازک قدموں کو نشانہ بنایا، آپ چلتے ہوئے جو پاؤں مبارک رکھتے ٹھک سے اس پر پتھر آن لگتا، حضور اسے اٹھاتے اور دوسرا پاؤں مبارک رکھتے تو اس پر بھی پتھر آلگتا۔ ان ظالموں نے اتنے پتھر مارے کہ پاؤں مبارک زخمی ہو گئے، خون اتنا بہا کہ مبارک جوتے خون سے بھر گئے۔ آپ کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کو پتھروں سے بچانے کیلئے پتھر اپنے بدن پر لیتے جس سے وہ خود بھی لہولہان ہو گئے۔ جب آپ درد کی شدت سے نڈھال ہو کر بیٹھ جاتے تو یہ ظالم بڑی بے دردی سے آپ کو جھٹکا دے کر کھڑا کر دیتے اور چلنے پر مجبور کرتے۔ طائف کے ان بدنصیب شہریوں نے اس معزز و محترم مہمان کو اپنے ہاں سے ایسے افسوس ناک رویے سے رخصت کیا۔ آخر کار آپ نے زید بن حارثہ کے ساتھ قریب ہی موجود انگوروں کے ایک باغ میں پناہ لی۔ ②

---

① سبل الہدی والرشاد، 2/438 ملخصاً

② شرح الزرقانی علی المواہب، 2/50، 51 ملخصاً

عجیب التجا

اس پریشانی اور بے سروسامانی (مفلسی) کے عالم میں آپ کی نگاہِ التجا ربّ کائنات کی طرف متوجہ ہوتی ہے، جو ہر بے کس و بے بس کا سہارا ہے، عرض کرتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اِلَیْكَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِی وَھَوَانِی عَلَی النَّاسِ، یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِینَ، اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ، وَاَنْتَ رَبِّی، اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ، اِلٰی بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِی، اَمْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ؟ اِنْ لَمْ یَکُنْ بِكَ غَضَبٌ عَلَیَّ فَلَا اُبَالِی یعنی یا الٰہی! میں اپنی کم طاقتی اور لوگوں کی نظروں میں بے قدری کی تجھ سے فریاد کرتا ہوں! اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے! تو ہی کمزوروں کا رب ہے اور میرا بھی رب ہے، تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے؟ ایسے اجنبی کے حوالے کرتا ہے جو میرے سامنے ناک بھوں چڑھائے یا پھر تُو مجھے ایسے دشمن کے حوالے فرماتا ہے جسے تُو نے میرا ہر معاملہ سونپ دیا ہو؟ اگر تو مجھ سے راضی ہے تو مجھے کسی کی بھی پروا نہیں ہے۔[1]

رحمت کا دریا بہا رہا نبی

باوجود اتنے درد اور ستم سہنے کے ان لوگوں کے خلاف آپ کے لبوں سے ایک لفظ بھی نہیں نکلتا، حالانکہ حضرت جبریل امین علیہ السّلام خدمت میں کھڑے عرض کرتے ہیں: یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم! یہ مَلَکُ الْجِبال (پہاڑوں کے نگران فرشتے) آپ کے اشارے کے منتظر ہیں، رب نے انہیں آپ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اتنے میں ملک الجبال عرض کرتے ہیں: اگر اجازت ہو تو طائف کو دو پہاڑوں کے درمیان رکھ کر پیس دوں؟ مگر پیکرِ صبر و استقامت اور سراپا عفو و کرم نے جواباً ارشاد فرمایا: اَرْجُوْ اَنْ یُّخْرِجَ اللّٰہُ مِنْ اَصْلَابِھِمْ مَنْ

1 الوفاء باحوال المصطفٰی، 1/169

يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا یعنی مجھے امید ہے کہ ان کی پُشتوں سے اللہ پاک ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اکیلے اللہ کی عبادت کریں گے کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ (1) یہ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی کمال رحمت و شفقت ہے کہ جن کے لگائے ہوئے زخموں سے خون ابھی خشک نہیں ہوا انہیں عذاب سے بھی بچا رہے ہیں اور اپنی رحمت کی چادر بھی ان پر تان رہے ہیں۔ یہ آپ کے ناقابلِ یقین اخلاقِ عظیمہ کی ایک جھلک ہے کہ پتھر مارنے اور زخم دینے والوں کے خلاف کاروائی کرنے کی بجائے انکی آنے والی نسلوں کے ایمان کی امید رکھ رہے ہیں۔

دشمنوں کا رحم کھانا

جس باغ میں آپ نے پناہ لی تھی وہ مشہور کافر ربیعہ کا تھا۔ وہاں اس دن اس کے بیٹے عتبہ اور شیبہ موجود تھے اور وہ یہ درد بھرا سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ دشمن ہونے کے باوجود آپ کی حالت دیکھ کر انہیں بھی رحم آنے لگا، انہوں نے اپنے ایک غلام "عَداس" کے ہاتھ کچھ انگور توڑ کر بھجوائے۔ عداس وہ انگور لائے اور عرض کی: کھائیے! آپ نے بسم اللہ شریف پڑھی اور انگوروں کے دانے توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ عداس نے بسم اللہ سنی تو چونک کر کہنے لگا: یہ کلام تو یہاں کے لوگ نہیں پڑھتے جو آپ نے پڑھا ہے۔ آپ نے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ کہا: میں نصرانی ہوں اور نینویٰ (2) کا باشندہ

1 بخاری، 2/386، حدیث: 3231

2 نِینَوٰی (Nineveh) ایک بستی ہے جو مُوصَل (عراق) کے علاقہ میں دجلہ کے کنارے پر واقع تھی۔ حضرت یونس بن متّٰی علیہ السّلام کا تعلق اسی بستی سے تھا۔ (سیرتُ الانبیا، ص 491)

ہوں۔ حضور نے فرمایا: وہ نینوٰی جو یونس علیہ السّلام کا شہر ہے۔ وہ کہنے لگا: آپ حضرت یونس کو کیسے جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے میں بھی نبی ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔[1]

جنات کا قبولِ اسلام

سفر طائف میں جو سلوک نبی علیہ السّلام کے ساتھ ہوا، کسی اور کے ساتھ ہوتا تو وہ ہمت ہار بیٹھتا مگر مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم ان تکلیفوں اور مشکلوں کے باوجود پھر سے دعوتِ دین عام کرنے کی کوششوں میں لگ گئے، طائف سے مکہ واپسی کا سفر شروع کیا اور نخلہ[2] کے مقام پر کچھ راتیں قیام فرمایا۔ ایک رات صبح کی نماز میں آپ نے قرآنِ پاک کی تلاوت فرمائی، یقیناً شجر و حجر اس تلاوت کی لذت سے سرشار (لطف اندوز) ہو رہے ہوں گے، اسی اثنا میں جنوں کی ایک جماعت کا وہاں سے گزر ہوتا ہے، یہ میٹھی آواز ان کے کانوں میں رس گھولنے لگتی ہے تو وہ رک جاتے ہیں اور بغور تلاوت سننے لگتے ہیں، رب کا کلام اس کے محبوب کی زبان سے سنتے ہی ان کے دلوں کی دنیا بدل جاتی ہے۔ وہ پوری جماعت ایمان لے آتی ہے اور جب واپس جاتی ہے تو اپنی قوم کو بتاتی ہے: اے ہماری قوم! آج ہم نے ایک کتاب قرآن شریف سنی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد نازل کی گئی ہے اور اس کی

1. المغازی لموسی بن عقبہ، ص87-الوفاء باحوال المصطفی، 1/170
2. نخلہ ایک وادی ہے جسے آج کل نَخلَة الیَمَانِیّة کہا جاتا ہے۔ یہی وادی طائف کو مکہ شریف سے جدا کرتی ہے۔ بذریعہ روڈ مکہ شریف سے اس کا فاصلہ تقریباً 62 اور طائف سے تقریباً 64 کلو میٹر ہے۔ یہ وادی میقات قرن المنازل (Miqat Qarn Al Manazil) سے بذریعہ روڈ تقریباً 20 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ عینی شاہدین کے مطابق اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے مصلّی مبارک کے آثار موجود ہیں۔

www.dawateislami.net

Go To Index

شان یہ ہے کہ وہ پہلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہے، حق اور سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ پاک کے مُنادی حضرت محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی بات مانو اور ان پر ایمان لاؤ! اس کے نتیجے میں اللہ پاک تمہارے اسلام قبول کرنے سے پہلے کے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔ یہ سن کر جنات کی ایک کثیر تعداد مشرف با اسلام ہوئی۔ قرآنِ پاک میں سورۂ احقاف کی آیت نمبر 29 تا 32 میں اسی واقعے کو بیان فرمایا گیا ہے۔ جنات کے اسلام قبول کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو تسلی دینا مقصود تھا کہ اب وہ وقت قریب ہے جب انسان بھی ہدایت کی ان روشن کرنوں سے دل و دماغ کو منور کرے گا۔ یاد رہے کہ قرآنِ پاک کی کئی آیات سے یہ بات ثابت ہے کہ جنات بھی انسانوں کی طرح مکلف (شریعت کے پابند) ہیں۔[1]

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھنے کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: حضرت امیرِ حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام کا واقعہ بیان کریں۔

سوال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام کا واقعہ بیان کریں، نیز ان کے قبولِ اسلام سے اہلِ ایمان کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟

سوال: کفارِ قریش نے تبلیغِ اسلام روکنے کے لئے کیا سازشیں چلیں؟

سوال: بنو ہاشم کے بائیکاٹ کی وجہ کیا بنی، نیز یہ بائیکاٹ کتنا عرصہ رہا؟

سوال: طائف کے سرداروں نے پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟

---

1 تفسیرِ خازن، پ26، الاحقاف، تحت الآیۃ: 29، 4/131

www.dawateislami.net

Go To Index

تیرھواں باب

بیعتِ عقبہ اُولیٰ وثانیہ

Bay'at al 'Aqabah al-Oula and Thaniya

طائف سے واپسی اور حق کی دعوت

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم طائف سے شوال کے مہینے میں مکہ تشریف لائے، طائف والوں کے ہاتھوں پہنچائے گئے صدموں کو بھلا کر آپ نے مایوس ہوئے بغیر تبلیغِ دین کا سلسلہ وہیں سے شروع کر دیا جہاں چھوڑا تھا۔ حج کا موسم آتے ہی آپ مختلف قبیلوں کے پاس تشریف لے جاتے اور انہیں دین کی دعوت پیش کرتے۔ اسی طرح کہیں بھی کوئی میلہ لگتا یا لوگ جمع ہوتے آپ وہاں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو اللہ واحد و یکتا کی عبادت کی دعوت دیتے، قرآنِ پاک کی آیات پڑھ کر سناتے اور دین کی خوبیاں بیان فرماتے۔ چونکہ اہلِ عرب کی نس نس میں شرک و بت پرستی رچی بسی ہوئی تھی اس لیے وہ نہایت درشتی اور سخت لہجے میں آپ کے پیغام کو رد کر دیتے مگر آپ اپنے کام میں مصروف رہتے۔ عامر بن سَلَمہ جو بہت دیر بعد ایمان لائے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو مسلسل تین سال دیکھا کہ آپ عُکاظ[1] مجنہ[2] اور ذی المَجاز[3] کی منڈیوں میں تشریف

1 سوقِ عکاظ (Souk Okaz) طائف کے قریب واقع ایک پرانا بازار ہے۔ یہ اسلام سے پہلے ہی بڑا مشہور تھا، آج کل یہ ایک سیاحتی مقام ہے۔ یہ طائف ایئر پورٹ سے بائی روڈ تقریباً 14 اور مکہ شریف سے تقریباً 124 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ بازار ذوالقعدہ کے مہینے میں لگایا جاتا تھا۔ اہلِ عرب کیلئے یہ بازار سے بڑھ کر ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا جہاں ان کے قبائلی فیصلے ہوتے، قوانین بنائے جاتے، نئے معاہدے ہوتے، مرکزی اعلانات ہوتے، شعر و شاعری، خطابت اور کھیلوں کے مقابلے بھی ہوتے تھے۔ بعد میں خوارج نے یہ بازار تباہ کر دیا۔ (معجم البلدان، 3/342)

2 سوق مجنہ (مَ،جَ،نَّہ) زمانہ جاہلیت میں حج کے موقع پر لگایا جانے والا مشہور بازار ہے۔ ذُوالقعدہ کے ابتدائی بیس دن سوق عکاظ میں گزارنے کے بعد اہلِ عرب بقیہ دس دن سوق مجنہ میں گزارتے تھے۔ ذُوالحج کا چاند نظر آتے ہی وہ یہاں سے سوق ذی المجاز کی طرف چلے جاتے تھے۔ (معجم البلدان، 4/209)

3 سوق ذی المجاز (Souk Zel majaz) مکہ میں جبلِ کَبکَب کے دامن میں واقع تھا، یہ مکہ شریف سے 22، عرفات سے 13 اور حدودِ حرم سے 10 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ عکاظ اور مجنہ کے بازاروں کے بعد یہ بازار ذوالحج کے ابتدائی آٹھ دن لگتا تھا، اس کے بعد اہلِ عرب عرفات کو حج کیلئے چلے جاتے تھے شاید اسی لیے اس کا نام "ذی المجاز" پڑ گیا۔ یہ بازار بھی انہی سرگرمیوں کا مرکز تھا جو عکاظ و مجنہ میں ہوتی تھیں۔ (معجم البلدان، 4/207 بتغیر قلیل)

www.dawateislami.net

لاتے اور لوگوں کو حق کی دعوت دیتے تھے۔ لیکن کوئی وہاں آپ کی باتوں کو سنجیدہ لینے پر تیار نہ ہوتا، بلکہ لوگ سخت رویے اور دُرُشت لہجے سے پیش آتے پھر بھی آپ نہایت حلم اور بردباری کا مظاہرہ فرماتے اور عزم وہمت سے مسلسل اپنے کام میں مصروف رہتے۔ ①

قبائل کو پیش کش

قریش نہ تو خود ایمان لاتے تھے اور نہ اس کو پسند کرتے تھے کہ کوئی اور ایمان کی دولت سے جھولیاں بھر کر ابدی سعادتوں سے فیض یاب ہو۔ اسی لیے وہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو دعوتِ دین سے روکتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اگرچہ ہر سال موسمِ حج میں لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے لیکن قریش کے رعب اور دبدبے کی وجہ سے قبائلِ عرب دین قبول کرنے سے جھجکتے تھے۔ یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم یہ اعلان بھی فرماتے: اَلَا رَجُلٌ یَحْمِلُنِیْ اِلٰی قَوْمِہٖ فَاِنَّ قُرَیْشًا قَدْ مَنَعُوْنِیْ اَنْ اُبَلِّغَ کَلَامَ رَبِّیْ؟ یعنی ہے کوئی ایسا شخص جو مجھے اپنے ساتھ اپنے قبیلے لے جائے، کیونکہ قریش مجھ پر پابندی لگاتے ہیں کہ میں اپنے رب کا کلام اس کے بندوں تک پہنچاؤں۔ ② یہ اعلان آپ اس لیے فرماتے کہ عرب میں معمول تھا کہ اگر ان سے کوئی پناہ طلب کرتا تو وہ اسے ضرور پناہ دیتے تھے۔ اگر کوئی آپ کی اس بات کو قبول کرلیتا تو بظاہر اس کے دو فائدے ہوتے، ایک یہ کہ شاید یہی خدمت ان کی ہدایت کا سبب بن جائے یا پھر یہ ہو کہ دوسرے قبائل کیلئے ہدایت کا راستہ کھل جائے۔ لیکن کوئی بھی شخص اس عام سی پیشکش سے فائدہ اٹھا کر اپنا مقدر نہ چمکا سکا، شاید اس کی وجہ بھی اہلِ مکہ کی دشمنی رہی ہو۔

① سبل الہدی والرشاد، 2/453 ملخصاً

② ترمذی، 4/424، حدیث: 2934

www.dawateislami.net

”انصار“ اللہ اور رسول کے مُحِبّ

سالہا سال کی محنتوں اور کوششوں کے باوجود جب مکہ اور اس کے آس پاس کے قبائل حق قبول کرنے سے محروم رہے تو فضلِ الٰہی سے دور افتادہ (کافی فاصلے پر آباد) شہر کے کچھ لوگ نورِ حق کی طرف مائل ہو گئے۔ انہوں نے شوق سے حق کی دعوت کو سنا اور دل و جان سے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ یہ دو قبیلے بنی اوس و خزرج تھے جو بعد میں اَنْصَارُ اللّٰہِ وَ اَنْصَارُ رَسُوْلِہٖ کے عظیم الشان لقب سے مشہور ہوئے۔ انہوں نے بڑی دلیری سے دینِ حنیف کی تائید اور مدد کی، ان کی برکت سے صرف عرب ہی کے حالات نہیں بدلے بلکہ پوری انسانیت کو اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ مل گیا۔

موسمِ حج میں تبلیغی سرگرمیاں

یہ نبوت کے گیارہویں سال (621 عیسوی) کی بات ہے جب حج کے موسم میں عرب کے گوشے گوشے (کونے کونے) سے مختلف قافلے مکہ شریف پہنچ رہے تھے۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم حسبِ معمول قبائل کے پاس جا جا کر اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ مختلف قبیلوں کو دعوت دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم عقبہ[1] کے پاس پہنچے تو

1 عقبہ (عَ،قَ،بَہ) پہاڑی گزر گاہ کو کہتے ہیں، مکہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک ٹیلہ ہے جس کے پاس گزر گاہ کو عقبہ کہتے ہیں، اسی کے ساتھ جمرہ ہے جہاں رمی کی جاتی ہے۔ یہ خیمہ جبلِ ثبیر کی گھاٹی میں تھا، جبلِ ثبیر مکہ شریف میں آٹھ پہاڑوں کا مجموعہ ہے۔ آج کل خیمے کی جگہ پر مسجدِ عقبہ موجود ہے۔ یہ مسجد مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے دل کی جانب ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مسجد اتنے ہی رقبے پر تعمیر ہے جس پر مدینہ شریف کا قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ مستطیل شکل کی مسجد ہے جو پتھر اور گچ سے بنائی گئی ہے۔ یہ مسجد دو دالانوں کا مجموعہ ہے، دونوں پر ہی چھت پڑی ہوئی ہے۔ (معجم البلدان، 3/336 ملتقطاً- سبل الہدی والرشاد، 3/195 ملخصًا)

www.dawateislami.net

Go To Index

وہاں بنو خزرج کے ایک گروہ (چھ افراد) سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان سے پوچھا: مِمَّنْ اَنْتُمْ؟ یعنی تم لوگ کہاں سے ہو؟ جواب میں کہا: نَفَرٌ مِنَ الْخَزْرَجِ یعنی قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اَمِنْ مَوَالِی یَهُوْدَ؟ یعنی تم وہی ہو جن کی یہودیوں سے دوستی ہے؟ انہوں نے اثبات (ہاں) میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا: اَفَلَا تَجْلِسُوْنَ اُكَلِّمُكُمْ؟ کیا ہم بیٹھ کر کچھ باتیں کرلیں؟ وہ بخوشی آپ کی باتیں سننے کیلئے تیار ہوگئے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے انہیں اسلام کے چند مرکزی احکام بتائے اور قرآنِ پاک کی چند آیات سنائیں اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ [1]

انصار کا اسلام قبول کرنا

انصار گو بت پرست تھے، مگر یہودیوں کے ساتھ میل جول سے اتنا جانتے تھے کہ نبیِّ آخر الزمان تشریف لانے والے ہیں، دراصل جب بھی یہودیوں اور انصار کے درمیان کچھ ناراضی ہوتی تو یہودی انہیں دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ظہور (تشریف آوری) کے وقت ہم ان کے ساتھ مل کر تم سمیت سارے بت پرستوں کو نیست و نابود (ختم) کرڈالیں گے۔ یوں انصار پہلے سے ہی ایسے نبی سے متعارف (واقف) تھے جن کی آمد متوقع تھی۔ مصطفٰے جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے جب انہیں دین کی دعوت دی تو وہ آپس میں کہنے لگے: یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی آمد کی دھمکیاں ہمیں یہودی دیتے رہتے ہیں۔ جلدی سے ان پر ایمان لے آؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی ان پر ایمان لانے میں ہم سے پہل کر جائیں۔ چنانچہ ان سب نے دل و جان سے آپ کی دعوت قبول کرلی اور

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی، 2/434،433

www.dawateislami.net

سارے کے سارے مشرف باسلام ہو گئے۔ ان چھ خوش نصیبوں کے نام یہ ہیں: (1) حضرت عُقبہ بن عامر (2) حضرت اَسعد بن زُرارہ (3) حضرت عَوف بن مالک (4) حضرت رافع بن مالک (5) حضرت قُطبہ بن عامر (6) حضرت جابر بن عبد اللہ رضوانُ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین

مدینہ پاک میں نورِ اسلام

انہوں نے اپنی قوم کو دین کی دعوت دینے اور آئندہ سال شرفِ نیاز (ملاقات کا شرف حاصل کرنے کا وعدہ کیا اور دل و دماغ کو نورِ اسلام سے منور کر کے اپنے وطن پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی غلامی کو سر کا تاج بنانے کی پوری داستان اپنی قوم کو بتائی اور انہیں بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان کی تبلیغ سے مدینہ شریف کے کئی لوگ اسلام لے آئے۔ [1]

معراجِ مصطفٰی کا معجزہ

مشہور قول کے مطابق اسی سال یعنی اعلانِ نبوت کا گیارہواں سال اور (621 عیسوی) تھا، رجب شریف کی 27 تاریخ تھی، پیر کی سہانی رات تھی [2] جب تمام نبیوں کے سردار، اللہ کے محبوب، جنابِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو حالتِ بیداری میں جسمانی معراج ہوئی۔ اس سفر کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ رات کے تھوڑے سے حصے میں جسمِ اقدس کے ساتھ پہلے بیت المقدس تشریف لے گئے جہاں تمام انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام سے ملاقات فرمائی، نماز میں انبیا علیہم السّلام کی امامت کروائی، پھر وہاں سے آسمانوں، جنت و دوزخ، عرش و

1 دلائل النبوۃ لابی نعیم، ص178
2 مرآۃ المناجیح، 8/135

www.dawateislami.net

Go To Index

کرسی وغیرہ کی سیر کرتے ہوئے لامکاں تشریف لے گئے، جہاں سر کی آنکھوں سے ربِّ کریم کا دیدار فرما کر واپس تشریف لائے۔ یہی وہ سفر ہے جس میں ربِّ کریم نے آپ کو پانچ نمازوں کی فرضیت کا تحفہ عطا فرمایا۔

معراج کی حکمتیں

اس سفرِ مقدس کے اسرار و رموز (حکمتیں) تو بے شمار ہیں، سرِ دست چند پیش ہیں:

(1) رات کے تھوڑے سے حصے میں اتنے طویل سفر اور پیش آنے والے عظیم الشان واقعات کی طرف نظر جائے تو حیرت سے آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں کہ یہ سب کیسے ہوا؟ لیکن نظر اس طرف جائے کہ یہ سیر کروانے والی ذات قادر وقدیر ہے تو شکوک و شبہات کے سارے جالے ختم ہو جاتے ہیں اور ایمان و ایقان کی ٹھنڈک سے دل کو تسکین (راحت) ملتی ہے۔ (2) معجزۂ معراج ان عظیم واقعات سے ہے جو اللہ پاک نے مشکل حالات کے بعد آپ کو عزت و تکریم سے نوازنے کیلئے عطا فرمائے۔ اب تک قریش کی طرف سے آپ کو کئی طرح کی تکلیفیں دی گئیں، بالخصوص سفرِ طائف کے موقع پر پیش آنے والی مصیبتیں اور الم بالکل تازہ تھے، ان کے بعد اسراء و معراج شریف جیسی عظیم الشان ضیافت (مہمان نوازی) کا اہتمام ہوا، جو اللہ پاک کی طرف سے آپ کی عزت و تکریم اور آپ کی ثابت قدمی پر انعام تھا۔ (3) معراجِ مصطفیٰ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ پر جو مصیبتیں اور پریشانیاں آئیں وہ ہرگز اس وجہ سے نہیں تھیں کہ معاذ اللہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا تھا یا آپ کا رب آپ سے ناراض ہو گیا تھا، بلکہ ان بڑی بڑی تکلیفوں کے بعد واقعۂ معراج[1] اس بات کا

[1] معجزۂ معراج کے بارے میں مزید معلومات کیلئے مکتبۃ المدینہ کی کتاب "فیضانِ معراج" ملاحظہ فرمائیں۔

www.dawateislami.net

ثبوت تھا کہ اللہ پاک سے محبت کرنے والوں اور رب کی محبت پانے والوں کے ساتھ یہی سنتِ الٰہی ہے کہ انہیں ہر دور میں آزمائشوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔(4)اس سفر میں حضرت جبرائیل علیہ السّلام نے آپ کی بارگاہ میں جب ایک پیالہ شراب اور ایک پیالہ دودھ کا پیش کیا تو آپ نے دودھ پسند فرمایا، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کا لایا ہوا دین ہی دینِ فطرت ہے۔ یعنی یہ ایسا مذہب ہے جو اپنے اندر ہر وہ چیز رکھتا ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ اسلام میں ایسی کوئی چیز نہیں جو انسان کی حقیقی فطرت کے خلاف یا متصادم (اس سے ٹکراتا) ہو۔ کم وقت میں اس دین کے پھیل جانے اور لوگوں کے اسے دیوانہ وار قبول کرنے اور پھر اس پر تن، من اور دھن وار دینے کی بھی یہی وجہ ہے۔ اللہ پاک ہمیں بھی دین کی راہ پر استقامت نصیب فرمائے۔[1] آمین

بیعت عقبہ اولیٰ

اعلانِ نبوت کے بارہویں سال (622 عیسوی) حج کے موسم میں مدینہ شریف کے چھ افراد کے قبولِ اسلام کو پورا سال بیت گیا۔ وعدے کے مطابق حج کے موسم میں پھر سے انصار رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس دفعہ ان کی تعداد بارہ تھی۔ حضرت جابر بن عبداللہ کو چھوڑ کر پانچ وہی تھے جو پچھلے سال ایمان لائے تھے، بقیہ سات افراد پہلی دفعہ بارگاہِ رسالت میں حاضری کے شرف سے مشرف ہو رہے تھے۔ اس دفعہ دو افراد ایسے بھی تھے جن کا تعلق قبیلہ اَوس سے تھا۔ ان سب نے آپ کے دستِ بابرکت (مبارک ہاتھ) پر ان باتوں پر بیعت کی: شرک، چوری، بدکاری اور اپنی اولاد کو زندہ

[1] فقہ السیرۃ، ص110 تا 113 ملخصاً

در گور (دفنانے) کرنے سے بچیں گے اور کسی بھی نیک کام میں اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ آپ نے ان سے فرمایا: فَاِنْ وَفَّیْتُمْ فَلَکُمُ الْجَنَّۃُ وَاِنْ غَشِیْتُمْ مِنْ ذٰلِكَ شَیْئًا، فَاَمْرُکُمْ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَاءَ عَذَّبَکُمْ، وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَکُمْ یعنی اگر تم نے یہ عہد وپیمان پورا کیا تو تمہارے لیے جنت ہے اور اگر تم نے ان ممنوعہ کاموں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو پھر تمہارا معاملہ رب کے سپرد (حوالے) ہے، وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف فرمادے۔[1] بارہ افراد کی اس بیعت کو ”بیعتِ عقبہ اولیٰ“ کہا جاتا ہے۔

مدینے کے اولین مبلغ

یہ حضرات نو مسلم تھے اور دینی تعلیمات سے ٹھیک طرح واقف نہ تھے، نیز پچھلے سال اسلام قبول کرکے جو لوگ واپس مدینہ گئے اور وہاں اسلام کی تبلیغ شروع کی تو انہیں ایک ایسے مبلغ کی ضرورت محسوس ہوئی جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خدمت میں زیادہ حاضری کا شرف ملا ہو، نازل شدہ قرآنِ پاک سے واقف ہو، اسلامی تعلیمات سے ٹھیک طرح آگاہ ہو، اس لیے انہوں نے عرض کی کہ تعلیم و تربیت اور تبلیغِ دین کیلئے ایک مبلغ ان کے ساتھ بھیجا جائے۔[2] نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا۔ حضرت مصعب کو مدینہ والے ”مُقْرِی“ یعنی معلم و استاذ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔[3] اوس و خزرج کے مابین اس وقت تک دشمنی اور عداوت کی آگ آخری سانس لے رہی تھی لیکن حضرت مصعب کے پیچھے سب کے سب نماز پڑھ لیتے تھے اور ان پر

---

1 مسند احمد، 37/415، حدیث: 22754

2 السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، 2/180

3 السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، 2/181

کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے حضرت مصعب کی طرف لکھا کہ وہ مدینہ میں نمازِ جمعہ قائم کریں تو یہ سعادت بھی انہوں نے حاصل کی۔[1]

انصار اشاعتِ اسلام کا سبب کیوں؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے، بچپن سے اب تک اپنی پوری حیات قریش کے ساتھ گزاری، گیارہ بارہ سال کی دن رات کوششوں کے بعد جب پیغامِ حق عام ہونے کے امکانات ظاہر ہوئے تو اس قوم سے جو مکہ سے سینکڑوں میل دور رہتی تھی، حالانکہ انصار کے بجائے قریش ہی اس خدمت کیلئے سامنے آتے کہ بارہ تیرہ سال تک انہیں ہی دین کی دعوت دی جاتی رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پہلے مددگار اور معاون ان کی اپنی قوم سے نہ ہوں، یہی بات قرینِ قیاس (عقل کے قریب) ہے۔ تاکہ کوئی بھی یہ نہ سوچے کہ آپ کی دعوت صرف ایک قوم یا ایک علاقے تک تھی، اسی وجہ سے وہی قوم آپ پر ایمان لائی اور اسی کے دوش اور سہارے سے دوسری قومیں ایمان کی راہ پر گامزن ہوئیں۔

ایک اور حکمت

ایک حکمت یہ بھی نظر آتی ہے کہ مدینہ شریف میں اسلام کی ابتداء اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کی عظیم الشان قبولیت کی وجہ سے یہ لگتا ہے کہ اللہ پاک نے مدینہ شریف کے ماحول اور وہاں کے رہنے والوں کو اسلام قبول کرنے کیلئے پہلے سے ہی تیار فرما دیا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ شریف میں دو طرح کے لوگ رہتے تھے: ایک عرب (اوس و خزرج)

---

1 السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، 2/181

www.dawateislami.net

جو مشرک تھے، دوسرے یہودی (بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع) جو مختلف علاقوں سے ہجرت کر کے وہاں آئے تھے۔ یہودیوں نے کوششیں کر کے اوس و خزرج کے قبائل میں جنگ و جدل کو ہوا دی (بڑھایا)، یوں دونوں کے مابین (درمیان) طویل اور خون ریز جنگیں ہوئیں۔ اسی وجہ سے دونوں قبیلوں نے یہودیوں کے مختلف قبیلوں سے اتحاد بھی قائم کئے، لیکن اسی اثنا میں (اسی دوران) کبھی کبھی عربوں اور یہودیوں میں باقاعدہ ٹھن جاتی تھی۔ ایسے موقع پر یہودی عربوں کو دھمکی دیتے کہ آخری نبی کی بعثت (تشریف آوری) کا زمانہ قریب ہے، ہم ایمان لاکر ان کے ساتھ مل کر تمہیں ایسے قتل کر دیں گے جیسے قومِ عاد اور قومِ ارم کو قتل کیا گیا۔ اس سے اہلِ مدینہ کے عربوں کے لاشعور میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ایک نبی تشریف لانے والے ہیں، یوں اہل مدینہ دینِ اسلام سے متعارف ہوئے۔ اسی وجہ سے انہوں نے کچھ امیدیں بھی لگائی ہوں کہ اس دین کی برکت سے ان کی صفوں میں اتحاد کی فضا پیدا ہو جائے۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ مدینہ شریف کے عرب حج کیلئے مکہ آتے تھے جبکہ یہودی اس سے محروم تھے۔ یوں اہلِ مدینہ کے عربوں کی قسمت کا ستارہ چمکا اور انہوں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے دامنِ رحمت کو تھام کر پوری دنیا کیلئے مدینہ شریف کو مرکز اور مرجع بنا دیا۔

بیعت کی وجہ

یہاں ایک بات یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بیعتِ عقبہ اولیٰ میں اہلِ مدینہ سے توحید و رسالت کے ساتھ ساتھ چند باتوں پر بیعت لی۔ حالانکہ محض توحید و رسالت کی تصدیق اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جاننا ہی اسلام کی حدود میں داخل کر دیتا ہے۔ اگر ہم ان باتوں کی گہرائی پر غور کریں تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ آپ نے ان سے روز مرہ کے معاملات کو اسلام کے نظامِ اخلاق کے مطابق ڈھالنے کی بیعت

لی تھی۔ بیعت یہ تھی کہ وہ اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری اور بدکاری نہیں کریں گے، وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے پر جھوٹے بہتان نہیں باندھیں گے اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے احکام کی تعمیل کریں گے اور آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ ان تمام باتوں پر غور کریں تو یہی سامنے آتا ہے کہ یہی اسلامی معاشرے کے بنیادی اصول اور مرکزی خدو خال ہیں۔ یہی وہ تعلیمات ہیں جن کی ترویج و اشاعت کیلئے آپ تشریف لائے تھے، اسی لیے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ انہیں توحید و رسالت کی تلقین کی جائے اور پھر انہیں اپنے خود ساختہ مفاسد (برائیوں) پر قائم رہنے کیلئے چھوڑ دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ان سے اسلامی معاشرے کی بنیاد بننے والے امور پر بیعت لی۔ اس میں ہمارے لیے درس ہے کہ ہم بھی ہمیشہ اسلامی معاشرے اور اسلامی تہذیب کو ظاہر کرنے والے امور پر کمربستہ (قائم) رہیں اور اپنی شان اور استطاعت کے مطابق ان امور کے فروغ کی طرف توجہ دیں جو اسلام کی ترویج و اشاعت کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ پاک اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

حضرت مصعب بن عمیر کی کوششیں

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اولین ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ یہ مصطفٰے جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے قریبی ساتھی اور قرآنِ پاک کے ماہر صحابی تھے، یہ مدینہ شریف پہنچے اور حضرت اَسعد بن زُرَارہ رضی اللہُ عنہ کے مکان پر قیام کیا، وہاں پہنچتے ہی انہوں نے بھرپور طریقے سے دین کی دعوت دینا شروع کر دی۔ مدینے کے نامور اور بڑے بڑے سردار ان کی دل نشین اور دل پذیر گفتگو کے سامنے دل ہار بیٹھے اور دامنِ اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ ان کی پُراثر دین کی دعوت نے اہلِ مدینہ کے دلوں کو چھو لیا اور تھوڑے ہی

www.dawateislami.net

عرصے میں شہرِ مدینہ میں کوئی محلہ، کوئی گلی یا کوئی قابلِ ذکر علاقہ ایسا نہ رہا جہاں کسی نہ کسی فرد نے معرفتِ الٰہی کا جام نہ پی لیا ہو۔ یہ حضرت مصعب بن عمیر کی ان تھک محنت کا نتیجہ تھا کہ ایک سال کے اندر اندر سینکڑوں افراد کے دل معرفتِ الٰہی اور حُبِّ رسول کے نور سے جگمگا اٹھے۔ بڑے بڑے رئیسوں سمیت مدینہ شریف کے تقریباً ہر گھر میں مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا ذکرِ خیر وہاں کی پُر نور فضاؤں کو مہکانے لگا۔ (1)

انصار کی پیش کش

جب مدینے میں اسلام کے نام لیواؤں کی تعداد کافی حد تک بڑھ گئی تو انصار نے سوچا کہ اس دفعہ ہم حج کے موقع پر ایک زبردست وفد لے کر جائیں اور اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے عرض کریں کہ وہ ہمارے درمیان تشریف لے آئیں۔ چنانچہ حج کا موسم قریب آیا تو حضرت مصعب بن عمیر کی قیادت میں حاجیوں کا ایک قافلہ مکہ پاک کیلئے روانہ ہوا۔ اس میں ستر انصاری ایسے تھے جو مسلمان ہو چکے تھے، ان کے ساتھ مدینہ کے کئی مشرک بھی تھے۔ مکہ پہنچ کر حضرت مصعب نے مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو مدینہ پاک میں دعوتِ حق کی اشاعت میں ہونے والی کامیابیوں کی خوش خبری سنائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم یہ سن کر بڑے خوش ہوئے۔ (2) بعثت کے بعد سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو جن مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا اب ان میں تبدیلی رونما ہوتی نظر آرہی تھی۔ مشکلات پر صبر، اپنوں کی شرارتوں اور غیروں کی عداوتوں پر تحمل کی پالیسی

---

1 معجم کبیر، 20/362، حدیث: 849 ملخصاً

2 طبقات ابن سعد، 3/88

www.dawateislami.net

رنگ لا رہی تھی، دعوتِ حق کا وہ بیج جو تیرہ سال پہلے بویا تھا اب اس کے تناور درخت بننے کا وقت تھا اور اس کے ثمرات ظاہر ہو رہے تھے۔ شاید گزشتہ تیرہ برس میں اس طرح کی خوشی کا پہلا دن تھا۔ طے یہی پایا کہ مقامِ عقبہ پر ہی ایامِ تشریق [1] کی ایک شب کو پھر ملاقات ہو گی۔ تنہائی میں بیٹھ کر مکمل غور و فکر اور عہد و پیمان کے ساتھ فیصلے کیے جائیں گے۔ حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ یہ ملاقاتیں اور باتیں مکہ کے کافروں سے بھی پوشیدہ رہیں اور قافلے کے ساتھ آنے والے مدینے کے کافروں سے بھی یہ امور چھپے رہیں، اس کا خاص اہتمام کیا گیا۔

بیعت کی شرائط

بالآخر وہ دن آ گیا، اس تاریخی میٹنگ کی روداد وہاں موجود ایک صحابی حضرت کعب بن مالک رضی اللہُ عنہ سے سنتے ہیں؛ ان کا بیان ہے: ہم حج سے فارغ ہو گئے اور جس رات کو مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے ملاقات کا وعدہ تھا وہ رات آئی تو ہم حسبِ دستور اپنی قوم کے ساتھ اپنے خیموں میں سو گئے، جب رات کا ایک تہائی ($^1/_3$) حصہ گزر گیا اور ہر طرف خاموشی اور سناٹے نے ڈیرے ڈال دیئے تو ہم اپنے بستروں سے چپکے چپکے نکلنے لگے اور طے شدہ گھاٹی میں جمع ہونے لگے، یہاں تک کہ سب وہاں جمع ہو گئے، ہماری کل تعداد 72 تھی، 70 مرد اور 2 عورتیں تھے، گھاٹی میں ہم مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا انتظار کرنے لگے، یہاں تک کہ وہ ساعت آ گئی اور آقا کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تشریف لے آئے، ان کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہُ عنہ بھی تھے، جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے مگر چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملات میں شریک رہیں۔ دورانِ گفتگو انصار

[1] 9 ذوالحجہ کی فجر سے لے کر 13 ذُوالحجہ کی عصر تک کے دن ایامِ تشریق کہلاتے ہیں۔(درمختار، 3/71تا75 ملتقطا)

www.dawateislami.net

نے عرض کی: يَا رَسُولَ اللهِ، عَلَامَ نُبَايِعُكَ؟ یعنی یارسولَ اللہ! ہم کس چیز پر آپ کی بیعت کریں؟ ارشاد فرمایا: تُبَايِعُونِيْ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي النَّشَاطِ وَالْكَسَلِ، وَالنَّفَقَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ، وَعَلَى الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَاَنْ تَقُولُوْا فِي اللهِ، لَا تَخَافُوْنَ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَعَلَى اَنْ تَنْصُرُوْنِيْ، فَتَمْنَعُوْنِيْ اِذَا قَدِمْتُ عَلَيْكُمْ مِمَّا تَمْنَعُوْنَ مِنْهُ اَنْفُسَكُمْ، وَاَزْوَاجَكُمْ، وَاَبْنَاءَكُمْ، وَلَكُمُ الْجَنَّةُ یعنی تم ان باتوں پر میری بیعت کرو کہ (1) مستعدی اور بے ہمتی کی سب حالتوں میں تم بات سنو گے اور فرماں برداری کرو گے۔ (2) تنگی اور خوشحالی دونوں حالتوں میں مال خرچ کرو گے۔ (3) نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے۔ (4) تم رب کریم کیلئے گفتگو کرو گے اور راہِ خدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرو گے۔ (5) تم میری مدد و معاونت کرو گے اور جب میں تمہارے پاس آؤں تو تم ہر اس چیز سے میرا دفاع کرو گے جس سے تم اپنا اور اپنے گھر والوں (آل اولاد) کا دفاع کرتے ہو۔ (6) اگر تم بیعت پوری کرو گے تو تمہارے لیے جنت ہے۔[1] حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں: ہم سب بیعت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابو الہیثم رضی اللہُ عنہ نے اس دوران عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! ہم لوگوں کے یہودیوں سے پرانے تعلقات ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ہمارے مسلمان ہو جانے کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب اللہ پاک آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو آپ اپنے وطن مکہ چلے آئیں اور ہم لوگوں کو تنہا چھوڑ دیں؟ (یعنی فراق اور جدائی کا یہ غم ہم سے برداشت نہیں ہو پائے گا۔) یہ سن کر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا: بَلِ الدَّمَ الدَّمَ،

[1] مسند احمد، 23/22، 23، حدیث: 14653

وَالْهَدْمَ الْهَدْمَ اَنَا مِنْكُمْ، وَاَنْتُمْ مِنِّي اُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُمْ، وَاُسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ یعنی میرا تمہارا خون کا مطالبہ ایک ہے، میری تمہاری خون کی معافی ایک ہے، میں تمہارا تم میرے، جس سے تمہاری لڑائی اس سے میری لڑائی، جس سے تمہاری صلح اس سے میری صلح۔ ①

سب حضور علیہ الصّلوۃُ والسّلام کی بیعت کرنے لگے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اس حسین اور دل کش واقعہ کی منظر کشی یوں فرماتے ہیں: فَقُمْنَا اِلَيْهِ رَجُلًا رَجُلًا يَاْخُذُ عَلَيْنَا بِشُرْطَةِ الْعَبَّاسِ، وَيُعْطِيْنَا عَلٰى ذٰلِكَ الْجَنَّةَ یعنی ہم ایک ایک کر کے حضور کے پاس جارہے تھے، آپ حضرت عباس والی اُنھی شرائط کے مطابق ہم سے بیعت لیتے جارہے تھے اور اس کے بدلے ہمیں جنت عطا فرماتے جارہے تھے۔ ②

بیعت کے بدلے جنت:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اس وقت نو مسلم تھے، دو سال پہلے ایمان لائے تھے اور فوراً مدینے چلے گئے تھے، مدینہ کے رہائشی اور انصاری صحابی تھے، جو کچھ سیکھا ہو گا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے سیکھا ہو گا۔ مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے کمالات و خصائل کے مشاہدے کا انہیں بہت ہی مختصر موقع ملا ہو گا، لیکن اپنے ان چند جملوں میں پوری امت کو عقیدہ بھی بتا رہے ہیں اور عقیدت بھی سکھا رہے ہیں۔ وہ یہ کہ اس بیعت کی شرائط کے بدلے دو جہاں کے والی، کائنات کے آقا، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم صحابہ میں جنت تقسیم فرما رہے تھے۔ یقیناً یہ آقا کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تزکیہ فرمانے

---

1 مسند احمد، 25/89 تا 93، حدیث: 15798 ملتقطاً
2 مسند احمد، 23/22، 23، حدیث: 14653

(جسم وروح کو پاک کرنے) والی نگاہِ باکمال کا کرشمہ ہے کہ بغیر پڑھائے سینوں کو علم و عرفان سے بھر دیا تھا، جبھی حضرت جابر یہ عقیدہ دے رہے ہیں کہ ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بیعت لے رہے تھے اور جنت تقسیم کر رہے تھے“

انصار میں بارہ نقیب

بیعت کا عمل مکمل ہو جانے کے بعد مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے انصار میں بارہ نقیب (سردار) مقرر فرمائے، نو خزرج اور تین اوس کے قبیلے سے۔ [1] اس کے بعد یہ تمام حضرات اپنے بستروں میں واپس چلے گئے۔ یہ وہ بیعت ہے جسے اسلامی تاریخ میں ”بیعتِ عقبہ ثانیہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہی وہ بیعت ہے کہ جو اسلام اور اہلِ اسلام کے عروج اور غلبے کا باعث بنی۔ یہی وہ بیعت ہے جو شمعِ رسالت، ماہِ نبوت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اور ان کے پروانوں کے مدینہ شریف ہجرت فرمانے کا سبب بنی۔ یہی وہ بیعت ہے جس کی برکت سے ایک ایسی صبح طلوع ہوئی جس نے کائنات کے ذرے ذرے کو چمکا دیا۔ یہی وہ بیعت ہے جس نے نہ صرف انصار کے ان خوش نصیبوں کے مقدر کو چمکایا بلکہ پوری انسانیت کو بھی بیدار کیا۔ لاکھوں رحمتیں اور سلام ہوں انصار کے ان خوش بختوں پر جنہوں نے اپنے وعدے وفا کرنے میں سب کچھ قربان کر دیا اور پرچمِ اسلام کے اولین محافظ اور علم بردار بنے۔

کافروں کی شرارتیں

صبح ہوئی تو ساری احتیاطی تدبیریں اختیار کرنے کے باوجود مکہ کے کافروں تک اس مقدس اجتماع کی بھنک پڑ گئی، وہ آگ بگولا ہو گئے اور اس بات کی تحقیقات کرنے لگے۔

---

1 مسند احمد، 25/89 تا 93، حدیث: 15798 ملتقطاً

www.dawateislami.net

Go To Index

اتفاق کہ ان کی ملاقات مدینہ کے ان لوگوں سے ہوئی جو ابھی تک مشرک تھے اور اس ساری منصوبہ بندی سے ناواقف بھی، وہ قسمیں کھا کھا کافروں کو یقین دلانے لگے کہ ایسا کچھ نہیں ہے، کافروں کو تھوڑا بہت اطمینان ہو گیا لیکن ان کی تحقیقات جاری رہیں، آخر کار ایسے شواہد مل گئے کہ انہیں یقین ہو گیا کہ واقعی اہلِ مدینہ نے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی بیعت کی ہے۔ انہوں نے بیعت کرنے والوں کی گرفتاری کے لئے تعاقب (پیچھا) کیا مگر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کو نہیں پکڑ سکے۔ یہ حضرت سعد کو اپنے ساتھ مکہ لائے اور ان کو قید کر دیا مگر جب جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب کو پتہ چلا تو ان دونوں نے قریش کو سمجھایا کہ خدا کے لئے سعد کو فوراً چھوڑ دو ورنہ تمہاری ملکِ شام کی تجارت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ یہ سن کر قریش نے حضرت سعد بن عبادہ کو قید سے رہا کر دیا اور وہ بھی مدینہ شریف پہنچ گئے۔ (1)

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھنے کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: عکاظ، مجنہ اور ذی المجاز کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

سوال: معراجِ مصطفیٰ اور اس کی کچھ حکمتیں بیان فرمائیں؟

سوال: انصار اشاعتِ اسلام کا سبب کیوں بنے؟

سوال: انصار سے دوسری بیعت کن باتوں پر لی گئی؟ بدلے میں انہیں کیا ملا؟

سوال: انصار کے بارہ نقیبوں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ ان کا تقرر کیوں ہوا؟

1 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص179

www.dawateislami.net

چودھواں باب

ہجرتِ مدینہ

Migration to Madinah

ہجرت مدینہ کی وجوہات

"اسلام" صرف اہلِ مکہ یا جزیرۂ عرب کے باسیوں (رہنے والوں) کی تقدیر بدلنے نہیں آیا تھا، بلکہ ساری انسانیت کو تمام گمراہیوں سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر چلانا اس کا مقصد ہے۔ اہلِ مکہ کی خوش قسمتی کہ رب کے اس پسندیدہ دین کے سب سے پہلے مخاطب وہی بنے۔ وہ چونکہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے خونی رشتہ دار تھے اور ہم وطن بھی، نیز آپ کی مقدس و پاک دامن زندگی کے ایک ایک دن کے گواہ بھی تھے اور اس کے معترف بھی، تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ وہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی قدر کرتے اور ان کیلئے دیدہ (آنکھ) و دل فرش راہ کرتے (بچھا دیتے)۔ ان کی دعوت کو حق مان کر اس کے سب سے پہلے داعی اور مبلغ بنتے اور دنیا کے تاجدار بن جاتے۔ مگر ان کی بھاری تعداد نے اس نعمتِ کبریٰ کی قدر نہ کی۔ انہوں نے اس دعوت کو ٹھکرایا بھی اور اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی دعوت میں روڑے اٹکانا بھی شروع کر دیے۔ مکہ کے وہ چند خوش بخت افراد جنہوں نے اس دعوتِ عظمیٰ کو قبول کیا اہلِ مکہ ان کے بھی دشمن ہو گئے اور ان پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑ ڈالے۔ ان کے ترکش میں ظلم و ستم کے جتنے بھی تیر تھے انہوں نے وہ سب اللہ کے ان بندوں پر دل کھول کر آزمائے۔ خود مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنی خاندانی وجاہت و وقار کے باوجود ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ اسی وجہ سے آپ نے پہلے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی تھی۔

اب جبکہ اللہ پاک نے مدینہ شریف کے باسیوں میں اسلام اور اس کے ماننے والوں کی محبت ڈال دی اور ان خوش بختوں نے تھوڑے ہی وقت میں اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر ایمان لا کر کفر و شرک کی گمراہیوں سے بھی چھٹکارا پایا اور جہنم کی آگ سے بھی

www.dawateislami.net

رہائی کا سامان کیا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی غلامی کے صدقے انہیں عزت و عظمت کا وہ تاج ملا جو بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہ ہوا۔ اسی غلامی نے انہیں وہ رفعت وبلندی عطا کی کہ جو ان کا غلام ہوا وہ کائنات کا امام بن گیا۔ قرآنِ کریم نے ان کی کامیابی وکامرانی کا اعلان فرمایا۔ آفتابِ نبوت و مہرِ رسالت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے انہیں ستاروں کی مثل قرار دیا اور ان کی پیروی کرنے والوں کو ہدایت وکامرانی کی ضمانت عطا فرمائی۔

بالخصوص "عقبۂ ثانیہ" میں ستر سے زائد افراد کی بیعت اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی حفاظت کیلئے جان کی بازی لگانے کے عہد (وعدے) سے مکہ میں ظلم و ستم کا نشانہ بنتے مسلمانوں کو گویا ایک ٹھکانہ مل گیا۔ اہلِ مکہ کو جیسے ہی بیعت کی اس خبر کا یقین ہوا تو گویا ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ غصے میں باؤلے ہو کر انہوں نے مکہ کے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی مہم مزید سخت کر دی۔ ایسے ماحول میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے رب کریم کے اذن (حکم) سے صحابۂ کرام علیہمُ الرِضوان کو مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی اجازت عطا فرما دی۔ (1)

صحابۂ کرام کی ہجرت

صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے حکم سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ یہ درحقیقت اہل و عیال، گھر بار، مال و متاع سب سے ہاتھ دھونا، محض جان بچا کر اجنبی شہر کی طرف جانا، پھر طویل سفر، دشمنوں کا خوف، ایسے میں جان بھی جا سکتی ہے، لیکن جو بازارِ نبی میں بک گئے ہوں وہ ایسی چیزوں کی پرواکیسے کریں؟ چنانچہ جسے موقع ملتا وہ مدینے

(1) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص186 ملخصاً

www.dawateislami.net

کی طرف ہجرت کر جاتا۔ جو چپکے سے مدینے شریف کی طرف نکل جاتے وہ تو عافیت میں رہتے لیکن جن کی روانگی کی بھنک بھی کافروں کو پڑ جاتی انہیں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

سب سے پہلے مہاجر

سب سے پہلے ہجرتِ مدینہ کی سعادت پانے والے صحابی حضرت ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد مخزومی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ پہلے حبشہ بھی گئے تھے، کئی سال بعد جب واپس آئے تو کفار نے انہیں پھر تشدد و اذیت کا نشانہ بنایا۔ جب انہیں پتہ چلا کہ مکہ سے چند سو میل کے فاصلے پر موجود بستی میں مسلمانوں کی کافی تعداد آباد ہے تو انہوں نے مزید ظلم سے بچنے کے لیے وہاں ہجرت کی۔ اولاً ان کی اہلیہ اور ان کے صاحبزادے حضرت سلمہ بھی ساتھ تھے، مگر کافروں نے اطلاع پر ان کی اہلیہ اور ان کے لختِ جگر کو روک لیا۔ مگر حضرت ابو سلمہ نے اپنی منزل سے رخ نہیں پھیرا اور منزل پر پہنچ کر ہی دم لیا۔ ان کی یہ ہجرت "بیعت عقبۂ ثانیہ" سے پہلے ہوئی۔[1] انصاری صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہجرت کی داستان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اَوَّلُ مَنْ قَدِمَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَابْنُ اُمِّ مَكْتُومٍ، وَكَانَا يُقْرِئَانِ النَّاسَ، فَقَدِمَ بِلَالٌ وَسَعْدٌ وَعَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ، ثُمَّ قَدِمَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي عِشْرِينَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی سب سے پہلے جو صحابہ ہمارے پاس پہنچے وہ (1) حضرت مصعب بن عمیر اور (2) حضرت ابنِ اُمِّ مکتوم تھے، وہ دونوں لوگوں کو قرآن پڑھانے لگے پھر جنابِ (3) عمار و (4) بلال اور (5) سعد آگئے پھر حضرت عمر بن خطاب بیس (20) صحابۂ کرام کی جماعت کے ساتھ آپہنچے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ

---

1 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص186 ملخصاً

علیہ واٰلہٖ وسلّم تشریف لائے۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کے مدینہ تشریف لے جانے سے پہلے پچیس صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان مدینہ شریف ہجرت کر کے پہنچ چکے تھے۔رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

ہجرت کا یہ عمل کچھ دنوں میں اتنی تیزی سے ہوا کہ کافروں کو کچھ سمجھ نہ پڑی۔ وہ ہجرت کرنے والوں کو روکتے ہی رہ گئے کہ مسلمانوں سے مکہ شریف خالی خالی نظر آنے لگا، اب صرف وہ رہ گئے تھے جو ہجرت کرنے سے عاجز تھے۔ ان کے علاوہ اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ اور حضرت مولا علی کَرَّمَ اللہُ وجہہ الکریم نے ابھی ہجرت نہیں فرمائی تھی۔ حضرت ابو بکر نے آپ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے فرمایا: لَا تَعْجَلْ! لَعَلَّ اللہَ يَجْعَلُ لَكَ صَاحِبًا یعنی جلدی مت کرو! شاید اللہ پاک کسی کو تمہارا ہم سفر بنا دے۔ اس سے انہیں یہ امید ہوئی کہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم ہی ان کے ساتھ ہوں گے۔ اسی لیے انہوں نے دو سواریاں سفر کیلئے تیار کرنا شروع کر دی تھیں۔[2]

کفار کا نفرنس

کفار اس پوری صورتحال سے بڑے پریشان ہوئے، انہیں احساس ہو گیا کہ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم بھی عنقریب مکہ سے چلے جائیں گے اور پھر ایسا نہ ہو کہ مسلمان مل کر مکہ پر حملہ کر دیں۔ مسئلے کا حل نکالنے کیلئے انہوں نے ایک کانفرنس کا انعقاد کیا جو

1 بخاری، 2/600، حدیث: 3925
2 معجم کبیر، 22/177، حدیث: 462-السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص 191

www.dawateislami.net

"دارالندوہ"[1] میں ہوئی۔ مقررہ وقت پر شیطان کے سارے چیلے اس "پریشان کُن" مسئلے کے حل کیلئے جمع ہو گئے۔ شیطان کے چیلے اتنے اہم کام میں مصروف ہوں اور وہ خود نہ ہو؟ لہٰذا وہ خود بھی ایک بوڑھے شخص کی صورت میں آن دھمکا، مکان میں اجنبیوں کا داخلہ منع تھا، اس لیے ایک اجنبی کو دیکھ کر لوگ کہنے لگے: مَنْ اَنْتَ وَمَا اَدْخَلَكَ عَلَيْنَا فِيْ خَلْوَتِنَا هٰذِهٖ بِغَيْرِ اِذْنِنَا؟ یعنی تم کون ہو؟ اور تمہیں ہماری اس پرائیویٹ محفل میں آنے کی اجازت کس نے دی؟ شیطان خوشامد کرتے ہوئے گویا ہوا: میں نجد کا رہنے والا ہوں، میں نے تمہارے حسین و جمیل چہرے اور مہکتے وجود دیکھے تو سوچا کہ چند گھڑی تمہاری صحبت پاؤں اور تمہاری گفتگو سے فیض یاب ہو جاؤں، تاہم اگر تمہیں میرا آنا ناگوار گزرا ہے تو واپس چلا جاتا ہوں۔ خوشامد میں موجود شہد کی سی مٹھاس نے اثر دکھایا، کچھ لوگ کہنے لگے: یہ نجد کا رہنے والا یعنی باہر کا آدمی ہے، اس نے ہماری باتیں سن بھی لیں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اجلاس شروع ہو گیا، مختلف تجاویز زیرِ غور آئیں جو مختلف وجوہات کی بنا پر رد کر دی گئیں۔ آخر میں شیطان کے شاگردِ خاص ابوجہل نے اپنی شیطانی عقل کو آواز دے کر یہ تجویز دی: چند افراد کا ایک ایسا گروپ بنا لیا جائے جس میں ہر قبیلے کا نوجوان، بہادر، عالی نسب نمائندہ موجود ہو۔ یہ سب تلواریں لے کر ایک ساتھ حملہ کریں اور اُنہیں (رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو) قتل کر دیں تو

[1] حضرت قصی نے ایک عمارت بنائی جسے "دارالندوہ" کہا جاتا تھا۔ یہ مکہ والوں کا گویا شوریٰ (پارلیمنٹ) ہاؤس تھا، یہاں شرط تھی کہ وہی شریک ہو گا جو چالیس سال کا ہو، مگر ابوجہل نوجوان ہونے کے باوجود اپنی مکاری اور عیاری کی وجہ سے یہاں شریک ہو سکتا تھا، دراصل اس کی قوم اسے بڑا ذہین اور عقل مند سمجھتی تھی، اسی لیے وہ ابوالحکم کہلاتا تھا۔ (شرح الزرقانی علی المواھب، 2/94-السیرۃ النبویۃ لدحلان، 1/180) یہ جگہ مسجدِ حرام سے باہر تھی، جدید توسیع میں یہ جگہ مسجد میں شامل ہو گئی ہے۔

www.dawateislami.net

مسئلہ حل ہو جائے گا۔ سب کی شرکت کی وجہ سے بنو ہاشم قصاص نہ لے سکیں گے اور دیت قبول کرنے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہ ہوگا۔ جتنی دیت وہ طلب کریں گے ہم مل کر ادا کر دیں گے۔ شیطان یہ سن کر گویا خوشی سے ناچنے لگا اور اپنے روحانی شاگرد کو ایسی دور کی کوڑی لانے پر خوب داد دی۔ پھر سب اس فیصلے پر متفق ہوگئے۔ (1)

اللہ پاک کی خفیہ تدبیر

ایک طرف کافر یہ منصوبے بنا رہے تھے، جبکہ دوسری طرف حضرت جبرائیل علیہ السّلام ان کی اطلاع مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو دے رہے تھے۔ قرآنِ کریم میں اس واقعے کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَؕ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ(۳۰) (پ9، الانفال:30)

ترجمہ: اور اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کر لیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر۔ (2)

ایسا ہی ہوا کہ اللہ پاک کی سب سے بہتر تدبیر کی برکت سے اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ آپ کو مدینہ شریف ہجرت کی اجازت مل گئی اور حضرت جبرائیل علیہ السّلام نے یہ بھی عرض کیا کہ آج رات بستر میں آرام نہ فرمائیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا معمول تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر دن میں ایک بار صبح یا شام تشریف لے جاتے، لیکن اس دن عین دوپہر کے وقت آپ وہاں تشریف لے گئے۔

---

1 سیرت حلبیہ، 2/34،35 ملخصاً- دلائل النبوۃ لابی نعیم، ص115 تا 117

2 تفسیر طبری، سورۃ الانفال، 6/226، تحت الآیۃ:30- السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص192، 193

حضرت ابو بکر سمجھ گئے کہ ضرور کچھ اہم معاملہ ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے ہجرت کی اجازت ملنے کا ارشاد فرمایا، حضرت ابو بکر نے فوراً پوچھا: کیا یہ غلام بھی ساتھ ہو گا؟ فرمایا: یقیناً۔ خوشی کے مارے حضرت ابو بکر کی آنکھیں بھر آئیں۔ ہجرت اور اس کے ضروری انتظامات پر گفتگو ہوئی اور طے ہو گیا کہ آج رات سفر شروع ہو گا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام واپس تشریف لے گئے۔ (1)

مولا علی کیلئے اعزاز

عجیب بات یہ بھی ہے کہ مکہ کے کافر ایک تو مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے سب سے بڑے دشمن تھے، دوسری طرف سب سے زیادہ اعتماد بھی آپ پر کرتے تھے۔ آج وہ جن کے خون کے پیاسے تھے انہی کے پاس اپنی امانتیں رکھواتے تھے۔ افسوس کہ اپنی شرارتوں کے سبب آج اسی ”امین و صادق“ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اس رات کے ماحول میں ان امانتوں کی ادائیگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن صادق و امین نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے سب سے پہلے ان امانتوں کا انتظام فرمایا۔ اس ذمہ داری کیلئے حضرت مولا علی کَرَّمَ اللہُ وجہہ الکریم کا انتخاب ہوا، آپ نے ساری امانتیں ان کے سپرد فرمائیں اور طے ہوا کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد وہ یہ امانتیں مالکوں کو سونپ کر مدینہ شریف کی طرف ہجرت کر لیں۔ (2)

داستانِ شبِ ہجرت

بہر حال دن کے اجالے میں کالے منصوبے بنا کر مکہ کے اکابر مجرم سارا دن نفاذ

1. السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص193 ملخصاً
2. السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص194

www.dawateislami.net

(منصوبے کے مطابق عمل) کی کوششوں میں لگے رہے۔ یہ ربیع الاول مطابق ستمبر 622 عیسوی کی ایک شام ہے، سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف آگے بڑھ رہا ہے، یہاں تک کہ آنے والی تاریخی رات نے ہر شے کو اپنی آغوش (لپیٹ) میں لے لیا اور ہر طرف گھرا اندھیرا چھا گیا۔ کافروں کے قبیلوں سے منتخب افراد نے شیطانی منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مکانِ عالیشان کا محاصرہ (گھیراؤ) کر لیا۔ ہاتھوں میں ننگی تلواریں لیے یہ منتظر تھے اور ٹائم پاس کرنے کیلئے آپ کی تعلیمات کو یاد کرتے ہوئے ان کا مذاق اڑا رہے تھے۔ اتنے میں دربارِ رسالت کا دروازہ کھلا، آپ سورۂ یٰسین شریف پڑھتے ہوئے بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ باہر تشریف لے آئے اور اس کی آیت (1) پڑھ کر ان کافروں پر پھونک دی۔ سب اندھے ہوگئے، نیند غالب آگئی اور ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ گئی۔ آپ اپنے رفیقِ سفر حضرت ابو بکر صدیق کے گھر پہنچے اور ان کے ساتھ مل کر سفر کی پہلی منزل "غارِ ثور (2)" کی طرف روانہ ہوگئے۔ صبح ہوئی تو کافروں کو پتہ چلا کہ سونے والے مولائے کائنات حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وجہہ الکریم ہیں۔ سارے منصوبے خاک میں مل گئے اور کافر آپ کو تلاش کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ (3)

---

(1) وہ آیتِ مبارکہ یہ تھی: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝۹﴾
ترجمہ کنزالعرفان: اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنادی اور ان کے پیچھے (بھی) ایک دیوار (بنادی) پھر انہیں اوپر سے (بھی) ڈھانک دیا تو انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ (تفسیر خازن، پ9، الانفال، تحت الآیۃ:30، 2/192)

(2) غارِ ثور مکۂ مکرمہ کی دائیں جانب "محلہ مُسفلہ" کی طرف کم و بیش چار کلومیٹر پر واقع جبلِ ثور میں ہے۔ غارِ سطحِ سمندر سے تقریباً 748 میٹر بلند جبکہ اس کی لمبائی 18 بالشت اور چوڑائی 11 بالشت ہے۔ اس کا چھوٹا دَہانہ تقریباً نصف میٹر کھلا ہے، غار میں کھڑے ہوں تو سر چھت سے لگتا ہے۔ اندر چھ سات افراد کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ (ماہنامہ فیضانِ مدینہ 1440 ہجری، ص47 ملتقطاً)

(3) طبقات ابن سعد، 1/177 ملخصاً

شہر مکہ سے محبت کا اظہار

مکہ شریف مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا آبائی شہر تھا، یہاں کے گلی کوچوں میں آپ کی مقدس حیات کے پاکیزہ لمحے گزرے تھے۔ یہی وہ مقدس شہر ہے جسے آپ کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے آباد کیا اور یہاں آپ کے تشریف لانے کی دعائیں مانگی تھیں۔ یہاں کے ذرّے ذرّے سے آپ کو بے پناہ محبت تھی، اب جبکہ قوم نے آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو آپ بڑے افسردہ تھے، جب اس مقدس شہر سے باہر نکل رہے تھے تو ایک ٹیلے پر کھڑے ہو اپنے دکھ کا اظہار ایسے فرمایا: مَا اَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ، وَاَحَبَّكِ اِلَيَّ، وَلَوْلَا اَنَّ قَوْمِي اَخْرَجُوْنِي مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ یعنی اے مکہ! تُو کتنا پاکیزہ شہر ہے! اور تُو مجھے کتنا پیارا ہے! اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں تیرے علاوہ کہیں بھی ہرگز نہ رہتا۔ (1)

قدرت کے انتظامات

آپ غارِ ثور پہنچے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو باہر روک کر غار کی صفائی کی، غار کے چپے چپے کو صاف کیا، جو سوراخ تھے انہیں بند کیا۔ مکمل اطمینان کے بعد آپ نے مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے غار میں تشریف لانے کی درخواست کی۔ کافر آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانے تک پہنچ گئے، یہاں تک کہ غار میں موجود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو غم لاحق ہوا کہ پکڑے نہ جائیں۔ اس پر اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا "یعنی غم مت کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" کافر غار کے دہانے پر پہنچ کر حیران ہو رہے تھے کہ دونوں کہاں گئے۔ ایک نے کہا: غار میں

(1) ترمذی، 5/487، حدیث: 3952

www.dawateislami.net

جا کر دیکھنا چاہیے کہ کہیں اس میں نہ ہوں۔ دوسرے نے کہا: اندر جانے کا فائدہ؟ دیکھ نہیں رہے کہ غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے جو پورے کا پورا سالم ہے، پھر کبوتری کا گھونسلا ہے، جہاں وہ اطمینان سے بیٹھی ہے، اگر وہ لوگ غار میں جاتے تو مکڑی کا جالا بھی ٹوٹا ہوا ہوتا اور کبوتر بھی اڑ جاتے۔ یہ معقول دلیل سن کر سب نے غار میں داخل ہونے کا ارادہ ترک کر دیا(چھوڑ دیا)۔ [1] (یہ دونوں کام قدرت کی طرف سے آپ کے غار میں تشریف لے جانے کے بعد ہوئے تھے) درحقیقت یہ سارے انتظامات اللہ پاک کی طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی حفاظت کیلئے تھے۔ ابو جہل بڑا تیز اور چالاک شخص تھا، واپس پلٹتے ہوئے کہنے لگا: مجھے لگ رہا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم) ہمارے آس پاس ہی ہیں، مگر ان کے جادو کی وجہ سے ہم انہیں دیکھ نہیں پا رہے۔ [2]

خاندانِ ابو بکر کی خدمات

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنے رفیق حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین دن اور تین رات تک غار میں روپوش(پوشیدہ طور پر)رہے۔ اس دوران حضرت ابو بکر کے ایک صاحبزادے رات کے اندھیرے میں آکر مشرکین کی دن بھر کی کاروائیوں کی رپورٹ پیش کرتے۔ حضرت ابو بکر کے ایک آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن فُہَیرَہ اسی پہاڑ کے آس پاس بکریاں چراتے۔ ایک طرف تو غار کی حفاظت کرنا مقصد ہوتا دوسرا یہ کہ

1 اخبار مکۃ للفاکہی،4/79تا83،حدیث:2410تا2417ملتقطاً

2 امتاع الاسماع،5/269

شام کے وقت دودھ نکال کر انہیں پیش کرتے آتے۔ حضرت ابو بکر کی صاحبزادی حضرت اسماء رات کی تاریکی میں کھانا غار میں پہنچا دیتیں۔[1] گویا خاندانِ ابو بکر پوری تندہی (محنت) کے ساتھ آپ کی خدمت میں لگا رہا۔ تین دن بعد ان دونوں کی تلاش میں وہ گرمی نہ رہی جو پہلے پہل تھی۔ یوں چار افراد[2] کا مختصر سا ایک قافلہ مدینے کی طرف روانہ ہو گیا۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تلاش میں ناکامی کے بعد مشرکین نے اعلان کر دیا جو شخص دونوں یعنی اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم یا حضرت ابو بکر رضی اللہُ عنہ کو قتل کر کے یا گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔[3] یہ سن کر لالچ میں کئی لوگوں نے آپ کو گرفتار کرنے کی ٹھانی مگر وہ کامیاب نہ ہوئے۔ چند ایک لوگ جو آپ تک پہنچنے میں کامیاب ہو بھی گئے تو آپ کے حُسنِ سلوک اور دلنشیں اداؤں سے ایسے متاثر ہوئے کہ دل دے کر ہی واپس آئے۔

سفرِ ہجرت کے اسباق

(1) اس سفر کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے سفر کیلئے حضرت ابو بکر رضی اللہُ عنہ کا انتخاب فرمایا، اسی لیے باقی صحابۂ کرام کو ہجرت کی

1 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص194

2 ان چار میں تیسرا شخص عبد اللہ بن اُرَیقِط تھا، جو صحرائی راستوں کا ماہر تھا، اسی لیے حضرت ابو بکر نے اس کی خدمات لی تھیں۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم، الجزء الثانی، ص198، 199، حدیث:238) جبکہ چوتھے شخص حضرت ابو بکر کے آزاد کردہ غلام عامر بن فُہَیرَہ رضی اللہُ عنہ تھے، یہی تھے جو بکریاں چراتے اور دودھ غار میں لاتے، یہ بھی خدمت کیلئے ساتھ لے لیے گئے۔ (بخاری، 2/63، حدیث:2263-السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص194)

3 انساب الاشراف للبلاذری، 1/261

www.dawateislami.net

اجازت دی مگر انہیں اپنے پاس روکے رکھا۔ یوں آپ کے ساتھ ہجرت کا شرف صرف حضرت ابو بکر کو حاصل ہوا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو حضرت ابو بکر سے بہت محبت تھی اور وہ تمام صحابہ میں آپ کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ آپ کے ظاہری وصال کے بعد وہ اسی قرب کی وجہ سے آپ کے خلیفۂ بلا فصل بنے۔

(2) ہجرت کے وقت اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ہجرت کے سفر میں وہ تمام مادی ذریعے اور وسائل[1] استعمال فرمائے جن کا تقاضا تھا۔ قلبی طور پر خوف و غم سے محفوظ تھے، اس کے باوجود آپ نے یہ اس لیے کیا کہ آنے والی امت کیلئے یہ رویہ مشعلِ راہ بن جائے اور وہ بھی اس کی اقتدا کریں۔ اپنے کاموں میں اسباب پر توجہ دیں کیونکہ یہی ربِّ کریم کی سنت ہے کہ اسباب کے ذریعے ہی نتائج ظاہر فرماتا ہے۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اس سفر میں جب بھی اسباب ختم ہوئے تب بھی آپ بالکل مطمئن اور بے خوف رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک مرحلے پر ضرور خوف و غم لاحق ہوا مگر آپ بالکل مطمئن رہے اور آپ کی برکت سے ان سے بھی خوف زائل (ختم) ہو گیا اور ان کا دل اطمینان و سکون سے بھر گیا۔[2]

(3) اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ہجرت کرتے ہوئے اپنے پیچھے حضرت

---

1 چند ذریعے یہ ہیں: بستر چھوڑ کر اس پر حضرت علی کو سلانا، رفیقِ سفر کا انتخاب، تیز رفتار سواریوں کا انتظام، تین دن تک غار میں قیام، راستوں کے ماہر شخص کا تقرر، سفر کیلئے ضروری سامان کی فراہمی وغیرہ۔

2 فقہ السیرۃ، ص134

Go To Index

علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑا کہ وہ مشرکین کی امانتیں واپس کر دیں جو انہوں نے آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ مشرکین آپ کے دشمن تھے، آج کے دور میں بھی دشمن کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا، لیکن مشرکین کو یقین تھا کہ دشمنی اور عداوت کے باوجود ہماری امانتیں صرف آپ کے پاس ہی محفوظ ہیں۔ یہ بات آپ کے نہایت اعلیٰ اور روشن کردار کی دلیل ہے۔ ہمیں بھی اس پہلو پر توجہ دینے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایک طرف مشرکین آپ کو ساحر (جادوگر)، گمراہ اور کذاب (بہت بڑا جھوٹا) وغیرہ کہتے تھے، دوسری طرف اپنی امانتیں رکھوانے کیلئے انہیں آپ سے بڑھ کر مکہ میں کوئی اور نہ ملا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکوں کا آپ پر ایمان نہ لانا آپ کے صدق وسچائی میں شک کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ انہیں آپ کی سچائی اور راست گوئی پر تو اَب بھی یقین تھا۔ ایمان نہ لانے کی وجہ ان کی ابدی بدبختی اور غرور و تکبر تھا، کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ اگر وہ ان پر ایمان لے آئے تو انہیں اپنی حکمرانی اور سرداری کے لالے پڑ جائیں گے۔

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھنے کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان کی مدینے کو ہجرت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

سوال: کافروں نے "دارالندوہ" کے اجلاس میں کیا فیصلہ کیا تھا؟

سوال: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے مکہ شریف سے محبت کا اظہار کیسے فرمایا؟

سوال: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی حفاظت کیلئے غار میں قدرتی انتظامات کیا ہوئے؟

سوال: ہجرتِ مصطفےٰ کے کوئی سے دو سبق بیان کریں؟

www.dawateislami.net

پندرہواں باب

یکم تا تین ہجری کے واقعات

The Events From 1st to 3rd Hijri

مدینے کے والی مدینے میں

مدینہ پاک شہرِ مکہ سے تقریباً 210 میل پر واقع ہے۔ اہلِ مدینہ کو مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے تشریف لانے کا پتہ چلا تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اس وقت کے ممکنہ سفر کے دن تو انہوں نے کسی طرح گزار دیئے۔ ان کے بعد وہ روزانہ صبح سویرے ہتھیار سجا کر شہر سے باہر نکلتے، ایک میدان میں جمع ہو کر مکے سے آنے والی راہ پر نظریں جمائے رہتے۔ جب دھوپ میں شدت آتی اور قافلوں کے آنے کا وقت بھی ختم ہو جاتا تو ان کی امید مایوسی میں بدل جاتی اور انتظار کرنے والے افسردہ ہو کر گھروں کو لوٹ آتے۔ انتظار کا یہ مسلسل تیسرا دن تھا، وہ حسبِ معمول انتظار کر کے گھروں کو لوٹ چکے تھے، ایک یہودی نے اپنے بلند قلعے سے دیکھا کہ ایک کاروان آبادی کی طرف بڑھ رہا ہے، وہ سمجھ گیا کہ یہی وہ قافلہ ہے جس کا انتظار ہے۔ اس نے زور سے پکار کر کہا: اے مدینہ والو! جس قافلے کا تم انتظار کرتے تھے وہ آرہا ہے۔ یہ پکار سنتے ہی ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی، انصار ہتھیار سجا کر تیار ہوئے اور مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے استقبال کیلئے دوڑ پڑے اور ایک میدان میں جمع ہونے لگے۔ میدان شمعِ رسالت کے پروانوں سے بھر گیا، انوارِ رسالت سے سب اپنی قسمت چمکانے لگے۔ [1]

خادم اور مخدوم کا فرق

یہ قبیلۂ عمرو بن عوف کی بستی تھی، ایک تعداد ایسی بھی تھی جو پہلی دفعہ آپ کی زیارت کر رہی تھی، انہیں سمجھنے میں مشکل ہوئی کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کون ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہُ عنہ کون؟ حضرت ابوبکر ان کی مشکل کو بھانپ گئے اور

1 بخاری، 2/594، حدیث: 3906 ملخصاً

www.dawateislami.net

خادم و مخدوم کا فرق ظاہر کرنے کیلئے آپ پر چادر تان کر کھڑے ہو گئے۔ اب سب سمجھ گئے کہ آقا کون ہے اور غلام کون؟[1]

قبا میں قیام

سب سے ملاقات کے بعد آپ مدینہ پاک کے نواحی علاقے قُبا پہنچے، وہاں کے سردار حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کو عزت دینے کیلئے انہی کے مکان میں قیام فرمایا۔ یہ ربیع الاول کا مہینہ، ستمبر 622 عیسوی کے ایام تھے جب آپ قبا میں تشریف لائے۔ کچھ دن بعد حضرت مولا علی کَرَّمَ اللہُ وجہہ الکریم بھی ہجرت فرما کر یہیں پہنچے۔ آپ نے انہیں بلایا، پتہ چلا کہ ان کے لیے اب چلنا دشوار ہے، کیونکہ پاؤں سے خون جاری ہے۔ حضرت مولا علی نے مکہ میں امانتیں واپس لوٹانے کے بعد ہجرت کی اور سارا سفر پیدل کیا جس کی وجہ سے مبارک پاؤں پھول گئے، آبلے بن گئے اور خون بہنے لگا۔ آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے، انہیں گلے لگایا اور پاؤں دیکھ کر گریہ فرمانے لگے۔ پھر اپنا لعاب مبارک ان کے پاؤں پر ملا جس سے تکلیف ختم ہو گئی۔[2]

اسلام کی پہلی مسجد

قبا شریف میں آپ نے کچھ دن قیام فرمایا۔ اسی دوران آپ نے وہاں مسجدِ قبا[3] کی بنیاد

1. بخاری، 2/594، حدیث: 3906 ملخصاً
2. السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، 197- شرح الزرقانی علی المواہب، 2/152
3. مسجدِ قبا تاریخِ اسلام کی پہلی مسجد ہے، یہ مدینہ شریف کے جنوب میں تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع بستی قبا میں ہے۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بعد میں بھی اس مسجد کی زیارت کیلئے کبھی سوار اور کبھی پیدل تشریف لے جاتے اور دو رکعت ادا فرماتے تھے۔ آپ کا فرمان ہے: مسجدِ قبا میں نماز پڑھنا عمرے کے برابر ہے۔ (ترمذی، 1/348، حدیث 324) منقول ہے کہ آپ نے قبا میں تین، دس، چودہ یا بائیس دن تک قیام فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ، 2/584 بتغیر قلیل)

www.dawateislami.net

رکھی اور اس کی تعمیر میں بنفسِ نفیس حصہ لیا۔ یہ آپ کی بعثت کے بعد اسلام کی پہلی مسجد ہے جو آپ کے مبارک ہاتھوں سے تعمیر ہوئی۔ قرآنِ پاک کی گواہی کے مطابق اس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ مسجد کی تعمیر کیلئے حضرت کلثوم نے اپنی ایک ایسی بنجر زمین پیش فرمائی جس میں وہ کھجوریں خشک کیا کرتے تھے۔[1] مسجد کی تعمیر کے بعد آپ نے مدینہ شریف جانے کا ارادہ فرمایا۔ یہ جمعہ کی مبارک صبح تھی، ہر طرف اجالے ہی اجالے تھے، غلاموں کے چہرے نورِ ایمان سے جگمگا رہے تھے۔ حضرت انس فرماتے ہیں: جس روز مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم مدینے میں تشریف لائے، اَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَیْءٍ تو آپ کے نور سے مدینہ شریف کی ہر چیز چمک اٹھی۔ (گویا ہر طرف نور ہی نور تھا)[2]

پہلا جمعہ اور بنو نجار میں آمد

یہ کاروانِ رحمت جب بنی سالم بن عمرو بن عوف کے محلے میں پہنچا تو سورج ڈھل گیا اور جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا۔ وہیں نمازِ جمعہ ادا کرنے کا حکم ہوا۔[3] آقا کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے نماز سے پہلے تقویٰ کے موضوع پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس فصیح و بلیغ خطبے میں قرآنی آیات اس خوبصورتی کے ساتھ گفتگو میں شامل ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے ہار میں چن چن کر ہیرے جڑ دیئے گئے ہوں۔ نماز کے بعد آپ پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے اور اس کی مہار ڈھیلی چھوڑ دی، ساتھ ارشاد فرمایا: خَلُّوْا سَبِيْلَهَا فَاِنَّهَا مَاْمُوْرَةٌ یعنی میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو! یہ حکمِ الٰہی کی پابند ہے۔ اونٹنی چلتے چلتے آپ کے ننھیال کے محلے بنو عدی بن نجار پہنچی تو

1 بخاری، 2/594، حدیث: 3906- سبل الہدی والرشاد، 3/267
2 ترمذی، 5/355، حدیث: 3638
3 دلائل النبوۃ للبیہقی، 2/500

www.dawateislami.net

اس کھلی جگہ پر بیٹھ گئی جہاں آج کل مسجد نبوی شریف ہے۔ پل بھر میں بنو نجار کی بچیاں آتی ہیں اور محوِ نغمہ سرائی ہوتی ہیں کہ

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ　　　یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَارٍ (1)

ان کے محبت بھرے شعر سن کر آپ نے ان سے پوچھا: کیا واقعی تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ عرض کی: جی ہاں یا رسولَ اللہ! تو رحمتِ عالم نے ارشاد فرمایا: اَنَا وَاللہِ اُحِبُّکُنَّ یعنی بخدا! میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں (یہ جملہ تین بار فرمایا۔) (2)

حضرت ابو ایوب کی سعادت

اونٹنی بیٹھنے کے بعد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے پوچھا کہ اس جگہ کے قریب کس کا گھر ہے؟ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میرا گھر! یہ رہا اس کا دروازہ! آپ نے انہیں اپنی میزبانی کیلئے منتخب فرمایا۔ (3) وہ اپنے مقدر پر ناز کرتے آئے اور آپ کا سامان لے گئے۔ سینکڑوں غلاموں کی موجودگی میں میزبانیِ رسول کا اعزاز ان کے حصے میں آیا۔ سات ماہ تک حضرت ابو ایوب انصاری کا گھر رشکِ جنت بنا رہا کہ آپ وہیں رہے۔ اس دوران انہوں نے آپ کی خوب خدمت کی۔ کھانا بنا کر آپ کی بارگاہ میں بھیجتے۔ آپ حسبِ ضرورت تناول فرماتے، جو بچ جاتا حضرت ابو ایوب اور ان کے گھر والے بڑے شوق سے کھاتے۔ بلکہ آپ کی مبارک انگلیوں کے نشانات تلاش کر کر کے وہاں سے بطور تبرک لیتے۔ (4)

---

1 ترجمہ: ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں! حضرت محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کیسے اچھے ہمسائے ہیں۔ (فتاوی رضویہ، 15/701، 702بتغیر قلیل)

2 دلائل النبوۃ للبیہقی، 2/508- سبل الہدی، 3/274

3 طبقات ابن سعد، 1/183

4 طبقات ابن سعد، 1/183- مسند احمد، 9/135، حدیث: 23576

www.dawateislami.net

اسلام کی دوسری مسجد

جہاں اونٹنی بیٹھی اس کے پاس کی جگہ پر کھجور کے درخت، کچھ مشرکوں کی قبریں اور گھڑے تھے۔ معلومات پر پتہ چلا کہ یہ دو یتیم بچوں (سہل اور سہیل) کی زمین ہے، آپ نے انہیں بلایا اور مسجد بنانے کیلئے جگہ خریدنے کی پیش کش فرمائی، انہوں نے تحفتاً زمین پیش کرنے کی کوشش کی، مگر یتیموں کے حقوق کے محافظ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ان کی زمین بلا قیمت لینا منظور نہ فرمائی اور حضرت ابو بکر کے مال سے ان کو معاوضہ ادا فرمایا۔ پھر اسی جگہ درختوں کو کاٹ کر، قبروں کو ختم کرکے اور گڑھوں کو بھر کر مسجدِ نبوی کی بنیاد رکھی گئی[1] اور یہیں کا ایک حصہ زمین پر جنت کا ٹکڑا اقرار دیا گیا۔

حجروں کی تعمیر

مسجد کی تعمیر کے ساتھ آپ کی ازواج کیلئے حجرے بھی تیار کئے گئے۔ یہ حجرے حسبِ ضرورت تعمیر ہوتے رہے، پہلے ہجری سال میں دو حجرے تعمیر ہوئے۔ مسجد شریف اور حجرے سادگی کا نمونہ تھے؛ فرش مٹی کا، دیواریں پتھروں کی جن پر مٹی کا لیپ، جبکہ چھت کھجور کے پتوں کی، تنوں میں کھجور کے شہتیر استعمال ہوئے۔[2] یوں یہ حجرے ظاہری اعتبار سے بڑے سادہ تھے مگر عظمت و برکت کے اعتبار سے روئے زمین پر سب سے زیادہ بابرکت وپررونق تھے۔

مسجد کی اہمیت اور چبوترۂ صفہ

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے مدینہ پاک میں مسجد پہلے تعمیر فرمائی اور

1. بخاری، 2/594، حدیث:3906 ملخصاً-طبقات ابن سعد، 1/184
2. بخاری، 1/165، حدیث:428-طبقات ابن سعد، 1/185 ماخوذاً

www.dawateislami.net

حجرے بعد میں، اس میں درس ہے کہ مسجد ایک معاشرے کیلئے کتنا ضروری ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اسلامی معاشرے کے قیام کی پہلی بنیاد مسجد ہے۔ اسی سے معاشرے میں عقیدہ، عمل، آداب اور طرزِ معاشرت میں تبدیلی آتی ہے۔ مسجد سے ہی اسلامی تعلیمات کا فروغ ہوتا ہے اور مسجد سے ہی قرآن و حدیث کی تبلیغ ہوتی ہے۔ مسجد میں ہونے والی پانچ وقت کی نمازِ باجماعت اور جمعہ کا اجتماع و خطبہ مسلمانوں کو مقصدِ حیات پانے کی فکر دیتے ہیں۔ مسجد کے یہی اجتماعات مسلمانوں سے ذات پات، مال دولت، منصب اور علاقائیت کی تقسیم دور کر دیتے ہیں۔ یہی چیزیں جب ختم ہوں تو باہمی محبت و الفت اور بھائی چارہ قائم ہوتا ہے۔ مسجد کے ساتھ ہی ایک چبوترہ بھی بنایا گیا، جسے صفہ کہتے ہیں۔ یہ ان صحابہ کیلئے تھا جو دور دراز سے دین سیکھنے آتے تھے۔ وہ یہاں رہتے اور دینی تعلیم سے اپنا ظاہر و باطن سنوارتے تھے۔ ان میں ایک بڑی تعداد مہاجر صحابۂ کرام کی تھی، اصحابِ صفہ کی تعداد کم زیادہ ہوتی رہتی تھی۔

اہلِ بیت کی مدینہ آمد

مسجد اور حجروں کی تعمیر کے بعد آپ نے اپنے گھر والوں کو مدینہ بلانے کا اہتمام فرمایا۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہما کو ضروری زادِ راہ اور سامان عطا فرما کر مکہ جانے کا حکم دیا۔ یہ دونوں آپ کے اہلِ بیت کو وہاں سے بخیر و عافیت لے آئے۔ ان میں آپ کی زوجہ حضرت سودہ، خادمہ حضرت امِّ ایمن اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ، صاحبزادیوں میں سے حضرت امِّ کلثوم اور حضرت فاطمہ شامل تھیں۔ آپ کی ایک صاحبزادی حضرت زینب کو ان کے شوہر نے آنے سے منع کر دیا جبکہ حضرت رقیہ اس وقت حضرت عثمانِ غنی کے ساتھ ملکِ حبشہ میں تھیں۔ رضی اللہ عنہم [1]

[1] سیرت حلبیہ، 2/108، 109 ملخصًا

www.dawateislami.net

رشتۂ اخوت اور منشورِ مدینہ

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اب صورت حال یہ ہو گئی کہ کئی طرح کے لوگ ایک ساتھ جمع ہو گئے۔ یہ وہ دور تھا جس میں قبائلی، علاقائی اور لسانی عصبیت اپنے عروج پر تھی۔ اب کچھ مسلمان خزرج اور کچھ اوس سے تعلق رکھتے تھے، کچھ مہاجر تھے تو کچھ یہودیت چھوڑ کر راہِ راست پر آئے تھے۔ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے محسوس فرمایا کہ اب مسلمانوں کو ایک ایسی ڈور میں جوڑا جائے جس کی بنیاد نسل، رنگ، زبان اور علاقے وغیرہ سے ماورا ہو اور یہ رشتہ ایسا پختہ ہو کہ سب باہم شیر و شکر ہو جائیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مہاجرین چونکہ محض رضائے الٰہی کیلئے گھر بار، مال و جائیداد وغیرہ سب چھوڑ کر مدینہ آ گئے تھے، اب یہاں نہ ان کے پاس مال تھا نہ اسباب۔ ایسے میں مہاجرین و انصار میں مسائل نہ ہو جائیں اس کے حل کیلئے آقا کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ مہاجرین اور انصار کو بلایا اور ایک جگہ جمع کر کے ان سے فرمایا: تَآخَوْا فِی اللہِ اَخَوَیْنِ اَخَوَیْنِ یعنی اللہ کی رضا کیلئے آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ! اس طرح آپ نے ہر مہاجر کو کسی نہ کسی انصاری کا بھائی بنا دیا۔[1] آپ کے اس اقدام کی برکت سے مہاجرین و انصار کے درمیان اجنبیت کی دیواریں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فنا ہو گئیں۔ اس رشتے کی برکت سے انصار اپنے خونی رشتہ داروں کی طرح اپنے مہاجر بھائیوں کا خیال رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنا سب کچھ ان پر نثار کرنے کو تیار ہو گئے۔ مواخات کے ساتھ ساتھ آپ نے ایک منشور بھی مرتب فرما کر اسے تمام اہلِ مدینہ کیلئے نافذ فرمایا۔ مدینہ کے رہنے والوں کیلئے

---

1 وفاء الوفا، 1/267 ملخصاً

www.dawateislami.net

لازم تھا کہ وہ اس منشور پر عمل کریں۔ ①

اذان کی ابتداء

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد لوگ پانچوں نمازوں کیلئے جمع ہوتے اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کی اقتدا میں نماز ادا کرتے۔ لیکن اولاً نماز کیلئے سب تک خبر پہنچانے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے اس پر صحابۂ کرام سے مشورہ فرمایا۔ کئی تجاویز میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز پسند کی گئی کہ نماز کیلئے ایک شخص زور سے اعلان کر دیا کرے۔ ② لیکن اعلان کے الفاظ اور جملوں کا تعین نہ ہوا۔ اسی دوران حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ موجودہ اذان کے الفاظ کوئی سنا رہا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر اور دوسرے کئی صحابہ کو بھی اسی قسم کے خواب نظر آئے۔ آپ نے اس کو مِن جانبِ اللہ سمجھ کر قبول فرمایا اور حضرت عبد اللہ کو حکم دیا کہ وہ حضرت بلال کو اذان کے کلمات سکھائیں، کیونکہ ان کی آواز زیادہ بلند ہے۔ چنانچہ اسی دن سے اذان کا طریقہ جاری ہوا جو آج تک افق میں گونج رہا ہے اور قیامت تک گونجتا رہے گا۔ ③

حضرت عائشہ سے شادی

ہجرت کے پہلے سال کے اہم ترین واقعات میں سے ایک سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہے۔ ہجرت سے پہلے ہی آپ سے نکاح ہو گیا تھا، مگر ان کی رخصتی ہجرت کے پہلے سال ہوئی۔ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے ایک پیالہ دودھ سے

① السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، 203
② بخاری، 2/220، حدیث: 604
③ شرح الزرقانی علی المواہب، 2/195، 196 ملتقطاً

www.dawateislami.net

دعوتِ ولیمہ فرمائی۔ (1)

قبلے کی تبدیلی

سن دو ہجری میں تحویلِ قبلہ (قبلے کی تبدیلی) کا واقعہ ہوا۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو بیت المقدس (2) کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ یہی اس وقت اہلِ کتاب کا قبلہ تھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ مشرکین کی بنسبت اہلِ کتاب کی تعلیمات میں کہیں نہ کہیں وحی کا نور موجود تھا۔ ہو سکتا ہے یہ حکمت بھی رہی ہو کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنے میں اہلِ کتاب مانوس ہوں اور اسلام کی طرف راغب ہوں گے۔ بہر حال اسی طرح نماز پڑھتے پڑھتے سترہ ماہ گزر گئے، اب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خواہش تھی کہ آپ کے غلاموں کا قبلہ بھی بیت اللہ شریف قرار دیا جائے۔ چنانچہ ایک دن قبیلۂ بنی سلمہ کی مسجد میں نمازِ ظہر پڑھا رہے تھے کہ حالتِ نماز ہی میں یہ وحی نازل ہوئی:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

(پ2، البقرۃ:144)

ترجمہ کنزالایمان: ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے دورانِ نماز ہی اپنا چہرہ بیت المقدس سے پھیر کر خانۂ کعبہ کی طرف کر لیا اور تمام نمازیوں نے بھی آپ کی پیروی کی۔ جہاں یہ واقعہ پیش آیا اس

1 مدارج النبوت، 2/70 ملخصاً

2 بیت المقدس کو القدس بھی کہتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کا قبلہ اول مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ واقع ہیں۔ مدینہ شریف سے بیت المقدس کا بائی روڈ فاصلہ تقریباً 1215 کلومیٹر ہے۔

www.dawateislami.net

مسجد کو مسجدِ قبلتین ① کہتے ہیں۔ تحویلِ قبلہ سے یہودیوں اور منافقین کے گروہ کو بہت تکلیف ہوئی۔ ②

مکہ والوں کی دھمکیاں

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم تیرہ سال نبوت کی تبلیغ کرتے ہوئے اہلِ مکہ کے درمیان رہے۔ مگر ان کی اکثریت آپ پر ایمان نہ لائی بلکہ آپ کی دشمن ہوگئی۔ اب جبکہ آپ اپنے اصحاب سمیت مکہ سے سینکڑوں میل دور جاچکے تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ مکہ والے آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے اور اطمینان کے ساتھ بیٹھتے۔ لیکن اہلِ مکہ نے اپنی روش نہ بدلی، مدینہ پاک میں آجانے کے باوجود وہ مسلمانوں کو ستانے اور پریشان کرنے کی کوششوں میں لگے رہے۔ اسی زمانے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مکے میں عمرے کیلئے گئے، امیہ بن خلف کے ساتھ پرانی دوستی تھی، یوں اسی کے پاس رہے۔ ایک دن طواف کیلئے جاتے ہوئے ابوجہل سے سامنا ہوگیا۔ اس نے امیہ سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ اس نے تعارف کروایا تو ابوجہل نے غصے میں کہا: تم لوگوں نے مسلمانوں کو پناہ دے رکھی ہے اور الٹا یہاں آکر طواف کرتے ہو، اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو زندہ بچ کر نہ جاتے۔ اس پر حضرت سعد نے فرمایا: اگر تم ہمیں حج و عمرے سے منع کروگے تو ہم تمہارا مدینے والا راستہ بند کردیں گے جس سے تم شام جاکر تجارت کرتے ہو۔ یہ سنتے ہی اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ ③

1 مسجد قبلتین مدینہ شریف میں شمال مغرب کی طرف واقع ہے۔ مسجد نبوی سے اس کا فاصلہ تقریباً ساڑھے چار کلومیٹر جبکہ بائی روڈ فاصلہ تقریباً سات کلومیٹر ہے۔ اب اس میں قدس کی طرف والی محراب تو نہیں ہے البتہ اس کی نشان دہی موجود ہے۔

2 مدارج النبوت، 2/73 ملخصاً

3 بخاری، 3/4، حدیث: 3950 ملخصاً

www.dawateislami.net

اسی دوران مکہ والوں نے مدینہ کے ایک بااثر سردار عبد اللہ بن اُبَی اور اوس و خزرج کے مشرکین کو خط لکھا، جس میں تھا: اِنَّکُمْ آوَیْتُمْ صَاحِبَنَا، وَاِنَّا نُقْسِمُ بِاللہِ لَتُقَاتِلُنَّہٗ، اَوْ لَتُخْرِجُنَّہٗ اَوْ لَنَسِیْرَنَّ اِلَیْکُمْ بِاَجْمَعِنَا حَتّٰی نَقْتُلَ مُقَاتِلَتَکُمْ، وَنَسْتَبِیْحَ نِسَاءَکُمْ یعنی تم نے ہمارے بندے کو پناہ دے دی ہے، ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تمہیں اس کے ساتھ جنگ کرنا پڑے گی یا پھر تمہیں اسے مدینے سے نکالنا پڑے گا۔ ورنہ ہم سب مل کر تم پر حملہ کر دیں گے اور تمہارے مَردوں کو قتل کر کے تمہاری عورتوں کو اپنے استعمال میں لائیں گے۔ اس خط سے عبد اللہ بن ابی اور اس کے دوستوں نے مسلمانوں سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا مگر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے انہیں سمجھایا تو وہ لڑائی سے باز آ گئے۔ [1]

اذنِ جہاد

جب مکہ والوں کا یہ حربہ ناکام ہوا تو انہوں نے مسلمانوں کو پریشان کرنے کیلئے یہ حکمتِ عملی اپنائی کہ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بھیجتے جو مدینہ پاک اور اس کے اطراف میں آ کر لوٹ مار مچا کر بھاگ جاتیں۔ اس وقت تک جہاد کی اجازت نہیں تھی تو اس لیے مسلمان مدینہ سے باہر نکل کر حملہ نہیں کرتے تھے۔ آخر کار مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی۔ اس وقت یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْاؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ﴿۳۹﴾﴾ (پ:17، الحج:39) ترجمہ کنز العرفان: جن سے لڑائی کی جاتی ہے انہیں اجازت دے دی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بیشک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔

یہ پہلی آیت ہے جس میں کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس

1 ابو داؤد، 3/212، حدیث: 3004 ملخصاً

www.dawateislami.net

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کی طرف سے جن مسلمانوں سے لڑائی کی جاتی ہے انہیں مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بیشک اللہ پاک اِن مسلمانوں کی مدد کرنے پر قادر ہے۔[1] اس آیتِ کریمہ کے نازل ہوتے ہی سالوں سے ستائے جارہے لوگ ستم گروں سے دو دو ہاتھ کرنے کیلئے تیار ہوگئے۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ایک ماہر والیِ ریاست کی طرح باریک بینی سے حالات کا جائزہ لیا اور ان نتائج تک پہنچے:

(1) ایک یہ کہ اہلِ مکہ تب ہی شرارتوں سے باز آسکتے ہیں جب ان کی تجارت کا راستہ بند کر دیا جائے۔ راستہ بند ہوتے ہی وہ مجبور ہو کر صلح پر آمادہ ہوں گے۔

(2) دوسرا یہ کہ جتنا ہوسکے مدینہ پاک کے گرد موجود قبیلوں سے تعلقات بڑھائے جائیں، ان سے صلح کے معاہدے کئے جائیں اور انہیں اپنا حلیف بنایا جائے تاکہ کافر مدینہ پر حملہ کی جرأت نہ کرسکیں۔

انہی وجوہات کی بنا پر آپ نے یکے بعد دیگرے چھوٹے لشکر ترتیب دیئے، ان کی ذمہ داری تھی کہ کافروں کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں اور مکہ و شام کے درمیان قریش کے قافلوں پر حملے کریں اور انہیں ڈرائیں۔ تاکہ یہ راستہ ان کیلئے غیر محفوظ ہو جائے۔ دوسرا یہی لشکر اطراف کے قبائل سے رابطہ کرتے اور ان سے صلح کے معاہدے بھی کرتے۔ اس کام کیلئے بعض اوقات آپ خود بھی تشریف لے جاتے تھے۔ اسی سلسلہ میں کفارِ مکہ اور ان کے اتحادیوں سے مسلمانوں کا ٹکراؤ شروع ہوا اور چھوٹی بڑی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ انہی

[1] تفسیر روح البیان، پ17، الحج، تحت الآیۃ:39، 6/38 ملخصاً

www.dawateislami.net

لڑائیوں کو تاریخِ اسلام میں "غزوات و سرایا" کا نام دیا جاتا ہے۔[1]

غزوہ اور سریہ کا فرق

وہ چھوٹا یا بڑا جنگی لشکر جس میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بنفسِ نفیس تشریف لے جاتے اسے "غَزْوَۃ" کہتے ہیں۔ جبکہ اگر آپ شامل نہ ہوں تو اس جنگی مہم کو "سَرِیَّۃ" کہتے ہیں۔[2] امام بخاری کی روایت کے مطابق غزوات کی تعداد 19 ہے۔[3] ان میں سے صرف 9 ایسے غزوات ہیں جن میں جنگ کی نوبت پیش آئی جبکہ اکثر ایسے تھے جن میں لڑائی کی ضرورت ہی نہ ہوئی۔ جبکہ سرایا کی تعداد 47 ہے۔[4]

چند سرایا

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے جو سب سے پہلا سریہ روانہ فرمایا اس میں تیس افراد تھے۔ قیادت اسد اللہ و الرسول حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ اس جنگی مہم کا مقصد کافروں کا تجارتی کارواں تھا جو شام سے مکہ لوٹ رہا تھا۔ اس میں ابو جہل سمیت تین سو شرکا تھے۔ حضرت حمزہ نے انہیں پکڑ لیا اور قریب تھا کہ جنگ شروع ہو جاتی مگر ایک مقامی سردار کی کوششوں سے مفاہمت کی راہ اپنائی گئی اور جنگ نہ ہوئی۔ ابو جہل ضدی اور متکبرانہ طبیعت شخص تھا مگر اس نے مقابلے میں حضرت امیر حمزہ کو دیکھ کر عافیت اسی میں جانی کہ جنگ سے جان چھڑائی جائے۔[5] ایک سریہ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی قیادت میں

---

1. سیرت مصطفیٰ، ص201، 202
2. شرح الزرقانی علی المواہب، 2/220، 221 ملخصاً
3. بخاری، 3/3، حدیث: 3949
4. شرح الزرقانی علی المواہب، 2/221 بتغیر قلیل
5. سیرتِ حلبیہ، 3/214، 215 ملخصاً

www.dawateislami.net

بھیجا گیا، اس میں 80 شرکا تھے، جن میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، ان کا نشانہ بھی مکہ کا ایک قافلہ تھا، ایک جگہ پر تصادم ہوا مگر بات صرف تیر اندازی تک محدود رہی۔ حضرت سعد کے تیروں کا دشمن کے پاس کوئی جواب نہ تھا، ان کے سارے تیر نشانے پر بیٹھے، کوئی تیر خطا نہ ہوا۔ ہر تیر سے دشمن کا مالی نقصان ہوا یا کوئی زخمی ہوا۔ ①

غزوۂ ابوا

شام کی طرف قافلوں کو روکنے کی ایک مہم میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بنفسِ نفیس تشریف لے گئے، اس کو "غزوۂ ابوا" کہتے ہیں۔ ساٹھ مہاجرین آپ کے ساتھ تھے، قریش کا کارواں تو بچ نکلا مگر اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ابوا کے باسیوں (بنوضمرہ) سے صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ دفاعی نکتۂ نظر سے یہ ایک بڑی کامیابی تھی۔ ②

حضرت عبد اللہ بن جحش کا سریۂ نخلہ

اسی سال ماہِ رجب سن دو ہجری میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر ان کے تحت 8 یا 12 افراد کو روانہ فرمایا۔ آپ نے حضرت عبد اللہ کو ایک بند لفافہ عطا فرمایا، تاکید فرمائی کہ دو دن کے سفر کے بعد اس لفافے کو کھول کر پڑھ لینا اور ہدایات پر عمل کرنا۔ جب خط کھول کر پڑھا تو درج تھا کہ طائف اور مکہ کے درمیان نخلہ میں ٹھہر کر قریش کے قافلوں پر نظر رکھتے ہوئے ہمیں صورتحال کی خبر دیتے رہو۔ یہ لوگ نخلہ پہنچ گئے۔ رجب کی آخری تاریخ کو یہ کارواں نخلہ پہنچا اور اسی دن کافروں کا ایک قافلہ شام سے وہاں پہنچا، قافلہ سامان سے لدا ہوا تھا۔ اس مہم کے امیر حضرت

① البدایہ والنہایہ، 2/643 ملخصاً-سیرتِ حلبیہ، 3/215 ملخصاً
② شرح الزرقانی علی المواہب، 2/230 ملخصاً

www.dawateislami.net

عبد اللہ نے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اگر ہم انہیں چھوڑ دیں تو یہ مکہ جا کر ہمارے بارے میں بتائیں گے۔ اس سے ہمیں خطرہ ہو گا، جبکہ اگر ان سے لڑیں تو آج حُرمت والا مہینہ جاری ہے۔ آخری فیصلہ یہی ہوا کہ اپنی جان کی حفاظت کی جائے۔ ایک صحابی نے تاک کر تیر مارا جو ایک کافر عمرو کو جہنم لے گیا۔ قافلے کے دو بندے گرفتار ہوئے ایک بھاگ گیا۔ حضرت عبد اللہ قیدی اور مالِ غنیمت لے کر مدینہ واپس لوٹ آئے۔ ہر طرف شور مچ گیا کہ شہرِ حرام میں بندہ قتل کر دیا گیا ہے۔ اس پر آیات نازل ہوئیں جن میں ارشاد ہوا کہ رب کی راہ سے روکنا، کفر کرنا، مسجد حرام میں جانے سے روکنا اور وہاں عبادت کرنے والوں کو نکال دینا اللہ پاک کے نزدیک حرمت والے مہینے میں لڑائی سے بھی بڑا جرم ہے اور فتنہ و فساد پھیلانا قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔ (1)

غزوۂ بدر الکبریٰ

مسلمانوں کی کافروں کے ساتھ پہلی سب سے بڑی جنگ "غزوۂ بدر" (2) ہے۔ غزوۂ بدر سے پہلے بھی مسلمانوں اور کافروں کی چھوٹی کچھ لڑائیاں ہوئیں تھیں۔ ایک لڑائی میں جو کافر مارا گیا تھا اس کی موت سے مکہ کے کفار آپے سے باہر ہونے لگے۔ جنگ بدر کا ایک سبب یہ بھی بنا کہ مدینہ شریف میں یہ خبر پہنچی کہ کافروں کا ایک قافلہ مالِ تجارت سے لدا ہوا ملکِ شام سے واپس مکہ جانے والا ہے۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا کہ کیوں نہ ہم

1. شرح الزرقانی علی المواہب، 2/238 تا 241 ملخصاً
2. مدینہ شریف سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں کا نام ہے۔ وہاں ایک کنواں تھا جس کے مالک کا نام بدر تھا، اسی سے اس جگہ کا نام بدر مشہور ہو گیا۔ (شرح الزرقانی علی المواہب، 2/255) اب شہر مدینہ سے بدر شریف 113 کلو میٹر دور ہے جبکہ بائی روڈ یہ مسافت تقریباً 152 کلو میٹر ہے۔

www.dawateislami.net

Go To Index

قریش کے اس قافلے پر حملہ کر دیں۔ اس طرح ان کی شامی تجارت کا راستہ رک جائے گا اور وہ مجبور ہو کر ہم سے صلح کر لیں گے۔ اس سے پہلے قافلوں پر حملوں کیلئے آپ نے کبھی اعلان نہیں فرمایا تھا، صرف چند منتخب افراد کو روانگی کا حکم فرماتے تھے۔

اہلِ مکہ کو (حضرت) ابو سفیان (جو اس وقت مسلمان نہ تھے انہوں) نے مسلمانوں کے آنے کی خبر پہنچائی، خبر ملتے ہی انہوں نے مسلمانوں کو مزہ چکھانے اور اپنے بندے کا انتقام لینے کیلئے باقاعدہ جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور ایک ہزار کی تعداد کا ایسا لشکر لے کر نکلے جس کا ہر سپاہی مسلح تھا۔ فوج کی خوراک کا یہ انتظام تھا کہ قریش کے مالدار لوگ باری باری روزانہ دس دس اونٹ ذبح کرتے تھے اور پورے لشکر کو کھلاتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ اس لشکر کا سپہ سالار تھا۔ ①

صحابۂ کرام کا جوش و جذبہ

کافروں کے جنگ کیلئے آنے کی اطلاع ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ایک مجلسِ مشاورت قائم فرمائی۔ سب صحابہ جمع ہو گئے تو آپ نے رائے دریافت فرمائی۔ سب سے پہلے حضرت صدیقِ اکبر اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے گفتگو فرمائی اور اپنے جذبۂ جاں نثاری کا مظاہرہ کیا۔ دیگر مہاجرین نے بھی بڑے جوش و خروش کا اظہار کیا، مگر آپ کی خواہش تھی کہ انصار صحابہ اپنے جذبات کا اظہار کریں کیونکہ حفاظتِ رسول کا ذمہ اِنہی نے لیا تھا۔ جبکہ انصار اس لیے خاموش تھے کہ مہاجر بھائی ہماری نمائندگی کر رہے ہیں۔ مگر جب آپ نے اس طرف زیادہ توجہ فرمائی تو انصار سمجھ گئے کہ ہم سے کچھ سننا چاہتے ہیں۔ انصار کے ایک معزز

1 طبقات ابن سعد، 2/8 تا 13 ملتقطاً وملخصاً

www.dawateislami.net

سردار حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کا ایسے اظہار کیا: یارسولَ اللہ! ہم قومِ موسیٰ نہیں جنہوں نے اپنے نبی سے کہا تھا: تم اور تمہارا رب جا کر لڑو! ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم تو یہ کہیں گے کہ چلیں اور جنگ کریں![1] ہم ہر طرف سے آپ کی حفاظت کریں گے اور ہر طرف سے آپ پر اپنی گردنیں بھی قربان کریں گے اور سر بھی کٹائیں گے۔[2] پھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، پہلے انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ ہم انصار کی رائے جاننا چاہتے ہیں؟ ارشاد ہوا: بے شک۔ یہ سن کر وہ گویا ہوئے: فَصِلْ حِبَالَ مَنْ شِئْتَ، وَاقْطَعْ حِبَالَ مَنْ شِئْتَ، وَسَالِمْ مَنْ شِئْتَ، وَعَادِ مَنْ شِئْتَ، وَخُذْ مِنْ أَمْوَالِنَا مَا شِئْتَ "یعنی آپ جس سے چاہیں تعلق رکھیں! جس سے چاہیں تعلق توڑیں! جس سے چاہیں صلح کریں! جس کو چاہیں دشمنوں کی صف میں داخل کریں! ہمارے مالوں میں سے جو چاہیں قبول فرمالیں!" ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ سن کر آپ خوب مسکرائے اور بے حد خوش ہوئے۔[3] اور فتح کی خوش خبری عطا فرمائی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انصار و مہاجرین دونوں کو نکلنے کا فرمایا، آپ کی بات پر لبیک کہتے ہوئے مہاجرین و انصار سب تیار ہو گئے۔ انصار چونکہ پہلی دفعہ جا رہے تھے اس لیے انہوں نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا۔ چنانچہ آپ 12 رمضان 2 ہجری (624 عیسوی) کو بنا کسی بڑی جنگی تیاری کے چل پڑے، جو جس حال میں تھا اسی حال میں روانہ ہو گیا۔ اس لشکر میں مسلمانوں کے پاس نہ زیادہ ہتھیار تھے، نہ فوجی راشن کی کوئی بڑی مقدار تھی کیونکہ کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ اس سفر میں کوئی بڑی جنگ ہو گی۔

---

1 السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، 2/391، 392 ملتقطاً

2 بخاری، 3/5، حدیث: 3952

3 مصنف ابن ابی شیبہ، 20/302، حدیث: 37815 ملخصاً

www.dawateislami.net

بہر حال مدینہ شریف سے ایک میل دور آپ نے لشکر کا جائزہ لیا اور چھوٹے بچوں کو واپس جانے کا حکم فرمایا۔ مزید کچھ ضروری اقدامات فرما کر آپ بدر کے میدان کی طرف چل پڑے۔ اب کُل فوج کی تعداد 313 تھی۔ جن میں 60 مہاجر باقی انصار تھے۔

فضائے بدر پیدا کر!

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ دشمن کی تعداد تین گنا سے بھی زائد ہے، وہ پوری طرح مسلّح ہے، اس کے پاس آلاتِ حرب کی فراوانی ہے، ہر طرح کی تیاری کے بعد وہ جنگ کیلئے میدان کا رخ کر رہا ہے جبکہ مقابلے میں آنے والے مجاہدین کی جنگ کی کوئی خاص تیاری نہیں ہے، ان کے پاس پوری تلواریں تک نہیں ہیں، سامانِ جنگ بھی نہ ہونے کے برابر ہے، لیکن مجاہدین پیچھے ہٹنے کے بجائے دشمن کو دھول چٹانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ جنگی نکتۂ نظر سے دیکھا جائے تو بغیر تیاری اور اسلحے کے اپنے سے تین گنا بڑے دشمن سے ٹکرا جانا بظاہر عقل میں نہیں آتا۔ لیکن جب جنگ ہوئی تو صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان نے عقل و خرد کے یہ سارے شکوک و شبہات مٹی میں ملا دیئے۔ کمزور، ناتواں اور چھوٹا سا لشکر اپنے سے تین گنا بڑی فوج کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے اور انہیں عبرت ناک شکست کا مزہ چکھاتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان کے فیصلے اور ارادے عقل کی بنیاد پر نہیں تھے بلکہ اللہ پاک اور اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے عشق و محبت کی بنیاد پر تھے۔ وہ بدر کے میدان میں جا پہنچے اور اپنا تن من دھن سب راہِ عشق میں لٹانے کیلئے تیار ہو گئے، ان کے اسی جوش و جذبے کا اثر تھا کہ ان کی مدد کو رب کے فرشتے پہنچے اور ان کے ساتھ مل کر جہاد میں شریک ہوئے۔ اس سے درس مل رہا ہے کہ اگر "فضائے بدر" پیدا ہو جائے تو رب کی رحمت کے فرشتے قطار در قطار مدد کیلئے نازل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ جوش و

www.dawateislami.net

جذبہ ہے جسے آج بھی بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔

جنگ کی ضرورت نہیں!

ادھر ابوسفیان کو مسلمانوں کے نکلنے کی خبر ملی تو انہوں نے یہ کیا کہ راستہ بدل کر قافلے کو سمندر کی جانب لے گئے۔ یوں مسلمانوں کے لشکر سے اس کا سامنا نہ ہوا۔ اب انہوں نے کافروں کے لشکر کو خبر بھیجی کہ ہم محفوظ ہیں، لہٰذا آپ واپس جائیں! جنگ کی ضرورت نہیں ہے۔ قریش کے بعض لوگ واپس جانے پر راضی ہو گئے لیکن کچھ نے جنگ پر اصرار کیا، بالخصوص طاغوتِ اکبر ابوجہل جنگ کرنے کے معاملے میں پیش پیش تھا، اس نے بعض قبائل کو جنگ پر راضی کر لیا اور بدر کا رخ کیا۔[1]

اسلامی مساوات کا عملی مظاہرہ

مسلمانوں کے پاس دیگر چیزوں کی طرح سواریوں کی کمی تھی۔ ایک ایک اونٹ پر تین تین افراد باری باری سواری کرتے تھے۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے خود بھی حضرت علی اور ایک دوسرے صحابی کے ساتھ اپنی باری مقرر فرمائی۔ ایک خاص حد تک سوار ہونے کے بعد انہیں فرمایا کہ اب تم لوگ سوار ہو۔ اس پر دونوں نے عرض کی: آپ سواری کریں! ہم پیدل چل لیں گے۔ مگر آپ نے ارشاد فرمایا: مَا اَنْتُمَا بِاَقْوٰی عَلَی الْمَشْیِ مِنِّیْ، وَلَا اَنَا بِاَغْنٰی عَنِ الْاَجْرِ مِنْکُمَا یعنی نہ تمہیں چلنے کی طاقت مجھ سے زیادہ ہے نہ مجھے ثواب کی چاہت تم سے کم ہے۔[2] سبحان اللہ! جب لیڈر اور قائد ایسے جذبے سے سرشار ہو تو اس کی قوم میں بجلیاں بھر

1 طبقات لابن سعد، 2/9تا10 ملخصاً

2 الروض الانف، 3/73، 74

جاتی ہیں، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم تو قائد ولیڈر ہونے کے ساتھ اللہ پاک کے نبی اور رسول بھی تھے۔ درحقیقت آپ کا یہ فرمان آنے والے تمام قائدین، سپہ سالاروں اور امیروں کیلئے پیغام ہے کہ حقیقی قائد وہی ہوتا ہے جو اپنے ادنیٰ کارکن اور سپاہی کے کندھے سے کندھا ملا کر مشکلات برداشت کرے۔ اسی سے قوم میں جذبہ اور جوش پیدا ہوتا ہے۔

قریش کی جاسوسی

بہر حال جب مسلمانوں کا لشکر بدر پہنچا تو آپ نے چند صحابہ کو حالات معلوم کرنے بھیجا، انہوں نے پانی لے جانے والے دو غلام پکڑے۔ غلاموں نے کافروں کے حالات بتانے میں پس و پیش کیا تو آپ نے الگ زاویے سے سوالات کیے۔ جن سے معلوم ہو گیا کہ کافروں کی تعداد نو سو سے ایک ہزار تک ہے۔ ان دونوں نے یہ بھی بتادیا کہ کافروں کے ساتھ کون کون ہے؟ مکہ کے بڑے بڑے مجرموں کے نام سن کر آپ نے صحابۂ کرام سے فرمایا: مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے سامنے ڈال دیا ہے۔ ①

موت کی سواریاں

بدر پہنچ کر کافروں نے بھی اپنی طرف سے عمیر بن وہب (جو بعد میں مسلمان ہوگئے) کو مسلمانوں کے لشکر کا جائزہ لینے کیلئے بھیجا، ان کے تاثرات یوں تھے: اے گروہِ قریش! میں نے ایسی اونٹنیاں دیکھی ہیں جو موت کو لادے ہوئے ہیں، بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ ان میں سے ایک بندہ بھی اس وقت تک قتل نہیں ہو گا جب تک کہ ایک بندے کو خود قتل نہ کر دے۔ اگر ہم میں سے تین سو بندوں کو بھی انہوں نے تہ تیغ کر دیا تو پھر جینے میں کیا لطف رہے گا۔ ②

① الروض الانف، 3/59، 60- سیرتِ حلبیہ، 2/208

② سبل الہدیٰ والرشاد، 4/31 ملخصًا

www.dawateislami.net

جنگ کی روداد

بدر کے میدان میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تجویز پر ایک بلند ٹیلے پر ایک چھپر [1] نما سائبان بنا دیا گیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام آخر تک وہاں تشریف فرما رہے اور وہیں سے جنگ کی قیادت فرماتے رہے۔ 17 رمضان 2 ہجری مطابق 13 مارچ 624 عیسوی کو جمعہ کے دن آپ نے مجاہدین کی جنگی اصولوں کے تحت صف بندی فرمائی۔ عرب کے جنگی اصولوں کے تحت پہلے ہر لشکر سے مشہور بہادر میدان میں اتر کر مقابلہ کرتے تھے اور بعد میں حملہ کیا جاتا تھا۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا، عتبہ، اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کے ساتھ سامنے آیا اور چیلنج کیا، ان کے مقابلے میں حضرت امیر حمزہ، حضرت عبیدہ اور حضرت مولا علی رضی اللہ عنہم آئے۔ حضرت حمزہ و حضرت علی دونوں خدا کے شیر تھے، پلک جھپکنے میں اپنے حریفوں کو خاک میں ملا دیا، پھر انہوں نے حضرت عبیدہ کی مدد کرتے ہوئے ان کے مقابل کو بھی جہنم رسید کیا۔ حضرت عبیدہ کو شدید زخم آئے۔ انہوں واپسی کے سفر میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

دعائیں ہی دعائیں

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام چھپر تلے تشریف لے گئے اور مصروفِ دعا ہوگئے۔ کبھی عجز و انکسار کی تصویر بن کر دعائیں کرتے اور کبھی ناز بھرے انداز میں فتح یابی کی دعائیں مانگتے، کبھی نیاز بھرے انداز میں رب کی رحمت طلب کرتے اور کبھی سجدہ کناں ہو کر اسمائے حسنیٰ کی تکرار کرتے۔ یہ سجدے اور ان میں کی گئی دعائیں، یہ اشک باریاں اور ناز و نیاز کی سرگوشیاں دیر تک جاری رہیں، ان میں آپ ایسے محو ہوئے کہ مبارک چادر شانوں سے

[1] عربی میں چھپر کو عریش کہتے ہیں۔ آج کل میدانِ بدر میں مسجد عریش ہے، کہا جاتا ہے یہ وہیں پر بنائی گئی ہے جہاں یہ سائبان تھا۔

www.dawateislami.net

ڈھلک گئی مگر آپ کے معمول میں کوئی فرق نہ آیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر تڑپ اٹھے، آگے بڑھے، چادر مبارک شانوں پر درست کی، پشتِ انور سے چمٹ گئے اور نہایت غمگسارانہ انداز میں عرض کرنے لگے: یا نبی اللہ! آپ کو اپنے پروردگار سے اتنی ہی درخواست کافی ہے، اللہ پاک تمام وعدے پورے فرمائے گا، فتح عطا فرما کر آپ کے چہرے کو اور روشن فرمائے گا۔[1] آپ کی دعائیں رنگ لائیں، رب کی مدد بھی شاملِ حال رہی، پانچ ہزار فرشتے زرد اور سفید رنگ کے عمامے باندھے شریک ہوئے۔[2] جبکہ بے سرو سامانی کے باوجود صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان بڑی بے جگری سے لڑے اور شجاعت و بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن کے دانت کھٹے ہو گئے۔ کافروں کے بڑے بڑے سرداروں کی ہلاکت سے قریش کے لشکر نے حوصلہ ہار دیا اور ہتھیار ڈال کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے کافروں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ اس جنگ میں کفار کے 70 آدمی قتل ہوئے اور اتنے ہی قیدی بنے۔ ان ستر کافروں میں سے کئی ایسے تھے جن کے بارے میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے جنگ سے پہلے نورِ نبوت کی روشنی میں بتا دیا تھا کہ یہ کہاں کہاں مریں گے۔ جنگ کے بعد صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان نے دیکھا تو جیسے آپ نے فرمایا تھا ویسے ہی ہوا۔[3] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا علم بے مثل و بے مثال تھا، کون مرے گا؟ کب مرے گا؟ اور کہاں مرے گا؟ یہ تینوں باتیں غیبی امور سے ہیں، لیکن اللہ پاک نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو ان سب باتوں کا علم عطا فرما دیا تھا۔

---

1. مسلم، ص750، حدیث:4588 ملخصاً - سیرتِ حلبیہ، 2/223 ملخصاً
2. تفسیر جلالین، پ4، آل عمران، تحت الآیۃ:125، ص60
3. مسلم، ص759، حدیث:4621 ملخصاً

معرکۂ بدر کے مقام کا ممکنہ فضائی نقشہ

جنگ کے نتائج

بہر حال کفار کا قافلہ تو بچ نکلا مگر مسلمانوں نے اس جنگ میں شاندار کامیابی حاصل کی، جس سے ان کی شان و شوکت میں اضافہ ہوا۔ پورے عرب میں ان کی شہرت بھی ہو گئی اور دبدبہ بھی بیٹھ گیا۔ جبکہ کافروں کی عزت بھی خاک میں مل گئی اور ان کی جنگی طاقت بھی فنا ہو گئی۔ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فتح کے بعد تین دن تک بدر ہی میں قیام فرمایا۔ وہاں سے تشریف لانے سے پہلے آپ اس گڑھے پر تشریف لائے جس میں مشرکین کی لاشیں پھینکی گئی تھیں۔ کنارے پر کھڑے ہو کر آپ نے مرے ہوئے کافروں کو نام بنام پکارا اور ان سے کلام فرمانے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ساتھ کھڑے تھے، مُردوں سے آپ کو باتیں کرتا دیکھ کر بڑے حیران ہوئے، عرض کی: بے جان مُردوں سے خطاب و کلام؟ آپ نے فرمایا: وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْھُمْ یعنی اس ذات کی قسم جس

کے قبضے میں میری جان ہے! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ ① غور طلب ہے کہ جب کافر مردے سب سن سکتے ہیں تو مردہ مؤمن و مسلمان کیوں نہیں سن سکتے؟ معلوم ہو رہا ہے کہ مؤمنین، اولیا، شہدا اور انبیا بھی وفات کے بعد سب سننے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہ طاقت عطا فرمانے والا وہی رب ہے جس نے پہلے بھی انہیں یہ طاقت عطا فرمائی تھی۔ بہر حال نبی کریم کے اس کلام کے بعد اسلامی لشکر رب کی حمد و ثنا کرتا، فتح و کامیابی کا پرچم لہراتا مدینہ شریف کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک مقام پر آپ نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔

قیدیوں کا معاملہ

مدینہ پہنچ کر ستر قیدی آپ کی بارگاہ میں پیش کئے گئے۔ آپ نے انہیں صحابۂ کرام میں تقسیم فرما دیا اور تاکید کی کہ ان کے کھانے، آرام و دیگر ضروریات کا خیال رکھیں اور انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دی جائے۔ یہی سلوک آپ کی شانِ رحمت کے لائق تھا۔ قیدیوں سے کیا سلوک کیا جائے؟ اس پر آپ نے مشورہ فرمایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ انہیں فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ سب کو قتل کر دیا جائے، اس طرح کے جو قیدی جس مسلمان کا قریبی بنتا ہے وہی اس کی گردن مارے۔ اور بھی تجاویز آئیں مگر حضرت ابو بکر کی تجویز پر عمل کیا گیا۔ ②

غزوۂ بدر کے اسباق

غزوۂ بدر کا سب سے پہلا سبق یہی ہے کہ اسلحہ، لشکر کی کثرت اور سامانِ حرب کی فراوانی وغیرہ سب ثانوی چیزیں ہیں۔ اگر اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

① بخاری، 3/11، حدیث:3976

② مسلم، ص750، 751، حدیث:4588 ملخصاً

www.dawateislami.net

سے سچی وفا اور عشق و محبت کا جذبہ دل میں ہو تو کمزور اور ناتواں لشکر بڑی بڑی فوجوں کو پچھاڑ سکتے ہیں۔ آج اسی جذبے کو دوبارہ سے پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔

ایک سبق یہ بھی ہے کہ غزوۂ بدر کے اس واقعے میں کئی مقامات پر اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان سے مشورے کئے اور ان کے مشوروں پر عمل کیا۔ بلکہ کئی مقامات پر صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان نے خود آگے بڑھ کر مشورے پیش کئے جنہیں آپ نے قبولیت سے نوازا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لیڈر اور قائد کو ہر اہم اقدام اپنے ساتھیوں کے مشورے سے کرنا چاہیے۔ نیز باہمی ماحول بھی ایسا ہونا چاہیے کہ عظیم ترین لیڈر کو بھی اس کے ساتھی بلا جھجک مشورے دے سکیں۔

کئی احادیث سے ثابت ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے پہلے سے بشارت عطا فرمادی تھی کہ فتح ہماری ہوگی، آپ نے یہاں تک ارشاد فرمادیا تھا کہ کون سا کافر کہاں مرے گا۔ اس یقین اور ان اطلاعات کے باوجود جب جنگ شروع ہوتی ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم عاجزی و انکساری کے ساتھ مصروفِ دعا ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ دعا و التجا اور اس میں عاجزی و انکساری یہی وہ مقصد ہے جس کیلئے انسان کی تخلیق کی گئی ہے اور یہ مقصد کبھی بھی فراموش نہیں ہونا چاہیے۔ نیز اس سے یہ بھی سمجھ آتا ہے کہ وسائل و اسباب جتنے بھی ہوں، کامیابی اور کامرانی محض رب کی توفیق اور اس کی تائید کے ساتھ خاص ہے۔ اصل کامیابی یہی ہے کہ ہم رب کے عاجز اور منکسر بندے بن جائیں۔ یہ مقام جب نصیب ہوتا ہے تو بندے کی دعائیں قبولیت کے مراحل طے کر لیتی ہیں۔ کافر اسی لیے رسوا ہوئے کہ وہ متکبر تھے اور سرکشی میں جھومتے ہوئے یہاں آئے تھے جبکہ مسلمان اسی لیے

www.dawateislami.net

فتح یاب ہوئے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم عاجزی و انکساری کے پیکر بن کر رب سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

غزوۂ بنو قینقاع

شوال 2 ہجری میں مدینہ پاک کے ایک یہودی قبیلے بنو قینقاع نے اپنے معاہدے سے غداری کر دی، مسلمانوں سے ان کا معاہدۂ امن موجود تھا، جس کی پاسداری ان پر لازم تھی۔ لیکن برا ہو حسد کا کہ بدر کی فتح نے یہودیوں کے دلوں کو حسد کی آگ میں کباب کر ڈالا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مسلم خاتون خریداری کیلئے ان یہودیوں کے بازار گئی، تو انہوں نے اس باپردہ خاتون سے بدتمیزی کی، اس خاتون کی چیخ و پکار ایک مسلمان کے کان میں پڑ گئی اور وہ ادھر متوجہ ہو گیا۔ صورت حال واضح ہونے پر مسلمان نے اس بدتمیز یہودی کو آناً فاناً خاک و خون میں نہلا دیا۔ اس کے ساتھی یہودیوں نے حملہ کر کے اس بیچارے کو شہید کر دیا۔ یوں یہودیوں اور مسلمانوں کی آپس میں ٹھن گئی۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تشریف لائے اور یہودیوں کو سمجھایا کہ جنگ سے باز آجائیں مگر غرور اور حسد کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا اور صلح کی کوئی راہ نہ نکلی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو بزدل یہودی دُم دبا کر بھاگے اور قلعے میں پناہ لے لی۔ پندرہ دن کے محاصرے کے بعد انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ عبد اللہ بن ابی منافق کی منت سماجت سے ان کی جان بخشی ہوئی اور طے ہوا کہ تین دن کے اندر یہودی اپنا مال و متاع اور تمام اسلحہ مسلمانوں کے حوالے کر کے مدینہ پاک سے خالی ہاتھ نکل جائیں۔ یوں بنو قینقاع ہمیشہ کیلئے مدینے سے نکال دیئے گئے۔ [1]

1 الروض الانف، 3/224 تا 226 ملخصاً

www.dawateislami.net

غزوۂ بنو قینقاع کا ممکنہ موجودہ مقام

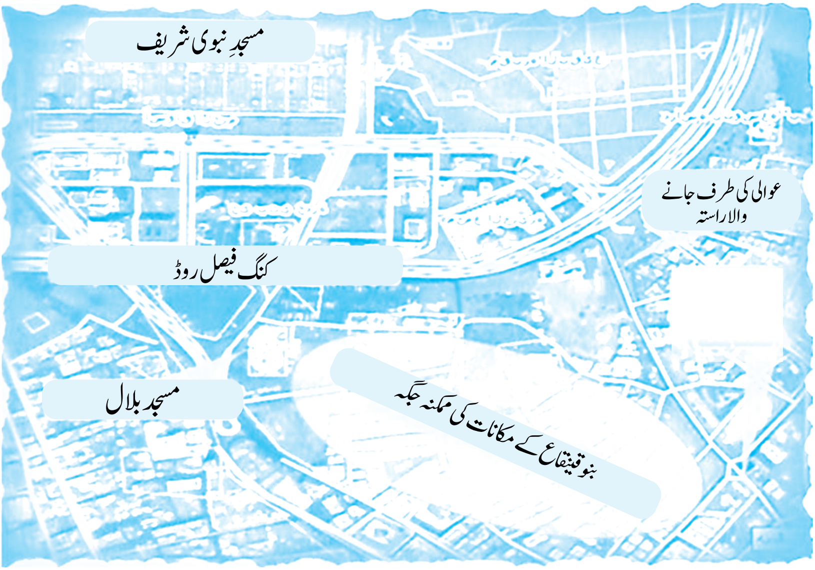

غزوۂ سویق

اسی سال ہی غزوۂ سویق بھی پیش آیا۔ ہوا یہ کہ غزوۂ بدر کی ذلت آمیز شکست کے بعد ابو سفیان (جو بعد میں مسلمان ہو گئے) نے منت مانی کہ جب تک بدر کے کافروں کا انتقام نہ لے لیں نہ غسل کریں گے نہ بالوں میں تیل لگائیں گے۔ اپنے مقصد کی تکمیل کیلئے دو سو اونٹ سوار لے کر ذوالحج کے مہینے میں مدینے کی طرف بڑھے۔ یہاں انہوں نے یہودیوں کی مدد حاصل کرنا چاہی مگر بدر کی وجہ سے مسلمانوں کی دھاک بیٹھ چکی تھی، اس لیے سب نے معذرت کی۔ ابو سفیان نے مدینے کے مضافات میں ایک انصاری کے باغ کو آگ لگائی اور وہاں موجود دو افراد کو شہید کر دیا اور اپنی قسم پوری کرنے کا اعلان کر دیا۔ جو نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تک خبر پہنچی تو آپ نے دو سو غلاموں کا دستہ لیا اور اس لشکر کفار کا تعاقب

کیا، ابوسفیان اور مکہ کے کافر اس تعاقب سے خائف ہو کر تیزی سے بھاگے کہ اپنے لشکر کے کھانے کیلئے لائی گئی ستو کی بوریاں راستے میں گراتے گئے تا کہ فرار میں آسانی ہو۔ عربی زبان میں ستو کو "سَوِیْقٌ" کہتے ہیں۔ اسی لیے اس غزوہ کا یہی نام پڑ گیا۔ ①

غزوۂ اُحد

سن تین ہجری (625 عیسوی) کے اہم ترین واقعات میں سے ایک غزوۂ احد ہے۔ عرب میں قتل کا بدلہ لینے کا رواج صدیوں سے چلا آرہا تھا۔ قبیلے کے کسی فرد کا قتل اس کے حلیفوں پر گویا جنگ فرض کر دیتا تھا۔ جبکہ بدر میں تو ستر قتل ہو گئے تھے، ان ستر کے انتقام کی آگ کے بجھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مکے کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں کسی کا اپنا قتل نہ ہوا ہو۔ اس وقت اہلیانِ مکہ کے گھروں کا ماحول پڑھ کر آج بھی عقل حیران ہوتی ہے۔ ان کے بڑے بڑے سردار تو اس جنگ میں کام آگئے تھے تو اب کوئی ایسا عقل مند نہ تھا جو انہیں صبر کی تلقین کرتا یا تحمل کے جام پلاتا۔ پھر اس جنگ میں شکست نے انہیں عزت و وقار کے ساتھ ساتھ ملکِ شام کے تجارتی سفر کی پُرامن راہداری سے بھی تقریباً محروم کر دیا تھا۔ یوں انہیں اپنی معیشت و سیاسی شہرت کا خاتمہ یقینی نظر آرہا تھا۔ ان سب امور نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ ایک بار پھر ہمت پکڑیں اور انتقام کیلئے آگے بڑھیں۔

کافروں کی جنگی تیاری

چنانچہ قریش کے چند سردار عکرمہ بن ابوجہل سمیت ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا کہ ایک سال ہو گیا ہے غموں سے ہمارے کلیجے پھٹ رہے ہیں۔ ہر گھر میں ماتم ہو رہا ہے اور ہر گھر

1 الکامل فی التاریخ لابن اثیر، 2/36 ملخصاً

www.dawateislami.net

سے انتقام کی آوازیں ہیں۔ آخر کب تک ہم یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے ؟ لہٰذا اب ہمیں پوری قوت سے مدینہ پر حملہ کرنا چاہیے اور دشمن کو تہس نہس کر دینا چاہیے۔ ابوسفیان نے فوراً ہاں میں ہاں ملادی۔ طے ہوا کہ جو تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے آیا تھا اور جس کا سامان دار الندوہ میں ابھی تک رکھا ہوا تھا، اس کا اصل مال مالکوں کو واپس کر دیا جائے جبکہ اس کے نفع سے جنگ کے اخراجات پورے کئے جائیں۔ سب سے پہلے ابوسفیان نے اپنا اور اپنے خاندان کا منافع جنگ کیلئے الگ کر دیا۔ یوں سب نے ان کی پیروی کی۔ اس کے بعد انہوں نے اطراف کے قبیلوں کو بھی جنگ میں ساتھ دینے کی دعوت دی مگر مسلمانوں کے رعب کی وجہ سے اس کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ پھر بھی ابوسفیان نے تین ہزار کا لشکر جمع کر لیا۔ جن میں قریش کے ساتھ بنو کنانہ، اہلِ تہامہ، کچھ اور قبیلوں کے لوگ بھی شامل تھے۔ لشکر میں سات سو زرہ پوش اور تین سو گھڑ سوار تھے۔ اس دفعہ انہوں نے لشکر کے ساتھ بہت سی عورتیں بھی رکھیں، ان کا رواج تھا کہ خواتین کی موجودگی میں وہ پیچھے نہیں ہٹتے تھے، ورنہ خواتین طعنوں سے ان کا جینا حرام کر دیتی تھیں، نیز خواتین کی ناموس کے خیال سے بھی وہ دل پکا کر کے لڑتے تھے کہ کہیں دشمن ان پر غالب نہ آجائے۔ (1)

مسلمانوں کو اطلاع

حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان ہو گئے تھے لیکن رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کے حکم پر مکہ میں ہی تھے، انہوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو ایک مکتوب کے ذریعے نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو آگاہ کیا۔ جیسے ہی آپ کو خط ملا تو آپ نے جوابی

(1) شرح الزرقانی علی المواہب، 2/386، 391 ملتقطاً وملخصاً

اقدامات کرنے شروع فرمائے۔ آپ نے دو صحابی بطور جاسوس بھیجے، جنہوں نے یہ خبر دی کہ کافر مدینے کے بہت قریب آ گئے ہیں۔ کافروں کے لشکر کی تعداد کا بھی آپ کو پتہ چل گیا۔ اس کے بعد آپ نے جنگ سے متعلق صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ فرمایا۔ آپ نے دفاعی حکمتِ عملی پر مبنی رائے پیش فرمائی کہ مدینے میں رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ دشمن جب یہاں داخل ہو تو مسلمان اپنی مرضی کی گلیوں میں تیروں اور نیزوں سے ان کا استقبال کریں، گھات لگا کر ان پر حملے کریں، جبکہ مکانوں سے ان پر سنگ باری ہو۔ یوں وہ خود ہی انجام کو پہنچے گا۔ لیکن اکثر صحابہ نے رائے دی کہ باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں اور جہاد و شہادت کے مزے لیتے ہیں۔ ان میں حضرت امیر حمزہ بھی شامل تھے۔ رِضْوَانُ اللہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِین آپ نے اکثر کی بات پر فیصلہ فرمایا اور اسی پر عمل ہوا۔ [1]

مصطفٰی جانِ رحمت — لشکروں کی آمد

کافروں کے لشکر نے شوال بدھ کے دن میدانِ اُحُد [2] میں خیمے گاڑ دیئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم مسلمانوں کا ایک ہزار کا لشکر لے کر جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے بعد مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ عبداللہ بن ابی منافق جس نے غزوۂ بدر کے بعد اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا، وہ اپنے تین سو بندوں کے ساتھ اس لشکر میں شریک تھا، مگر راستے میں بہانہ بنا کر اپنے ساتھیوں کو لیے واپس چلا گیا، یوں باقی سات سو افراد رہ گئے۔ [3] مدینہ شریف سے

1 شرح الزرقانی علی المواہب، 2/391 تا 402 ملتقطاً و ملخصاً

2 "احد" ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل دور ہے۔ چونکہ حق و باطل کا یہ عظیم معرکہ اسی پہاڑ کے دامن میں پیش آیا، اسی لئے یہ لڑائی "غزوۂ اُحد" کے نام سے مشہور ہے۔ (معجم البلدان، 1/95 مفہوماً)

3 تاریخ طبری، 127 تا 129 ملخصاً- عمدۃ القاری، 12/89

www.dawateislami.net

باہر آکر آپ نے کم سِن بچوں کو لشکر سے الگ کیا اور انہیں واپس جانے کا حکم فرمایا۔

مسلمانوں کی جنگی حکمتِ عملی

آپ نے صف بندی فرماتے ہوئے احد پہاڑ کو پیچھے رکھا تاکہ پشت محفوظ ہو جائے، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت زبیر بن عوام، حضرت امیر حمزہ علیہم الرضوان لشکر کے مختلف حصوں کے کمانڈر مقرر ہوئے۔ وہاں موجود ایک چھوٹی پہاڑی کے پیچھے سے دشمن کے حملہ کرنے کا اندیشہ تھا اس لیے اس پہاڑی پر حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پچاس مجاہدین کو مقرر فرمایا کہ وہ اس جگہ سے نگرانی کریں اور دشمن کو وہاں سے حملہ کرنے سے باز رکھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ان پچاس مجاہدین سے فرمایا: اِحْمُوْا ظُهُوْرَنَا، فَاِنْ رَاَيْتُمُوْنَا نُقْتَلُ، فَلَا تَنْصُرُوْنَا، وَاِنْ رَاَيْتُمُوْنَا قَدْ غَنِمْنَا فَلَا تُشْرِكُوْنَا یعنی تم ہماری پشت پر حفاظت کرنا اور اگر تم دیکھو کہ (خدانخواستہ) ہمیں قتل کیا جا رہا ہے تب بھی ہماری مدد کو مت آنا! اور اگر تم دیکھو کہ ہم فتح پا کر غنیمت جمع کر رہے ہیں تب بھی ہمارے ساتھ شریک مت ہونا۔ [1] غیب دان رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے فرامین سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ خیالات جو بعد میں مجاہدین کے دلوں میں پیدا ہوئے وہ سب آپ نے پہلے سے بیان فرما کر ان کی کاٹ کر دی، مگر قدرت کا لکھا ہو کے رہتا ہے اور وہی ہوا جس اندیشے کا اظہار آپ نے فرمایا تھا۔

کافروں کی چال

کافر چونکہ بدر میں منہ کی کھا چکے تھے اس لیے اب کی بار خاصے محتاط تھے، وہ پہلے کی

[1] مسند احمد، 4/368، حدیث:2609

غلطیوں سے سیکھ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ بڑی عقل لڑا کر انہوں نے صف بندی کی کہ اسی پر جنگ کا مدار ہوتا ہے۔ جنگ سے پہلے کافروں کی طرف سے چال چلی گئی کہ اوس و خزرج کے پاس پیغام بھجوایا گیا کہ ہماری تم سے کوئی جنگ نہیں۔ تم بیچ سے ہٹ جاؤ! ہم اپنے دشمنوں سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ لیکن ان کی یہ چال ناکام ہوئی کہ اوس و خزرج کے عاشقانِ رسول اپنے آقا کا دامنِ رحمت چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ انہیں یقین تھا سب کامیابیاں اسی دامن سے وابستہ رہنے میں ہیں۔

جنگ کا آغاز

جنگ کی ابتداء کافروں کی طرف سے ہوئی کہ وہی جنگ سے شمعِ اسلام کو بجھانے آئے تھے۔ ابو عامر وہ پہلا شخص تھا جس نے جنگ کا آغاز کیا، مسلمانوں کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کی اجازت سے حضرت ابو دجانہ رضی اللہُ عنہ سب سے پہلے میدانِ جنگ میں نکلے۔ پہلے چند مقابلے ہوئے اور اس کے بعد عام جنگ شروع ہوئی، جب جنگ کا بازار گرم ہوا تو اللہ کے سپاہی جم کر لڑے اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ حضرت ابو دُجانہ، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت سعد بن معاذ، حضرت مصعب بن عمیر اور عبد اللہ بن جحش رِضوانُ اللہِ علیہم اجمعین سمیت دیگر صحابہ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کے آگے جاں نثاری اور جاں بازی کے ایسے جوہر دکھا رہے تھے جن سے دشمن کی صفوں میں خوف پھیل رہا تھا۔

مسلمانوں کا پلڑا بھاری

مسلمانوں کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ حضرت امیر حمزہ نے جامِ شہادت نوش

فرمایا۔ وحشی غلام [1] نے اپنے آقا سے ان کو شہید کرنے پر اپنی آزادی کا سودا کیا ہوا تھا، اس لیے شروع سے ہی حضرت امیر حمزہ کی تاک میں رہا تھا، موقع ملنے پر دور سے چھپ کے ایسے نیزہ مارا کہ آرپار ہو گیا اور آپ شہید ہو گئے۔ [2] ان کے ساتھ اور بھی کچھ مسلمان شہید ہوئے مگر اب تک مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا۔ جبکہ کافروں کے بڑے بڑے سورما خاک و خون میں مل چکے تھے اور اب ان کے لشکر پر دہشت چھانے لگی، یہاں تک کہ ان کے قدم اکھڑنے لگے، حواس کام چھوڑنے لگے، انہیں اپنی موت اور شکست سامنے نظر آنے لگی تو وہ فرار ہونے کی فکر کرنے لگے اور ان کی صفوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ان کے سوار دستوں نے چھوٹی پہاڑی کے پیچھے سے تین بار حملہ کرنے کی کوشش کی مگر پہاڑی پر موجود سپاہیوں کی تابڑ توڑ تیر اندازی نے انہیں ہر بار پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

فتح قریب...... لیکن!

اب تک کی جنگ نے کافروں کی عورتوں کو بھی وحشت زدہ کر دیا تھا اور وہ بھی بھاگ رہی تھیں، لیکن ان کی چند خواتین نے ایک چال چلی، وہ آگے بڑھیں، چیخ چیخ کر قریش کو طعنے مارنے لگیں اور ان کی غیرت جگانے لگیں، ان میں سے ایک عورت میدانِ جنگ میں آئی اور ہمت کر کے لشکرِ قریش کے جھنڈے کو زمین سے اٹھا لیا جسے وہ روندتے ہوئے بھاگ رہے تھے، اس نے جھنڈا فضا میں لہرایا اور قوم کو دہائی دی اور ان کی غیرت کو للکارا، اس کے لعن

---

1 حضرت وحشی رضی اللہ عنہ بعد میں ایمان لے آئے اور صحابی ہوئے اور کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ مسیلمہ کذاب کو انہوں نے اپنے نیزے سے ہلاک کیا تھا۔

2 بخاری، 3 / 41، حدیث: 4072

www.dawateislami.net

طعن سے قریش دوبارہ جمع ہونے لگے۔[1] مسلمانوں کو اس کی توقع نہ تھی، ان میں سے ایک تعداد تھی جو فتح یقینی سمجھ کر مبارک بادی، رب کے شکر اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ چھوٹی پہاڑی پر موجود مسلمانوں نے جب یہ مناظر دیکھے تو انہوں نے وہاں سے ہٹنے کا ارادہ کیا اور اپنے افسر حضرت عبد اللہ بن جبیر سے اس کا اظہار کیا، انہوں نے سختی سے منع کیا۔ لیکن ان کی شدید مخالفت کے باوجود مجاہدین کی ایک جماعت پہاڑی سے نیچے آ کر اپنے بھائیوں کا ہاتھ بٹانے لگی۔[2] جنگ کی افرا تفری میں کسی کی اس طرف توجہ نہ گئی جبکہ ٹیلے پر محض دس مجاہدین رہ گئے تھے جن میں ان کے افسر بھی شامل تھے۔

کافروں کا واپسی حملہ

لشکرِ کفار کے ایک افسر خالد بن ولید نے ٹیلے پر اس ہلچل کو محسوس کر لیا، اس اہم مورچے کے خالی ہوتے ہی انہوں نے پہاڑ کے پیچھے سے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حملہ کیا اور ٹیلے پر موجود مجاہدین کی مزاحمت کو کچلتے ہوئے ٹیلے پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد انہوں نے لشکرِ اسلام کی پشت سے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ کافروں کی بھاگتی ہوئی فوج نے اس سے مزید ہمت پکڑی اور پھر سے حملہ کر دیا۔ مسلمان بڑے اطمینان سے مالِ غنیمت جمع کر رہے تھے اور پورے میدان میں بکھرے ہوئے تھے، یوں اس ناگہانی حملے سے سنبھل نہ سکے۔ اب ہر ایک لڑائی میں مصروف تھا مگر کوئی ترتیب اور صف بندی باقی نہ رہی تھی۔ یوں ایسی ابتری پھیلی کہ اپنے بیگانے کی پہچان ختم ہو گئی، خود مسلمان مسلمانوں کی تلواروں

---

1 مدارج النبوت، 2/116

2 تفسیرِ محرر الوجیز، پ4، آلِ عمرٰن، تحت الآیۃ: 121، 1/500

www.dawateislami.net

کی زد میں آئے۔ اس عجیب و غریب صورت حال کے باوجود مسلمان ڈٹے ہوئے تھے، وہ کٹ رہے تھے، مر رہے تھے مگر پیٹھ پھیرنے کو تیار نہیں تھے، دشمن اپنی پوری کوشش کے باوجود ان کے قدم اکھاڑنے میں ناکام تھا۔

فریبانہ صدا اور اس کا اثر

اسی دوران کسی شیطان نے زور کی آواز لگائی کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت ایسے نہ تھی۔[1] مجاہدین جو پہلے ہی دشمن کے پلٹنے اور تابڑ توڑ حملوں سے آزمائش میں تھے اس خبر سے شدید صدمے میں چلے گئے۔ خبر سن کر کچھ نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور کہا جب آقا کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہی نہ رہے تو اب جینے میں کیا لطف رہ گیا؟ آؤ! میدانِ کارزار میں چلتے ہیں اور دشمن سے لڑتے لڑتے شہادت کی منزل پاتے ہیں۔ کچھ مجاہدوں کا گروہ مدینہ شریف واپس لوٹ گیا۔ ایسے جاں گداز وقت میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنے مقام پر ڈٹے رہے، آپ ایک بالشت بھی پیچھے نہ ہٹے۔ چند خوش نصیب ایسے تھے جو اس وقت بھی آپ کے ساتھ رہے۔ اسی دوران عبدُاللہ بن قَمِیئَہ بدبخت نے اچانک آپ کو دیکھ لیا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے صفوں کو چیرتا ہوا آیا اور آپ پر حملہ کر دیا۔ ظالم نے پوری قوت سے رخِ انور پر تلوار ماری جس سے خود (War Helmet) کی دو کڑیاں چہرۂ پُرنور میں چبھ گئیں۔ ایک کافر نے آپ کے نور نور چہرے کا نشانہ لے کر پتھر مارا جس سے سامنے والے ایک دانت مبارک کا تھوڑا سا کنارہ بھی شہید ہوا اور ایک مقدس ہونٹ زخمی ہو گیا۔ آپ نے بھی اپنے ہاتھوں سے تیر چلائے۔[2]

1 المغازی للواقدی، ص 235
2 تاریخ الخمیس، 1/430

www.dawateislami.net

مژدۂ جاں فزا

جمالِ نبوت جب اکثر صحابہ کی آنکھوں سے اوجھل تھا اور افواہ سرگرم تھی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں تو ایسے ماحول میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی خوش نصیب آنکھوں نے سب سے پہلے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے رخِ روشن کو پہچانا اور شمعِ رسالت کے پروانوں کو آپ کے پاس جمع ہونے کیلئے پکارا۔[1] آواز سنتے ہی تمام جاں نثار آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ آپ کو زخمی دیکھ کر صحابہ کا خون کھول اٹھا اور وہ اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر آپ کی حفاظت کیلئے کمربستہ ہو گئے۔ اب کافروں کی فوج کو پوری طرح اندازہ ہوا کہ آپ کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں، انہوں نے آپ کو شہید کرنے کے لیے پورا زور لگا دیا، لیکن اب مجاہدین سنبھل چکے تھے۔ جب صورت حال تھوڑی بہتر ہوئی تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا جائے تاکہ زخموں کی دیکھ بھال ہو اور میدانِ جنگ کی کیفیت بھی سامنے رہے۔ چونکہ کافر آپ کے پیچھے تھے اس لیے آپ کو چوٹی پر جاتا دیکھ کر انہوں نے فیصلہ کن حملہ کیا۔ آپ پر تیروں کی بارش کر دی، مگر غلاموں نے بڑی ہمت سے مقابلہ کیا، خوب زخم کھائے، تیروں کو جسموں پر لیا، یہاں تک کہ کئی صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان نے اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے قدموں پر جانوں کے نذرانے پیش کئے اور جنت کے پروانے حاصل کئے۔

جنگ کون جیتا؟

اس جنگ میں کافروں نے مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا لیکن حقیقتاً اپنے

[1] المغازی للواقدی، ص235، 236 ملخصاً

مقاصد کی تکمیل میں ناکام رہے۔ کافروں کا یہ حملہ دو وجوہات کی بنا پر تھا۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو شہید کر دیں اور مکہ میں پناہ لینے والے اور انہیں پناہ دینے والے تمام مسلمانوں کو بھی ختم کر دیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ کم از کم مسلمانوں کو اتنا کمزور کر دیں کہ ان کے حوصلے پست ہو جائیں اور وہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے رک جائیں۔ یہ اللہ پاک کے فضل سے مجاہدینِ اسلام کی زبردست کامیابی تھی کہ سخت حالات پیش آنے کے باوجود بھی کافر اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ستر صحابہ نے جامِ شہادت نوش فرمالیا لیکن انہوں نے اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو اکیلا نہ چھوڑا، نہ ہی میدان چھوڑ کر بھاگے اور نہ ہی ان کے حوصلے پست ہوئے۔

شہدا کی تدفین

جنگ ختم ہونے کے بعد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ شہدائے کرام کی تدفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ سوائے حضرت حنظلہ کے کسی بھی شہید کی لاش سلامت نہیں تھی۔ ظالموں نے سب کا مثلہ [1] کیا ہوا تھا۔ لاشوں کا معائنہ کرتے ہوئے آپ باربار اپنے چچا حضرت حمزہ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ اسی دوران حضرت علی نے اس جگہ کا بتایا جہاں آپ کی لاش دیکھی تھی، حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام جلدی سے وہاں پہنچے۔ محبوب چچا کی لاش دیکھی تو دم بخود ہو گئے۔ حال یہ ہے کہ پیٹ چاک ہے، دل نکلا ہوا ہے، جگر موجود نہیں، ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں، آنکھیں نظر نہیں آرہی ہیں، سارا جسم تیروں، تلواروں

1 مردے کے ناک اور کان کاٹ کر صورت بگاڑ دینے کو مُثلہ کہتے ہیں۔ (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، 2/179 ملخصًا)

www.dawateislami.net

کے زخموں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ اشک بار ہو گئے، یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی، پھر آپ نے ان کیلئے دعائے رحمت کی۔ (1) حضرت حمزہ کا حال دیکھ کر آپ نے ان کی سگی بہن اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ کو وہاں آنے سے منع فرمادیا کہ کہیں اپنے بھائی کی یہ کیفیت دیکھ کر انہیں صدمے سے کچھ ہو نہ جائے۔ انہوں نے عرض کی: میں ضرور صبر کروں گی اور ثواب کی امید رکھوں گی۔ (2) حضرت صفیہ کی یہ کیفیت پوری امت کی خواتین کیلئے درس ہے کہ تکلیفوں پر صبر کیسے کیا جائے۔ اس کے بعد شہدائے کرام کیلئے احد پہاڑ کے دامن میں قبریں کھودی گئیں اور ایک ایک قبر میں دو، دو شہید دفن کئے گئے۔ (3)

مدینہ واپسی

شہدا کی تدفین کے بعد آپ نے دامنِ احد پر کھڑے ہو کر طویل دعا فرمائی اور مدینہ شریف کا رخ فرمایا۔ واپسی پر آپ راستے میں یتیموں کی دلجوئیاں کرتے، بیواؤں کو تسلیاں دیتے، غمزدوں کی ڈھارس بندھاتے اور دکھیاروں کی ہمت بندھاتے مدینہ شریف میں داخل ہوئے۔ اس غزوہ میں مجموعی طور پر ستر صحابہ شہید ہوئے۔ (4) رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم اپنی وفات شریف تک شہدائے احد کے مزارات پر تشریف لے جاتے تھے، ان کیلئے دعائیں فرماتے تھے، آپ کے بعد خلفائے ثلاثہ بھی وہاں حاضری دیتے تھے۔ (5)

---

(1) المنتظم، 3/171
(2) المنتظم، 3/170
(3) بخاری، 1/453، حدیث:1347
(4) بخاری، 3/44، حدیث:4078
(5) مصنف عبدالرزاق، 3/381، حدیث:6745

www.dawateislami.net

احد پہاڑ اور اس کے اطراف کا فضائی منظر

غزوۂ احد کے اسباق

یہ جنگ قیامت تک امت کیلئے کئی اسباق اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ کچھ یہ ہیں:

(1) اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم میدانِ جنگ میں بعد میں تشریف لائے لیکن جنگ کیلئے لشکر کی ترتیب ایسے قائم فرمائی کہ جنگی نکتۂ نظر سے اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پہاڑ کی بلندیوں کی اوٹ لے کر آپ نے لشکر کی پشت اور دایاں بازو محفوظ کر لیا، لشکر کے مرکزی کیمپ کیلئے پیچھے کی طرف ایک اونچی جگہ کا انتخاب فرمایا کہ اگر دشمن کیمپ پر قبضے کی کوشش کرے تو اسے شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑے۔ بائیں طرف سے حملے کا اندیشہ تھا تو ایک تیر انداز دستے کو حکم فرماتے ہیں کہ وہ فلاں پہاڑی پر چلا جائے اور کسی بھی حال میں اپنی جگہ نہ چھوڑے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم

www.dawateislami.net

جنگ کے امور میں بھی بے پناہ مہارت رکھتے تھے۔ گویا آپ پہلے سے جان گئے تھے دشمن کی چالیں کیا ہیں اور ان کو کس طرح ناکام کیا جا سکتا ہے۔

(2) جب دشمن واپس پلٹ کر حملہ کرتا ہے اور پورے لشکر میں بے چینی پھیل جاتی ہے، ایسے میں آپ کی شہادت کی افواہ سرگرم ہو جانے کی وجہ سے جب یہ بے چینی عروج کو پہنچ جاتی ہے تب بھی اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اپنے محاذ پر ڈٹے رہتے ہیں۔ جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے لیڈر، سپہ سالار اور بادشاہ جب دیکھتے ہیں کہ دشمن غلبہ پانے کو ہے تو فوج کو لڑتا چھوڑ کر خود چپکے سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں لیکن آپ نے کمال استقامت کا مظاہرہ فرمایا۔ بلکہ اپنے پاس موجود دیگر صحابہ کے حوصلے بحال رکھے اور ان کی بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی۔ نیز کس غلام کو کہاں استعمال کرنا موزوں ہے آپ نے اس کا بھرپور مظاہرہ فرمایا اور آخر کار اپنے غلاموں یعنی صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان کو جمع فرمالیا۔ ان کے جمع ہونے کے بعد اب تک کے نقصان یا حکم عدولی پر بحث اور زجر و توبیخ کی بجائے ان کی مدد سے سنبھل کر دشمن کا بہترین مقابلہ فرمایا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اپنی ہر ہر صلاحیت میں بے مثل و بے مثال تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ ایک لیڈر کو ہمیشہ آخری دم تک ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔

(3) دیکھا جائے تو یہ جنگ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ جنگ کے ابتدائی حصے میں مسلمان اپنے سے چار گنا بڑے لشکر کو دھول چٹاتے ہیں اور دشمن کا تین ہزار کا لشکر سات سو مجاہدینِ اسلام کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ جنگ کے دوسرے حصے میں دیکھا جائے تو پہاڑی پر مقرر چند مجاہدین کی وجہ سے پورے لشکر کو آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ خود رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی کو بھی تکلیف پہنچائی گئی۔ اس

Go To Index

سے ایک درس یہ ملتا ہے کہ اللہ پاک اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے احکام ماننے میں ہی دین و دنیا کی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ اگر ان سے انحراف کیا جائے گا تو کامیابیاں منہ موڑ لیں گی اور ناکامیاں مقدر بن جائیں گی۔

غزوۂ حمراء الاسد

یہ مستقل کوئی غزوہ نہیں ہے بلکہ غزوۂ احد سے ہی اس کا تعلق ہے۔ مشرکین جب مدینہ سے جنگ کر کے واپس جانے لگے تو راستے میں ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ کچھ کہنے لگے کہ جب ہم کامیاب ہو گئے تھے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیے بغیر کیوں واپس جا رہے ہیں؟ جبکہ کچھ کہنے لگے کہ اس وقت مسلمان جوش اور غصے سے بھرے ہوئے ہوں گے، اب اگر ہم نے انہیں چھیڑ دیا تو ان کے چھوٹے بڑے سب میدان میں آجائیں گے اور ہمیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری یہ (ادھوری) فتح مکمل شکست میں تبدیل ہو جائے اور ہمیں (بدر کی طرح رسوا ہو کر) بھاگنا پڑے۔ بہر حال ان میں سے اکثر کا فیصلہ یہی تھا کہ واپس جا کر پھر سے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہیے اور ان کو دوبارہ کسی مقابلے کے قابل نہیں چھوڑنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تک جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے دوسرے ہی دن ان کے تعاقب کیلئے جہاد کا اعلان فرما دیا۔ کل ہی مجاہدین زخموں سے چور واپس آئے تھے، ابھی زخم تازے تھے اور خون رس رہا تھا لیکن اعلان سنتے ہی سب میدانِ جنگ میں جانے کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ 17 شوال 3 ہجری (625 عیسوی) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی قیادت میں مجاہدین کا یہ کارواں مدینہ پاک سے مشرکین کی سرکوبی کیلئے نکلا۔ مدینہ پاک سے آٹھ دس میل

www.dawateislami.net

کے فاصلے پر موجود مقام حمراء الاسد[1] پر لشکر نے پڑاؤ ڈال دیا۔ وہاں قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی لشکر کے پاس سے گزرا تو اس نے آپ کی دل جوئی کی اور ہونے والے نقصان پر افسوس کیا۔ جب وہ آگے گیا تو اس کی ملاقات کافروں کے لشکر سے بھی ہو گئی، انہوں نے اس سے مسلمانوں کے لشکر کا پوچھا تو اس نے بتایا کہ ان کا لشکر انتقام کی آگ سینوں میں جلائے بڑے جوش اور غضب کے ساتھ تمہارے تعاقب پر ہے۔ اس کی ایسی ہی باتیں سن کر کافر حیران پریشان ہوئے اور مسلمانوں سے لڑائی کے ارمان دل میں رکھے رخصت ہو گئے۔ بعد میں معبد خزاعی نے قاصد بھیج کر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم تک اطلاع بھجوائی کہ کافروں کا لشکر یہاں سے چلا گیا ہے تو مسلمان اللہ پاک کا شکر ادا کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔

غزوۂ غطفان

اسی سال ربیع الاول کے مہینے میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ نجد[2] سے ایک لشکر مدینہ شریف پر حملے کی تیاری کر رہا ہے۔ یوں آپ چار سو صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان کے لشکر کے ساتھ مقابلے کیلئے روانہ ہوئے، انہیں جب خبر ملی تو وہ سب کے سب گھر چھوڑ کر پہاڑوں پر نکل گئے۔ مسلمان جب وہاں پہنچے تو اسی دن موسلا دھار بارش ہوئی،

1 یہ مدینہ شریف سے تقریباً 17 کلو میٹر دور ہے، جبکہ بائی روڈ یہ فاصلہ تقریباً 21 کلو میٹر ہے۔ آج کل یہ مقام مدینہ شریف میں انڈسٹریل ایریاز کے آس پاس ہے۔

2 نجد (Najd) عرب کا وسطی حصہ ہے جو مدینے کے علاقوں تک محیط ہے۔ مقامِ جنگ نجد کے شہروں النخیل (Al Nkheel) اور الحناکیہ (Al Hanakiyah) کے قریب ہے۔ اول الذکر شہر یہاں سے دس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس جگہ کا مدینہ شریف سے بائی روڈ فاصلہ تقریباً 130 کلو میٹر ہے۔

www.dawateislami.net

حضور علیہ الصّلوٰۃُوالسّلام ایک درخت کے نیچے لیٹ کر کپڑے سکھانے لگے۔کافروں نے پہاڑوں سے دیکھا کہ آپ اکیلے اور اپنے ساتھیوں سے دور ہیں تو نجدیوں کے لشکر کا روحِ رواں اور سالار دعثور بن حارث بجلی کی تیزی سے ننگی تلوار لیے آیا اور آپ پر تان کر بولا: بتائیے! اب کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچالے؟ آپ نے فرمایا: میرا اللہ مجھے بچالے گا۔ان

غزوۂ غطفان کے مقام کا ممکنہ فضائی نقشہ

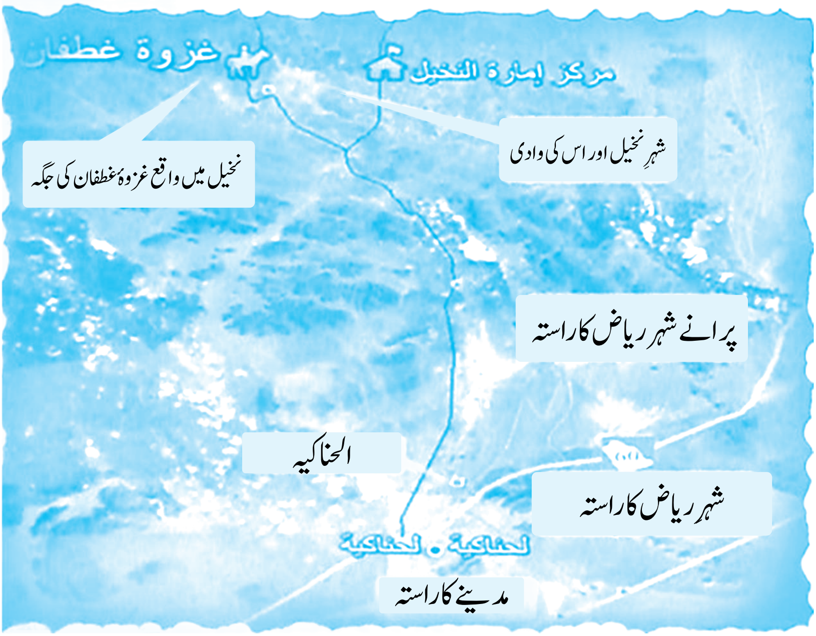

الفاظ کا دعثور پر ایسا اثر ہوا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی، آپ نے تلوار اٹھا کر اس سے فرمایا: اب تجھے میری تلوار سے کون بچائے گا؟ وہ کانپتے ہوئے گویا ہوا: کوئی نہیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو اس کی بے کسی پر رحم آیا اور آپ نے اسے معاف فرما دیا۔ اخلاقِ نبوت کی ان تابانیوں نے اس کے دل کی دنیا کو چمکا دیا، وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور اپنی

www.dawateislami.net

قوم میں اسلام کا مبلغ بن گیا۔ اس غزوہ میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ ①

تین ہجری کے متفرق واقعات

(1) اسی سال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہُ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہُ عنہ کی صاحب زادی ہیں۔ یہ اولین اسلام لانے والے صحابی حضرت خُنَیس بن حُذافَہ قرشی رضی اللہُ عنہ کی زوجہ تھیں۔ ان کے رحلت کے بعد حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے ان سے نکاح فرمایا اور یوں یہ مسلمانوں کی امی جان بن گئیں۔ آٹھ سال انہوں نے آپ کی خدمت کا شرف پایا ہے۔ ②

(2) اسی سال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت اُمِّ کلثوم کا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہُ عنہما سے نکاح کیا۔ ③

(3) اسی سال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہُ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ عبداللہ بن جحش رضی اللہُ عنہ کی زوجہ تھیں، غزوۂ اُحد میں ان کی شہادت کے بعد بیوہ ہوگئیں۔ آپ نے ان سے نکاح فرما کر حرمِ نبوی میں رہنے کا شرف بخشا۔ کچھ ہی ماہ بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور انہیں جنت البقیع میں اپنے مبارک ہاتھوں سے دفن فرمایا۔ ④

1. شرح الزرقانی علی المواہب، 2/378تا382ملخصاً
2. ارشاد الساری، 7/180، تحت الحدیث:4005ملخصاً-بخاری، ص1319، حدیث:5122ملتقطاً
3. طبقات ابن سعد، 8/30، 31ملخصاً
4. طبقات ابن سعد، 8/90، 91ملخصاً وملفوماً

(5،4) اسی سال وراثت کے احکام و قوانین نازل ہوئے۔ اسی سال مشرک عورتوں کا مسلمانوں سے نکاح حرام قرار دے دیا گیا۔ ①

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھ کر اس پر عمل کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے قبا تشریف لانے کا منظر بیان کریں؟

سوال: رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی مدینے میں میزبانی کی سعادت کسے حاصل ہوئی؟

سوال: مسجدِ نبوی اور اس کے ساتھ جو حجرے تعمیر کئے گئے، ان پر ایک نوٹ لکھیں؟

سوال: رشتۂ اخوت قائم کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کوئی سی دو وجوہات بیان کریں۔

سوال: مسلمان بیت المقدس کو قبلہ بنا کر نماز کیوں پڑھتے تھے؟ نیز قبلہ کیوں تبدیل ہوا؟

سوال: مسلمانوں کے مدینہ چلے جانے کے بعد قریشِ مکہ نے انہیں کیسے پریشان کئے رکھا؟

سوال: غزوہ اور سریہ کسے کہتے ہیں؟ ان کی تعداد کیا ہے؟ کوئی سے دس غزوات اور سرایا کے نام بتائیں؟

سوال: غزوۂ بدر کے بارے میں ہونے والی مشاورت میں انصار صحابہ کے جذبات کیا تھے؟

سوال: رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ساتھ حضرت سعد بن معاذ رضی اللّٰہ عنہ کے تعلق، خدمت گزاری اور وفاداری پر مضمون لکھیں؟

سوال: غزوۂ بدر اور غزوۂ احد سے کیا کیا درس ملتے ہیں؟

---

① سیرتِ مصطفٰی، ص287

www.dawateislami.net

Go To Index

سولھواں باب

غزوۂ اُحُد کے بعد سے صلحِ حدیبیہ تک

From the Battle of Uhud to the Treaty of Hudaybiyah

Go To Index

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی مصروفیات ہجرت کے بعد اور زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو آنے والا ہر سال مصروف سے مصروف تر نظر آتا ہے۔ غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کا دبدبہ بیٹھ گیا تھا، اس لیے مدینہ شریف کے اطراف کے قبیلے کچھ دنوں کیلئے خاموش ہو گئے تھے۔ مگر غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کی جب شہرت ہوئی تو دوسرے قبیلے مسلمانوں اور اسلام کو مٹانے کیلئے پھر سے سرگرم ہو گئے۔ لیکن نبی کریم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی حکمتِ عملی کی بنا پر جلد ہی مسلمانوں کی ہیبت پھر سے بحال ہو گئی۔ لیکن اس دوران انہیں طرح طرح کے خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی سلسلے میں کئی لڑائیاں اور جنگیں ہوئیں۔ سن چار ہجری کے اہم ترین واقعات میں سے ایک "رجیع" کا واقعہ ہے۔ اسی کی تفصیل یہ ہے:

رجیع کا واقعہ

غیر مسلم ہمیشہ سے ہی اسلام دشمن رہے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی گھناؤنی سازشوں کا سلسلہ شروع سے جاری ہے۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے عَضَل اور قارہ کے قبیلوں سے چند آدمی رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا ہے، آپ چند مبلغین ہمارے ساتھ بھیجیں، جو انہیں اسلام کے احکام سکھائیں اور اطراف کے علاقوں میں دین کی تبلیغ بھی کریں تاکہ مزید لوگ اسلام لے آئیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے دس منتخب صحابہ کو بھیجا، حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان کا افسر بنایا۔ جب یہ لوگ مقامِ رجیع [1] پر پہنچے تو کافروں نے ایک اور

[1] عسفان اور مکہ کے درمیان ایک جگہ کا نام رجیع ہے۔ (بخاری، 3/46، حدیث:4086 ماخوذاً) عسفان مدینہ سے 380 اور مکہ سے 93 کلومیٹر دور ہے۔

www.dawateislami.net

Go To Index

قبیلے بنو لحیان کے کافروں سے ساز باز کرلی ۔ انہوں نے طے کیا کہ مسلمانوں کو گرفتار کر لیتے ہیں، پھر انہیں مکہ کے کافروں کے ہاتھ بیچ دیں گے۔ منافع باہم تقسیم کر لیں گے۔ یوں بنو لحیان کے دو سو لٹیروں نے مل کر ان دس مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ کہنے لگے: خود کو ہمارے حوالے کر دو! ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ مسلمان اپنے بچاؤ کیلئے ٹیلے پر چڑھ گئے اور اپنے دفاع میں سنگ باری کرنے لگے، جس سے کافروں کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا اور انہیں لگا کہ ہم انہیں گرفتار نہیں کر سکیں گے، یوں انہوں نے ایک چال چلی اور کہا: ہم تمہیں امان دیتے ہیں، اس شرط پر کہ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ اکثر مجاہدین نے ان کی باتوں پر اعتماد نہ کیا اور لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ تین افراد؛ حضرتِ خبیب، حضرتِ زید اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہم کافروں پر اعتماد کرتے ہوئے نیچے آئے تو اُنہوں نے بدعہدی کرتے ہوئے اِنہیں باندھنا شروع کر دیا۔ حضرت عبد اللہ ہوشیار ہو گئے اور لڑنا شروع کر دیا، لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حضرتِ خبیب اور حضرتِ زید باندھے جا چکے تھے اس لیے دونوں مجبور ہو گئے۔ ان دونوں کو کافروں نے مکہ جا کر فروخت کر دیا۔ مکے کے کافروں نے انہیں اس لیے خریدا کہ انہیں قتل کر کے اپنے مقتولین کا بدلہ لے کر انتقام کی آگ ٹھنڈی کر سکیں۔ انہوں نے پہلے تماشائیوں کو جمع کیا پھر اِنہیں الگ[1] الگ سولی پر چڑھا کر اذیتیں دے دے کر شہید کر دیا۔[2]

---

1 حضرتِ خبیب کی شہادت کا واقعہ اتنا دہشت ناک ہے کہ اس کے راوی حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ جب اس منظر کو یاد کرتے تو بے ہوش ہو جاتے تھے۔ حضرت عمر نے ایک دفعہ ان سے اس کا سبب پوچھا تو جواب دیا: امیر المؤمنین! یہ بیماری نہیں ہے، جب خبیب کو سولی پر چڑھایا گیا تھا تو میں وہاں موجود تھا، جب وہ منظر یاد آتا ہے تو اس خوف سے میں بے ہوش ہو جاتا ہوں کہ پتہ نہیں میرا یہ گناہ معاف ہو گا یا نہیں؟ (صفۃ الصفوۃ، 1/ 338، رقم:83)

2 شرح الزرقانی علی المواہب، 2/ 492، 493 ملخصاً

www.dawateislami.net

واقعۂ بئرِ معونہ

رجیع کے واقعے کے بعد ہی ”بئرِ معونہ“ کا واقعہ پیش آیا جو پچھلے واقعے سے زیادہ دردناک ثابت ہوا۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خدمت میں نجد کا ایک رئیس عامر بن مالک حاضر ہوا اور دو گھوڑے اور دو اونٹ تحفے میں پیش کئے، آپ نے فرمایا: میں مشرک کا تحفہ قبول نہیں کرتا، اس کے بعد آپ نے اسے دین کی دعوت دی۔ اس نے ایمان تو قبول نہ کیا البتہ کہنے لگا: آپ جو باتیں کر رہے ہیں، بڑی عمدہ اور مفید ہیں۔ آپ ایسا کریں کہ چند مسلمانوں کو ہمارے علاقے میں بھیج دیں! وہ وہاں لوگوں کو دین کی دعوت دیں، امید ہے کہ وہ دعوت قبول کرلیں گے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے فرمایا کہ مجھے نجد کے کافروں سے خطرہ ہے کہ وہ میرے ساتھیوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ عامر کہنے لگا: اس کی فکر مت کریں! آپ کے اصحاب کی جان و مال کی حفاظت کا میں ضامن ہوں۔ یوں آپ نے ستر (70) منتخب صحابہ کو بھیج دیا۔ [1] اس مقدس جماعت کے پاکیزہ افراد میں چار مہاجر اور بقیہ انصاری صحابہ تھے۔ [2] یہ تمام کے تمام قاری، شب بیدار اور تہجد گزار بزرگ تھے۔ [3] حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے ایک خط بنو عامر اور نجد کے رئیسوں کے نام بھی روانہ کیا۔ [4]

قاصد کی شہادت

یہ مقدس حضرات چلتے ہوئے مَعُونہ نامی کنویں کے پاس جاکر اُترے، یہ کنواں بنو عامر

---

1 مغازی للواقدی، ص346، 347 ملخصاً

2 تاریخ الخمیس، 1/452

3 بخاری، 2/329، حدیث:3064- مغازی للواقدی، ص347

4 تاریخ الخمیس، 1/452

www.dawateislami.net

اور بنو سلیم کے علاقے حرہ کے درمیان واقع ہے۔ جب سب وہاں اُتر گئے تو انہوں نے حضرت حَرام بن مِلحان کو مکتوبِ گرامی دے کر کافر سردار عامر بن طفیل کی طرف روانہ کیا۔ ① عامر بن طفیل پہلے آنے والے شخص عامر بن مالک کا بھتیجا تھا، مگر یہ مسلمانوں سے بے حد بغض رکھتا تھا۔ جب عامر بن طفیل کو مکتوب ملا تو اس نے مکتوب پڑھنا بھی گوارا نہ کیا، بلکہ مکتوب لے آنے والے حضرت حرام بن ملحان کو شہید کروادیا۔ ② اُس نے نہ یہ پرواکی کہ قاصِد کو مارنا کسی قوم کے نزدیک جائز نہیں اور نہ اِس کا لحاظ کیا کہ میرا چچا اِن حضرات کو اپنی پناہ دے چکا ہے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت — کافروں کی دھوکہ بازی

پھر (بقیہ صحابہ کو قتل کرنے کے ارادے سے) عامر بن طفیل نے بنو عامر کو اکسایا کہ وہ اس کی مدد کریں اور مسلمانوں کو قتل کرنے میں اس کا ساتھ دیں مگر انہوں نے اس کے چچا کے امان دینے کی وجہ سے انکار کردیا۔ پھر اس نے بنو سلیم کے قبائل: رِعل، ذَکوان اور عُصَیّہ کی مدد سے صحابہ کی اس مختصر جماعت پر حملہ کردیا اور ان کے خیموں کا گھیراؤ کرلیا۔ مسلمانوں نے ان کفار کو دیکھا تو اپنی تلواریں سونت لیں اور ان سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ مَردانہ وار لڑتے ہوئے ہر مجاہد راہِ خدا میں ایک ایک کرکے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے لگا۔ ③ حضرت عَمرو بن اُمیہ ضَمری اور حضرت مُنذر بن محمد رضی اللہ عنہما بھی اس قافلے میں تھے لیکن اس وقت یہ قافلے والوں کے اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے، انہیں بالکل اندازہ نہ ہوا کہ کیا ہوا ہے۔ اچانک ان کی توجہ گئی تو انہوں نے دیکھا کہ آسمان پر بڑے پرندے چکر کاٹ

---

1 روض الانف، 3/380
2 بخاری، 3/48، حدیث: 4091 ملخصاً- سیرت مصطفیٰ، ص295 ملخصاً
3 السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ص376

www.dawateislami.net

Go To Index

رہے ہیں اور ان کی چونچوں سے خون کے قطرے گر رہے ہیں تو یہ سمجھ گئے کہ ہمارے ساتھی شہید ہو چکے ہیں۔ (1) یہ جب آئے تو دیکھا کہ صحابۂ کرام کا یہ مختصر قافلہ خون میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ دونوں صحابی بھی دشمن پر ٹوٹ پڑے، ان میں سے ایک شہید ہو گئے جبکہ حضرت عمرو بن امیہ قید ہوئے، بعد میں انہیں کافر سردار نے اس لیے چھوڑ دیا کہ اس کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ (2)

مصطفےٰ جانِ رحمت — دو قتل

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ وہاں سے چل دیئے، راستے میں ایک مقام پر انہوں نے ایک درخت کے سائے میں قبیلہ بنو کلاب کے دو کافروں کو آرام کرتے دیکھا، انہوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا اور سمجھے کہ میں نے اپنے ساتھیوں کا بدلہ لے لیا ہے۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ ان دونوں کو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم امان عطا فرما چکے تھے، جس کا انہیں علم نہ تھا۔ (3) جب مدینے پہنچے تو انہوں نے پورا واقعہ حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کو سنایا، آپ کو اصحابِ بئرِ معونہ کی شہادت سے اتنا صدمہ پہنچا کہ تمام عمر میں ایسا صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ (4) غزوۂ اُحد میں بھی ستر صحابہ شہید ہوئے تھے مگر وہاں آمنے سامنے جنگ میں شہادتیں ہوئی تھیں جبکہ یہاں ستر صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان غداری اور دھوکے بازی سے شہید کیے گئے۔

---

(1) السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ص376- تفسیرِ بغوی، المائدۃ، تحت الآیۃ: 11، 2/15

(2) شرح الزرقانی علی المواہب، 2/501- تاریخ ابن عساکر، 26/103، 104 ملخصاً

(3) مغازی للواقدی، 1/363

(4) شرح الزرقانی علی المواہب، 2/503 تا 508 ملتقطاً

www.dawateislami.net

اسباق و نتائج

ان دونوں واقعات سے بہت سے سبق ملتے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

(1) بعض روایات کے مطابق رجیع کے چند دن بعد بئر معونہ کا واقعہ ہوا۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم چاہتے تو پہلے واقعے کو بنیاد بنا کر دوسرے سفر کیلئے مبلغین بھیجنے سے انکار کر دیتے۔ لیکن آپ نے عامر بن مالک کے اصرار پر کچھ تحفظات کا اظہار ضرور فرمایا لیکن اس کے یقین دلانے پر آپ نے ستر بہترین صحابہ کو دین کی دعوت و تبلیغ کیلئے روانہ فرمادیا۔ اس میں ہمارے لیے درس ہے کہ حالات چاہے جیسے بھی ہوں دعوتِ دین اور تبلیغِ دین کا کام سب سے اہم ہے۔ مقدور بھر ضروری حفاظتی اقدامات کرنے کے بعد نتیجہ رب کی ذات پر چھوڑتے ہوئے ہمیں بھی ہر حال میں اس اہم ترین کام کو آگے بڑھانا چاہیے۔

(2) ان واقعات سے یہ بھی پتہ چل رہا ہے کہ دین کی دعوت دینے کا کام محض انبیائے کرام کا نہیں ہے، بلکہ ایمان لانے والے تمام مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی حیثیت وطاقت کے مطابق دین کی دعوت دینے کے اس عظیم کام میں حصہ ملائیں۔

(3) ایک بات یہ بھی ظاہر ہوتی ہے کہ کافر مسلمانوں کی دشمنی میں اس قدر آگے بڑھے ہوئے تھے کہ اپنے وعدوں سے مکر جاتے تھے اور بدعہدی اور غداری تک میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ جبکہ دوسری طرف مسلمان تھے جو اپنے وعدوں سے ہرگز پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ہی وہ اصل طاقت ہے جو انسان کی طبیعت کو مکمل تبدیل کر کے اسے برائیوں کی گہرائی سے نکال کر اچھائی کی فضاؤں میں پرواز کرنا سکھا دیتی ہے۔ اللہ پاک ہمیں اسلام کی اسی طاقت کو خود میں بیدار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

www.dawateislami.net

بنو نضیر کی بد عہدی

یہود شروع سے ہی اہلِ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ آمنے سامنے مقابلہ کرنے کے بجائے سازشوں اور مکاریوں کے ذریعے اپنے بغض کا اظہار کرنا ان کا شیوہ رہا ہے۔ مدینے کے یہودی غزوۂ بدر کے بعد تو مسلمانوں سے مرعوب ہوگئے، مگر غزوۂ احد کے بعد انہوں نے پھر سے شرارتیں کرنا شروع کر دی تھیں۔ رجیع اور معونہ کے واقعات کے بعد تو ان کی جرأت اتنی بڑھ گئی کہ خود رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنا بیٹھے۔ ہوا یہ کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم حضرت عمرو بن امیہ کے دو مقتولین کی دیت کے سلسلے میں یہود کے پاس قبیلۂ بنو نضیر [1] تشریف لے گئے۔ چونکہ وہ مسلمانوں کے حلیف تھے اس لیے دیت ادا کرنے میں وہ بھی شریک تھے۔ انہوں نے آپ کو دیکھ کر بظاہر آپ کا خیر مقدم کیا اور ایک مکان کے سائے میں آپ کو بٹھانے کا انتظام کیا، لیکن در حقیقت انہوں نے یہ سازش رچائی کہ چھت سے بڑا پتھر گرا کر آپ کو شہید کر دیں۔ اللہ پاک نے آپ کو اس سازش پر مطلع فرما دیا۔ آپ اس انداز میں وہاں سے اٹھے جیسے ابھی واپس آتے ہوں، یوں مدینے پہنچ کر آپ نے صحابہ کو اس سازش کی خبر دی۔ [2]

غزوۂ بنو نضیر کا سبب

حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کو پتھر سے کچل کر شہید کرنے کی کوشش نہایت گھٹیا اور معاہدہ توڑنے والی حرکت تھی۔ معاہدہ نہ بھی ہو تا تب بھی گھر آئے مہمان کو دھوکے سے قتل کرنا

---

1. بنو نضیر کے مکانات مدینہ شریف سے تین، چار کلو میٹر کے فاصلے پر تھے۔ قریب ہی کعب بن اشرف کا محل تھا، جبکہ یہ جگہ مسجد قبا سے مشرقی جانب تقریباً 800 میٹر کے فاصلے پر ہے۔
2. السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص378

www.dawateislami.net

اعلیٰ درجے کی بد اخلاقی تھی، بہر حال آپ نے یہودیوں کے پاس پیغام بھیجا کہ تم نے میرے قتل کی سازش رچا کر معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لیے دس دن کے اندر ہمارے شہر سے نکل جاؤ! بصورتِ دیگر تم میں سے جو بھی یہاں پایا جائے گا اس کی گردن ماردی جائے گی۔ انہوں نے چپ چاپ رخصتی کی تیاریاں کرنا شروع کر دیں۔ عبد اللہ بن اُبَی منافق کو جیسے ہی پتہ چلا تو وہ ان کے پاس گیا اور انہیں جنگ پر اکسایا اور کہا: تم لوگ مدینہ چھوڑنے کی غلطی مت کرو! تمہارے پاس قلعہ ہے، بے پناہ اسلحہ ہے، اپنے قلعے میں جاؤ! وہاں مورچے بناؤ اور مسلمانوں کا تیروں اور پتھروں سے استقبال کرو، اتنے میں مَیں اپنے دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کروں گا، اس کے ساتھ ساتھ دوسرے یہودیوں کو بھی تمہاری مدد کرنے پر مائل کروں گا۔ بنو نضیر کے یہود عبد اللہ بن ابی کی ان باتوں سے شیر ہو گئے اور حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم مدینہ نہیں چھوڑ رہے، آپ کو جو کرنا ہے کر لیں!!! [1]

غزوۂ بنو نضیر

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم لشکر لے کر نکلے، بزدلوں نے جب اللہ کے شیروں کو دیکھا تو دُم دبا کر بھاگے اور قلعے میں جا بیٹھے، مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ قلعے کے گرد نخلستان (باغ) تھا، جس کے گھنے درختوں کی آڑ لے کر اسلامی لشکر کو نقصان پہنچایا جا سکتا تھا، اس لیے حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے وہاں کے درخت کاٹنے کا حکم فرمایا، ورنہ آپ ہمیشہ درختوں کو کاٹنے سے منع فرماتے تھے۔ دن رات کے محاصرے نے یہود کی ساری اکڑ اور تکبر کو خاک میں ملا دیا۔ تنگ آ کر وہ اس بات پر تیار ہو گئے کہ اپنے مکان اور قلعہ چھوڑ دیتے ہیں، لیکن اپنا

1 شرح الزرقانی علی المواہب، 2/508- مدارج النبوۃ، 2/146، 147 ملتقطاً

www.dawateislami.net

جتنا سامان اونٹوں پر لاد کر لے جاسکتے ہیں وہ لے جائیں گے۔ آپ نے ان کی یہ شرط منظور فرمائی اور سوائے دو افراد کے جو مسلمان ہوگئے تھے بنو نضیر کے سارے یہودی 600 اونٹوں پر اپنا مال و سامان لاد کر ایک جلوس کی شکل میں گاتے بجاتے مدینہ سے نکل گئے۔ انہوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی جیسے انہیں اس جلاوطنی سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ آخر کار مسلمانوں کا عظیم مرکز "مدینہ" بنو نضیر کے یہودیوں کے وجود سے پاک ہوگیا۔[1]

غزوۂ بنو نضیر کا ممکنہ فضائی نقشہ

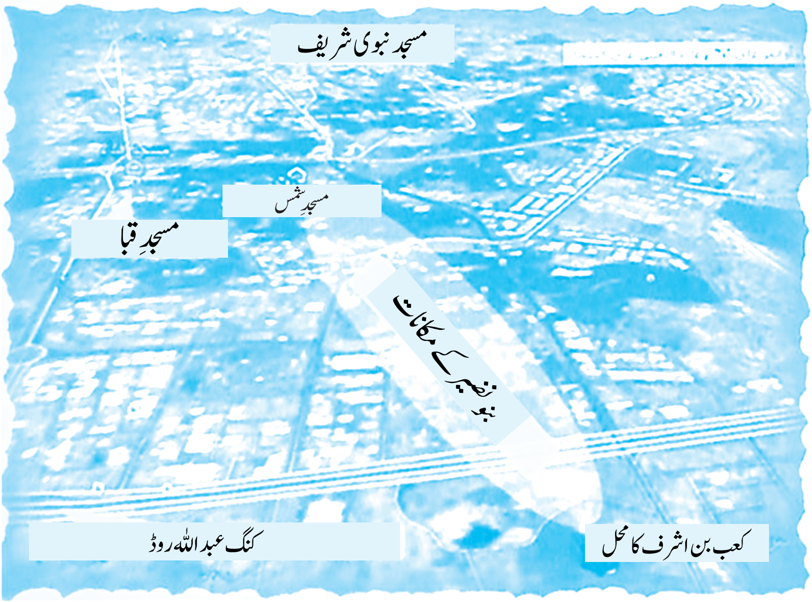

مالِ غنیمت اور مالِ فَے میں فرق

جنگ کے بعد مسلمانوں کے نصیب میں جو مال آتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں:

---

1 شرح الزرقانی علی المواہب، 2/516 تا 518 ملتقطاً

Go To Index

(1) وہ مال جسے مسلمان کافروں سے جنگ میں قہر و غلبے کے طور پر حاصل کریں اسے غنیمت کہتے ہیں۔① اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور دیگر مصارف کیلئے ہوتا ہے۔ جبکہ باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔

(2) وہ مال جو مسلمانوں کو کافروں سے لڑائی کے بغیر حاصل ہو جائے چاہے انہیں جلاوطن کر کے حاصل ہو یا صلح کے ساتھ، مالِ فَے کہلاتا ہے۔② جزیہ، تاوان اور صلح کے بعد ملنے والا مال بھی اس قسم میں داخل ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ سب کا سب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اس کی مرضی سے تقسیم فرمائیں گے، مجاہدین میں اس کا تقسیم ہونا ضروری نہیں۔

غزوۂ بنو نضیر میں ہاتھ آنے والے مال اسی قسم میں سے تھے تو آپ نے انصاریوں کے مشورے سے اسے صرف مہاجرین میں تقسیم فرمایا، صرف چند نادار انصاریوں کو اس میں سے حصہ دیا گیا۔③ اللہ پاک نے اس موقع پر سورتِ حشر نازل فرمائی جس میں یہودیوں کے اس واقعے اور مالِ فے کے احکام کو تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

غزوۂ بدرِ صغریٰ

غزوۂ اُحد سے جاتے وقت ابوسفیان نے کہا تھا کہ آئندہ سال بدر میں تمہارا اور ہمارا مقابلہ ہوگا۔ اسی لیے جیسے ہی مقرر کردہ وقت قریب آیا تو مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سن چار ہجری (626 عیسوی) میں مدینہ شریف کا نظام حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما کر اپنے ساتھ جنگی لشکر لے کر کافروں سے دو دو ہاتھ کرنے کے ارادے سے

1 در مختار، 6/218
2 التعریفات، ص120
3 شرح الزرقانی علی المواہب، 2/519، 520 ملخصًا

www.dawateislami.net

نکلے۔ بدر پہنچ کر آپ نے قیام فرمایا کہ وہی مقامِ جنگ قرار پایا تھا۔ دوسری طرف سے کافروں کا لشکر ابوسفیان کی قیادت میں چلا مگر مکہ سے تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد ابوسفیان نے اپنے لشکر سے کہا: قحط بہت ہے، اس لیے یہ سال جنگ کیلئے مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ ہم مناسب وقت پر مسلمانوں سے جنگ کریں گے۔ اس کے بعد یہ لشکر واپس چلا گیا۔ آپ نے آٹھ روز تک کافروں کے لشکر کا انتظار کیا مگر وہ نہ آئے۔ ان دنوں میں مسلمان وہاں تجارت کرتے رہے اور خوب نفع کمایا۔ کافروں کے لشکر سے مایوس ہو کر مسلمانوں نے اس شان سے واپسی کی راہ لی کہ ایک دفعہ پھر ہر طرف ان کا رعب اور دبدبہ بیٹھ چکا تھا۔ ماحول پر ان کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی اور ہر طرف ان کے نام کا ڈنکا بجنے لگا تھا۔ ①

شراب کی حرمت

سن چار ہجری میں ہی شراب کے حرام ہونے کا حکم نازل ہوا۔ پاکیزہ طبیعت اور ذوقِ سلیم کے مالک لوگ جاہلیت میں بھی شراب کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے لیکن اہلِ عرب کی بہت بڑی تعداد عقل و دانش کے چراغ گل کرنے والی شراب کی شیدائی تھی۔ یک دم سے شراب چھوڑ دینا ان کیلئے ایک مسئلہ بنتا، اس لیے حکیم و خبیر ربِّ کریم نے بتدریج اس کی ممانعت نازل فرمائی، سن چار ہجری میں اس کے حرام ہونے کا اعلان ہوا تو مدینہ شریف میں جہاں جہاں یہ آواز پہنچی وہاں وہاں چھلکتے جام رک گئے، ہونٹوں سے لگے پیالے دور ہو گئے، شراب کے برتن توڑ دیئے گئے اور مہنگی مہنگی شرابیں نالیوں کی نذر کر دی گئیں۔ یاد رہے کہ شراب کی حرمت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ علامہ زرقانی نے چار ہجری کے قول کو مستند قرار دیا ہے۔ ②

① شرح الزرقانی علی المواہب، 2/535 ملخصًا
② مواہب لدنیہ، 1/234، 235 ملخصًا

www.dawateislami.net

سن چار ہجری کے متفرق واقعات

(1) اسی سال حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زوجہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اور آپ نے انہیں جنت البقیع میں دفن فرمایا۔[1]

(2) اسی سال آپ نے ام المؤمنین حضرت بی بی اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔[2]

غزوۂ دُومۃُ الجندل

روم کی سلطنت کا ایک شہر جس کا نام دومۃ الجَندَل[3] تھا، اس شہر کے اطراف ڈاکوؤں اور لٹیروں کی جنت تھے، وہ آئے دن قافلوں کو لوٹتے رہتے تھے۔ کسی کی ہمت نہ تھی جو انہیں روکتا۔ وہاں سے یہ خبریں بھی آنے لگیں کہ یہ غنڈے مل کر مدینہ پاک پر حملے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے یہ سنتے ہی ایک ہزار سپاہیوں کے لشکر کے ساتھ دومۃ الجندل کی طرف پیش قدمی فرمائی۔[4] یہ ربیع الاول پانچ ہجری (627 عیسوی) کے دن تھے۔ آپ کے لشکر کی اطلاع جیسے ہی ملی وہ بزدل گھر چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ جب اللہ کے شیر وہاں پہنچے تو علاقے میں ان کے جانور چر رہے تھے، جنہیں قبضے میں لے لیا گیا جبکہ کوئی انسان وہاں موجود نہ تھا۔ آپ نے چند روز وہاں قیام فرمایا، پھر مدینہ واپس تشریف لے آئے۔[5]

---

1 طبقات ابن سعد، 8/90، 91 ماخوذاً

2 طبقات ابن سعد، 8/69 ملخصاً

3 دومۃ الجندل (Dawamat el-Jandal) عرب شریف کے مغربی صوبے الجوف میں واقع ہے۔ مدینہ شریف سے یہ جگہ تقریباً 600 کلو میٹر دور ہے جبکہ بائی روڈ یہ فاصلہ 781 کلو میٹر ہے۔ اسلامی لشکر کے قیام کی جگہ کے پاس آج کل مسجد عمر بن خطاب اور ایک قلعہ موجود ہیں۔

4 مواہب لدنیہ، 1/234 ملخصاً

5 شرح الزرقانی علی المواہب، 2/540 ملخصاً

www.dawateislami.net

قلعے اور مسجد عمر بن خطاب کی تصویر

غزوۂ بنی مصطلق

مدینہ پاک سے نو میل کے فاصلے پر ایک کنواں تھا جس کا نام ”مریسیع[1]“ تھا۔ اس کے کنارے ”بنو مصطلق“ نامی کافروں کا قبیلہ رہتا تھا۔ قبیلے کا سردار حارث بن ضرار

1 ”مریسیع“ کتابوں میں ”س“ کے ساتھ ہے جبکہ آج کل ”ص“ کے ساتھ بشکل ”مریصیع“ مشہور ہے۔ یہ ایک کنویں کا نام ہے جو وادیِ حَورہ میں واقع ہے جو وادیِ اَستارہ کے ساتھ ہے، یہ دونوں وادیاں عرب کی ایک بڑی وادی ”قُدَید“ کا حصہ ہیں، جو بحرِ احمر تک پھیلی ہوئی ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام دورانِ ہجرت اسی وادی میں موجود بی بی اُمِّ معبد رضی اللہ عنہا کے خیموں میں تشریف لائے تھے۔ وہ بستی جہاں غزوہ بپا ہوا اس کا نام ”سُلَیم“ ہے۔ یہ بستی کنویں سے چار پانچ کلو میٹر بعد ہے، یہاں سے مدینہ شریف تقریباً 200، جبکہ بائی روڈ تقریباً 260 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ جبکہ مکہ شریف سے اس جگہ کی مسافت 96، جبکہ بائی روڈ یہ فاصلہ 190 کلو میٹر ہے۔

مسلمانوں کا دشمن تھا۔ اس نے اپنے قبیلے کو مسلمانوں سے لڑنے پر اکسایا اور انہیں جنگ کیلئے آمادہ کر کے تیاری شروع کر دی۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کو اطلاع ملی تو آپ نے تحقیق کروائی، حقیقت سامنے آنے پر آپ بلا تاخیر ان کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوگئے۔ بنو مصطلق نے مسلمانوں کو دیکھ کر ان پر تیر برسائے، آپ نے حکم فرمایا کہ ان پر یک بارگی زوردار حملہ کیا جائے، وہ اس کی تاب نہ لا سکے، ان کے کچھ لوگ مارے گئے اور بقیہ نے ہتھیار پھینک دیے۔ ان کے بچے، بڑے اور خواتین سب قیدی بنا لیے گئے۔ [1]

حضرتِ جُویریہ سے نکاح

قیدیوں میں بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی حضرت جُوَیرِیَّہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جب قیدیوں کی تقسیم ہوئی تو یہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں۔ اپنی خاندانی عظمت کے پیشِ نظر انہوں نے حضرت ثابت سے التجا کی کہ مجھے رقم کے بدلے آزاد کر دیں۔ حضرت ثابت راضی ہوگئے، مگر قیدی خاتون کے پاس رقم کہاں سے آئے؟ چنانچہ وہ اسی در پر آئیں جہاں سے کوئی بھی سائل مایوس نہیں لوٹایا جاتا، آکر عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم! میری امداد فرمائیں تاکہ میں رقم کے بدلے آزادی حاصل کر سکوں۔ آپ نے اس سے بہتر سلوک کیا کہ ساری رقم خود ادا فرمائی اور انہیں آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ اس سے ان کا خاندانی وقار بھی برقرار رہ گیا بلکہ سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کے حرمِ پاک کی ملکہ ہونے کے سبب ان کی عزت اور بڑھ گئی۔ جب لشکر میں یہ خبر پھیلی تو مجاہدین کے پاس اس خاندان کے جتنے لونڈی غلام تھے، انہوں نے سب کو فوراً آزاد کر دیا۔

1 مواہب لدنیہ، 1/235 ملخصاً

www.dawateislami.net

سب کہنے لگے: جس خاندان میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے شادی کرلی اس خاندان کے کسی آدمی کو ہم لونڈی غلام نہیں بناسکتے۔ یوں اس بابرکت نکاح کی بدولت کئی گھرانے غلامی کے طوق سے آزاد ہوگئے۔[1] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ پاک کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے صحابہ عظمتوں اور نسبتوں کا کتنا احترام کرتے تھے۔

واقعۂ اِفک

اسلامی لشکر میں پہلی دفعہ منافقین بھی شامل تھے اور ان کے شامل ہونے کی وجہ مالِ غنیمت کا لالچ تھا۔ جن میں سرِ فہرست ان کا سردار عبداللہ بن ابی تھا، اس نے اپنے چیلوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو آپس میں لڑوانے کی خوب کوششیں کی مگر اللہ پاک کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی برکت سے ہر دفعہ کی طرح اس مرتبہ بھی اس کا منصوبہ ناکام ہوا۔ آخر میں اس نے ایک بار پھر اپنے منہ پر کالک ملی اور ایک واقعے کو بنیاد بناکر خوب پروپیگنڈا کیا۔ ہوا یہ کہ سفر سے واپسی کے وقت ایک منزل پر ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حاجت کیلئے ہَوْدَج سے اتر کر تشریف لے گئیں، واپس آئیں تو پتہ چلا کہ ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا ہے، یوں وہ اسے ڈھونڈنے چلی گئیں۔ قافلے کے کوچ کرنے کا وقت آیا تو ان کا ہودج اٹھانے والوں نے سمجھا کہ ام المؤمنین اندر بیٹھ چکی ہیں، حالانکہ ایسا نہ تھا۔ انہوں نے حسبِ عادت ہَوْدَج اٹھایا اور اونٹ پر باندھ دیا، قافلہ منزل کی طرف چل پڑا۔ جب ام المؤمنین ہار ڈھونڈ کر واپس آئیں تو قافلہ نہیں تھا، یوں یہ وہیں چادر اوڑھ کر لیٹ گئیں۔ اتنے میں حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ آئے، وہ ہمیشہ لشکر کے پیچھے چلا

1 شرح الزرقانی علی المواہب، 4/424تا426ملخصاً

www.dawateislami.net

کرتے تھے تا کہ لشکر کی گری پڑی چیزیں اٹھاتے چلیں۔ انہوں نے دور سے حضرت عائشہ کو دیکھا اور انہیں پہچان لیا۔ انہیں مردہ سمجھ کر "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن" پڑھا، ان کی آواز سے ام المؤمنین چونک گئیں اور اٹھ گئیں۔ حضرت صفوان نے فوراً انہیں اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور خود اونٹ کی مہار تھام کر پیدل چلتے ہوئے اگلی منزل پر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ اس بات کو بنیاد بناتے ہوئے عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں نے حضرت عائشہ پر بہتان باندھا اور اس کا خوب پروپیگنڈا کیا۔ [1] یہاں تک کہ اللہ پاک نے حضرت عائشہ کی برأت و طہارت میں سورۂ نور کا مکمل ایک رکوع نازل فرمایا اور بہتان لگانے والوں پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا۔

غزوۂ خندق کے اسباب

سن پانچ ہجری (627 عیسوی) کے اہم ترین واقعات میں سے ایک "غزوۂ خندق" ہے۔

اب تک کے چنیدہ غزوات و سرایا سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ عرب کے کافر مسلمانوں سے بغض رکھتے تھے۔ جو بھی موقع دیکھتا مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کا جانی و مالی نقصان کرنے سے نہ چوکتا تھا۔ لیکن صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان کی جماعت اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے حکم پر ہمیشہ لبیک کہتی اور فوراً سے پیشتر کسی کے پیشگی حملے کا جواب دیتی اور کسی کے خلاف دفاع کا فریضہ سرانجام دیتی تھی۔ جب بنو نضیر کے یہودی مدینے سے جِلا وطن کئے گئے تو انہوں نے بدلہ لینے کیلئے شیطانی چال چلی۔ ان کا منصوبہ تھا کہ عرب کے تمام مشرک قبائل کو ملا کر پوری جمعیت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا جائے تب ہی یہ قابو آئیں گے۔ ان یہودیوں

[1] بخاری، 3/61، حدیث: 4141 ملخصاً

www.dawateislami.net

نے عرب قبائل کو اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلانے کے ساتھ جنگ پر اکسایا۔ یہودیوں کے وفود نے عرب قبائل میں جابجا دورے کئے اور کسی کے انتقام کی آگ کو بھڑکا کر، کسی کو لالچ کے جال میں الجھا کر اور کسی کو روشن مستقبل کے دل فریب اور حسین خواب دکھا کر اپنے ساتھ ملالیا۔ یوں کفارِ قریش، بنو غطفان اور بنو سلیم سمیت مختلف کافر اور یہودی جنگ کیلئے تیار ہوگئے۔ چونکہ یہ سب الگ الگ گروہ تھے اسی وجہ سے اس جنگ کا ایک نام "غزوۂ احزاب" (1) بھی ہے۔ یہ پہلا موقع تھا جب عرب کے غیر مسلموں کی ایک بہت بڑی تعداد جنہیں گویا پورے عرب کی تائید حاصل تھی، یہ سب ایک ہو کر مدینے پر دھاوا بولنے کے ارادے سے منظم طور پر نکلے۔ ایک قول ہے کہ انکی فوج کی تعداد 10 ہزار تھی۔ (2)

مسلمانوں کی حکمتِ عملی

مدینہ شریف میں جب کافروں کی اس عظیم لشکر کشی کی خبر پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو جمع فرما کر مشورہ فرمایا کہ دفاع کیسے کیا جائے؟ مدینہ کے تین اطراف کھجوروں کے جھنڈ، پہاڑ اور مکانات تھے، ایک طرف کا علاقہ کھلا ہوا تھا۔ اسی طرف سے حملے کا اندیشہ بلکہ یقین تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یارسولَ اللہ! فارس میں جب ہمارا محاصرہ کیا جاتا تھا تو ہم خندق کھودتے تھے۔ آپ نے حضرت سلمان کی اس تجویز کو قبول فرمایا اور کھلی طرف خندق کھودنے کا فیصلہ فرمایا۔ اسی وجہ سے یہ جنگ "غزوۂ خندق" کے نام سے مشہور ہے۔ (3)

---

1. عربی میں حِزْبٌ کا معنی ہے: ایک جماعت۔ اس کی جمع اَحْزَابٌ کا معنی ہے: کئی جماعتیں۔
2. السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص 288- شرح الزرقانی علی المواہب، 3/17 تا 22 ملخصًا
3. شرح الزرقانی علی المواہب، 3/17

www.dawateislami.net

خندق کی تیاری

8 ذوالقعدہ سن 5 ہجری کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مدینہ میں حضرت ابنِ اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر نکلے اور سلع پہاڑ [1] کے دامن میں 3 ہزار انصار و مہاجرین کی افواج کے ساتھ پڑاؤ ڈالا، سلع پہاڑ کو پشت پہ رکھ کر تیزی سے خندق کا کام مکمل کیا گیا جس میں آپ بھی بنفسِ نفیس شامل تھے۔ایک قول کے مطابق 6 دنوں میں خندق کا کام مکمل کرلیا گیا۔ خندق 300 میٹر لمبی اور 9 میٹر چوڑی تھی جبکہ خندق کی گہرائی 5 میٹر تھی۔اب نقشہ یہ ہوگیا کہ پہاڑ آپ کی پشت پر تھا، اس کے دامن میں اسلامی لشکر تھا، اس کے سامنے خندق تھی، خندق کے پار کافروں کا لشکر ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ [2]

آزمائش در آزمائش

مدینے میں آباد یہود کا قبیلہ بنو قریظہ مسلمانوں کا حلیف تھا، یہ قبیلہ میثاقِ مدینہ کا پابند تھا لیکن دورانِ جنگ بنو نضیر کے سردار حیی بن اَخطب نے اصرار کرکے اس قبیلے کو بھی ساتھ ملالیا یوں عین جنگ کے وقت یہودیوں نے روایت برقرار رکھتے ہوئے غداری اور بدعہدی کی۔اس میں شک نہیں کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو شدید آزمائش ہوئی۔ سَرد موسم کھانے پینے کی کمی، مدینہ پاک کی پتھریلی زمین میں خندق کھودنا، دس ہزار کے لشکر کا

---

1 یہ پہاڑ مسجد نبوی کی مغربی سمت میں تقریباً 500 میٹر کی دوری پر واقع ہے، اس کا طول 1000 میٹر اور عرض 300 سے 800 میٹر کے درمیان ہے، اس کی بلندی 80 میٹر ہے۔ یہ تاریخی پہاڑ ہے۔اس کے مغربی دامن میں غزوۂ خندق ہوئی، اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صحابہ کرام کے لیے خیمے نصب ہوئے۔حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دورِ امارت میں ان خیموں کی جگہ سات مساجد تعمیر کروادی تھیں، یہ مسجدیں "سبعہ مساجد" کہلاتی ہیں۔اب یہاں صرف چار مساجد رہ گئی ہیں۔

2 سیرت حلبیہ، 2/ 421، 422 ملتقطاً- شرح الزرقانی علی المواہب، 3/ 33 تا 35 ملخصاً

www.dawateislami.net

سامنا، مدینے میں موجود یہودیوں کا معاہدہ توڑ کر جنگ کی کوشش کرنا وغیرہ وہ مسائل تھے جن کا سامنا انہیں کرنا پڑا، لیکن اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کی قیادت میں مسلمان ثابت قدم رہے کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ (1)

جنگ کی صورت حال

اس زمانے میں خندق کا جنگ میں استعمال عربوں کیلئے نیا تجربہ تھا۔ کافروں کا لشکر جب آگے بڑھا تو سامنے خندق دیکھ کر کافر حیران رہ گئے۔ بعض کفار نے تنگ جگہ سے خندق عبور کرنے کی کوشش کی، ان میں سے کچھ کامیاب بھی ہوئے مگر خندق کے اِس پار اللہ کے شیروں کے ہاتھوں انجام کو پہنچے۔ دورانِ محاصرہ دونوں جانب سے ہونے والی تیر اندازی اور اس طرح کی معمولی جھڑپوں کے علاوہ باقاعدہ جنگ نہ ہوسکی۔ سخت موسم، طویل محاصرے، راشن کی کمی اور یہودیوں کی دغابازی جیسی خبروں سے کافروں کے لشکر میں خوب انتشار پھیلا۔ ایسے میں اللہ پاک کی طرف سے اہلِ ایمان کی نصرت و مدد کیلئے صرف کافروں کے لشکر پر ایسی سخت آندھی آئی کہ دیگیں چولہوں سے الٹ گئیں، خیمے اکھڑ گئے، اونٹ اور جانور بدک گئے، لشکر کی مشعلیں بجھ گئیں، ہر طرف اندھیرا چھا گیا، رات پہلے ہی ٹھنڈی تھی، اوپر سے یخ بستہ ہواؤں نے کافروں کی چولیں ہلا دیں۔ ان پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ سوائے بھاگنے کے انہیں کچھ نہ سُوجھا، لہٰذا امیرِ لشکر نے یہ کہتے ہوئے اپنی فوج کو واپس چلنے کا کہا کہ بخدا! جانور ہلاک ہو رہے ہیں، یہودی ہم سے دغا کر چکے ہیں، یہ آندھی ہمارا امتحان لے رہی ہے، نہ ہانڈیاں چولہوں پر ٹِک رہی ہیں، نہ ہم آگ جلا سکتے ہیں، خیمے اکھڑ رہے ہیں، نئے بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا ہمارا محاصرہ بے کار کی

(1) شرح الزرقانی علی المواہب، 3/35 ملخصاً- السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص390

www.dawateislami.net

Go To Index

تگ و دو کے سوا کچھ نہیں۔ تو اے لشکر والو! کوچ کرو! کوچ کرو! انہی صداؤں میں مشرکین دُم دبا کر بھاگ نکلے اور یہودی بھی اپنے قلعوں طرف چل دیئے۔[1] کافروں کے لشکر کی یہ کیفیت حضرت حذیفہ رضی اللہُ عنہ نے مصطفٰے جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے کچھ ایسے

غزوۂ خندق کا ممکنہ فضائی نقشہ

انداز میں بیان کی کہ آپ ایسے مسکرائے کہ رات کی تاریکی میں آپ کے موتی جیسے دانت چمک اٹھے۔[2] مبارک دانت چمکے تو غلاموں کو اپنی قسمت بھی چمکتی نظر آنے لگی۔ یوں

1 شرح الزرقانی علی المواہب، 3/54 تا 56 ملخصاً
2 سیرتِ حلبیہ، 2/437

www.dawateislami.net

مدینے کے افق پر چھا جانے والا کافروں کا طوفان اللہ پاک کے بھیجے ہوئے طوفان سے شکست کھا کر چلا گیا۔ ان کے جانے کے بعد مصطفٰے جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے غلاموں کو خوش خبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَلْآنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ یعنی اب ہم ان پر حملہ کریں گے وہ نہیں اور ہم ان کی طرف چل کر فوج کشی کریں گے۔ (1) ایسا ہی ہوا کہ پھر کافر کبھی بھی مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہوئے۔ لشکرِ اسلام نے ہی پیش قدمی کی یہاں تک کہ اللہ پاک نے مکہ کی فتح مسلمانوں کی جھولی میں ڈال دی۔ (2)

جنگ کے نتائج

اس جنگ میں مسلمانوں کا زیادہ جانی نقصان نہیں ہوا، کُل چھ مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے، مگر انصار کی ایک بہت بڑی شخصیت، قبیلۂ اوس کے سردار یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ایک تیر سے زخمی ہو گئے اور پھر شفایاب نہ ہو سکے۔ مشرک مقتولین کی تعداد 4 تھی۔ (3)

غزوۂ بنو قریظہ

مصطفٰے جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اتحادی افواج کے شکست کھا کر چلے جانے کے بعد بنو قریظہ کی طرف توجہ فرمائی۔ حکم ہوا کہ ہتھیار نہ اتارے جائیں پہلے بنو قریظہ کے یہودیوں سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ یہ وہ یہودی تھے جنہوں نے عین جنگ کے وقت کا لک منہ پر

(1) بخاری، 3/54، حدیث: 4110

(2) شرح الزرقانی علی المواہب، 3/91

(3) شرح الزرقانی علی المواہب، 3/43- السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص403 تا 404

www.dawateislami.net

ملی تھی اور معاہدے کو توڑ کر غداری کا مظاہرہ کیا تھا۔[1] آپ لشکر کے ساتھ "بنو قریظہ[2]" پہنچے اور قلعے کا محاصرہ فرمالیا۔ کچھ دن بعد انہوں نے صلح کی گفتگو کیلئے درخواست پیش کی جو منظور ہوئی۔ پیغام آیا کہ جن شرائط پر بنو نضیر کو جانے کی اجازت ملی تھی، وہی ہمارے حق میں منظور فرمائیں۔ آپ نے انکار فرمادیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہمارا مال و متاع آپ رکھ لیں صرف جان بخشی کی جائے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے یہ بات بھی نہ مانی۔ ارشاد ہوا کہ اپنے متعلق صرف میرا فیصلہ مانو تو بات ہو سکتی ہے۔ اس سے بنو قریظہ سخت مایوس ہوئے۔ جب محاصرے نے مزید طول پکڑا تو 25 دن کے محاصرے کے بعد یہودی تنگ آ گئے اور آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ قبیلۂ اوس کی سفارش پر حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے انہی کے قبیلے کے ایک فرد کو یہود کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا۔ قبیلۂ اوس اور بنو قریظہ نے متفقہ طور پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ آپ نے بخوشی انہیں فیصلہ کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت سعد غزوۂ احزاب میں شدید زخمی ہو گئے تھے، جب انہیں پتہ چلا کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے انہیں ثالث مقرر فرمایا ہے تو گہرے زخموں کے باوجود وہاں تشریف لے آئے۔ آپ نے حاضرین سے اپنے فیصلے کے بارے میں پوچھا، سب نے فیصلہ ماننے پر اتفاق کیا۔ بنو قریظہ کے ساتھ آپ کے گہرے تعلقات تھے، اس لیے وہ کافی پُرامید تھے، لیکن

1 مسلم، ص753، حدیث:1769

2 بنو قریظہ کے مکانات جبلِ بنو قریظہ کے ساتھ واقع تھے۔ یہ جگہ مسجدِ نبوی سے تقریباً ساڑھے تین کلومیٹر دور تھی، اب بائی روڈ فاصلہ ساڑھے چھ کلومیٹر ہے۔ یہاں ایک عرصے تک مسجد غزوۂ بنی قریظہ تھی، مشہور ہے کہ مسجد اسی جگہ تھی جہاں جنگ میں مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا خیمہ مبارک تھا۔ یاد رہے کہ اب مسجد کے ساتھ ساتھ جبل بنو قریظہ بھی جدید تعمیرات کی نظر ہو چکا ہے۔

حضرت سعد نے بنو قریظہ کی امیدوں اور اپنے ذاتی تعلقات کی پرواکئے بغیر انہی کی مذہبی تعلیمات کی روشنی میں یہ فیصلہ دیا: ان کی فوج کو قتل کر دیا جائے، عورتیں اور بچے قیدی بنالئے جائیں اور یہودیوں کا مال و اسباب مالِ غنیمت بنا کر مجاہدوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس فیصلے

مسجد بنو قریظہ کی ایک تصویر

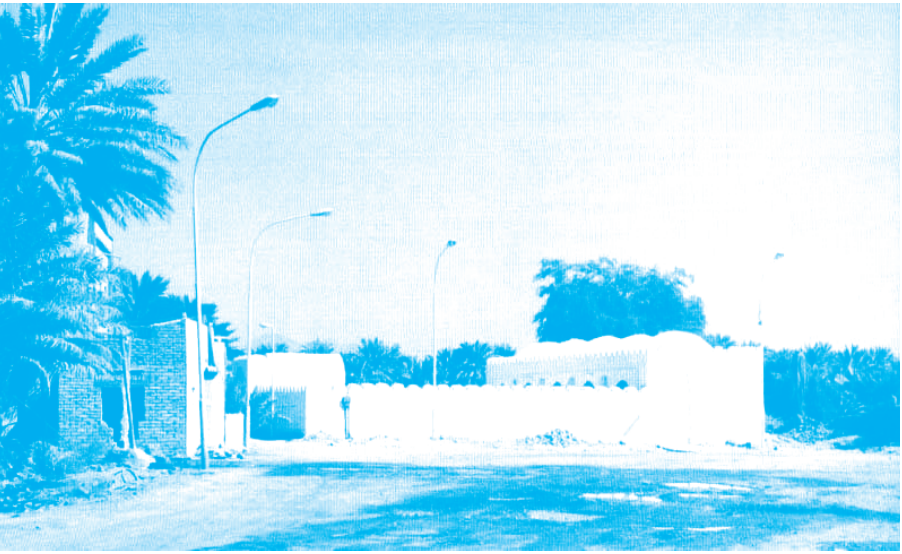

سے بنو قریظہ میں کہرام مچ گیا، حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے فرمایا: بلاشبہ تم نے ان یہودیوں کے بارے میں وہی فیصلہ سنایا ہے جو اللہ کا فیصلہ ہے۔ بالآخر بنو قریظہ کی لڑاکا فوج کو ان کے سرداروں سمیت قتل کر کے گڑھوں میں ڈال دیا گیا، یوں مدینہ شریف کی مقدس سرزمین یہودیوں اور ان کے فتنوں سے مکمل طور پر پاک ہو گئی۔ [1]

---

[1] سیرتِ حلبیہ، 2/442 تا 448، ملتقطاً- الکامل فی التاریخ، 2/75، 76 ملخصًا

پانچ ہجری کے متفرق واقعات

(1) اسی سال مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔[1]

(2) اسی سال مسلمان عورتوں پر پردہ فرض کردیا گیا۔[2]

(3، 4) اسی سال تیمم اور نمازِ خوف کے احکام نازل ہوئے۔[3]

غزوۂ بنو لحیان

ہجرت کے چھٹے سال (628عیسوی) میں غزوۂ "بنو لحیان[4]" ہوا۔ یہ ایک مختصر سا غزوہ تھا جس میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ان قبیلوں کو سزا دینے گئے جنھوں نے رجیع کے واقعے میں دھوکے سے صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان کو شہید کیا تھا۔ آپ کے ساتھ دو سو مجاہدین کا لشکر تھا، جس کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ قبیلے خوف سے بھاگ گئے اور بغیر لڑائی کے یہ غزوہ اختتام کو پہنچا۔[5]

---

1 الکامل فی التاریخ، 2/69

2 شرح الزرقانی علی المواہب، 4/413

3 شرح الزرقانی علی المواہب، 3/9

4 بنو لحیان کے یہ علاقے آج کل غران (Ghran) میں ہیں، یہ جگہ وادیِ عُسفان (Osfan) کے شمال میں 5 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ مدینہ شریف سے بائی روڈ فاصلہ 350 کلومیٹر جبکہ مکہ سے یہ جگہ 87 کلومیٹر دور ہے۔ اس وادی میں بِئرُ التِفلة کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کا کھاری پانی مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے لعاب کی برکت سے میٹھا ہوگیا تھا۔

5 شرح الزرقانی علی المواہب، 3/106 تا 108 ملخصاً

www.dawateislami.net

وادئ عسفان میں واقع بئر التفلہ کی تصویر

عمرے کا ارادہ

سَن چھ ہجری کے اہم ترین واقعات میں سے ایک رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا عمرہ شریف کے ارادے سے مکے کی طرف 1400 صحابہ کے ساتھ جانا ہے۔ دراصل سن چھ ہجری تک مدینہ پاک اور اس کے اطراف میں امن و سکون ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی قیادت میں مسلمانوں کا تمام ظالموں کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنا تھا۔ مسلمان لشکروں کی چھ سال کی مسلسل کوششوں اور لگاتار ہونے والے غزوات و سرایا کے بعد ماحول اب قدرے بہتر ہو گیا تھا۔ بالخصوص شہرِ مدینہ اور اس کے اطراف (قریبی علاقے) فتنہ بازوں (یہودیوں) سے پاک ہو چکے تھے۔ پورا عرب مل کر بھی مسلمانوں

کو زیر نہیں کر پایا تھا یوں مسلمانوں کی سیاسی و عسکری قوت کا پورے عرب میں شہرہ ہو گیا تھا۔ اب صحابۂ کرام کی خواہش تھی کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ساتھ انہیں اس گھر کی بھی زیارت نصیب ہو جس کی طرف پانچوں وقت رُخ کر کے وہ پیشانیوں کو لذتِ بندگی سے سرشار کرتے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام انہیں جلد اِس وقت کے آنے کی خوش خبری سناتے۔ آخر کار ایک دن آپ نے اپنے غلاموں کو یہ نوید سنائی کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم سب امن و سلامتی کے ساتھ حرمِ کعبہ میں داخل ہوئے ہیں۔ چونکہ نبی کا خواب بھی وحیِ الٰہی کی ایک صورت ہے اس لیے غلاموں نے اندازہ لگا لیا کہ اب ہماری دلی مراد بر آئے گی۔ آپ نے عمرہ کیلئے تیاری شروع فرما دی، آپ کی دیکھا دیکھی صحابہ کی بھی ایک تعداد نے تیاریاں شروع کر دیں۔ ذوالقعدۃ سن 6 ہجری (628عیسوی) میں آپ 1400 صحابہ کے ساتھ عمرے کے ارادے سے نکلے، مسجدِ ذوالحلیفہ (1) پر پہنچے تو احرام باندھا اور دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر قربانی کے اونٹ ساتھ لیے اور اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر تلبیہ کی رُوح پَرور صداؤں کے سائے میں مکہ کی طرف چل پڑے۔ (2)

جنگ سے احتیاط

مسلمان چونکہ عمرے کے ارادے سے نکلے تھے تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے خصوصی خیال رکھا کہ کافر اس لشکر کو جنگی مہم نہ سمجھیں۔ لیکن کافر سب کچھ سمجھنے کے باوجود عمرے کی اجازت دینے پر تیار نہیں تھے۔ کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ پورے عرب میں مشہور ہو جائے گا کہ مسلمان زبردستی عمرہ کر کے چلے گئے اور کافر مغلوب ہو گئے۔ اس لیے

(1) آج کل اس کا نام ابیارِ علی (Abyar Ali) ہے، مسجدِ نبوی سے یہاں کا بائی روڈ فاصلہ تقریباً 14 کلومیٹر ہے۔
(2) مغازی للواقدی، ص574 ملخصاً

انہوں نے لشکر بھیجا جس کی ذمہ داری تھی کہ وہ مکہ سے باہر مسلمانوں کو بزورِ شمشیر روکے۔ آپ نے یہ سنا تو صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان سے مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تجویز پر عمل ہوا کہ جنگ سے بچنے کی بھرپور کوشش کی جائے، لیکن اگر کوئی اللہ کے گھر جانے سے ہمیں تلوار کے زور پر روکے تو اس کا مقابلہ کر لیا جائے۔ (1) حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے پوچھا: کون ہے جو ہمیں عام راستے سے ہٹ کر حدیبیہ تک لے جائے؟ یہ اس لیے تھا کہ شاہراہِ عام پر کافروں کے لشکر سے جنگ کا اندیشہ تھا۔ یوں مسلمان عام راستے کو چھوڑتے ہوئے بڑے دشوار گزار راستوں سے ہو کر "حدیبیہ" کے مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں جا کر آپ کی اونٹنی "قصوا" بیٹھ گئی اور ایسا بیٹھی کہ اٹھائے نہ اٹھتی تھی۔ اس پر آپ نے فرمایا: قصوا تھکی نہیں ہے اور نہ ہی اس کی یہ عادت ہے کہ تھک کر بیٹھے، وَلَكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ یعنی درحقیقت اس کو اسی ذات نے روکا ہے جس نے اصحابِ فیل کے ہاتھیوں کو روکا تھا۔ چونکہ آپ غیبی اشارہ سمجھ گئے تھے اس لیے اپنے ساتھ صحابہ کو گواہ بناتے ہوئے ارشاد فرمایا: اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں کفارِ مکہ کی ہر وہ شرط مان لوں گا جس میں حُرماتِ الٰہی کی اہانت نہ ہو۔ (2) آپ نے وہیں پر غلاموں کو خیمہ زن ہونے کا حکم فرمایا۔

سفارتی کوششیں

کافروں کو جب پتہ چلا کہ مسلمان حدیبیہ پہنچ گئے ہیں تو وہ حیران و ششدر رہ گئے کہ ان کا لشکر تو انتظار کرتا رہ گیا جبکہ مسلمان ان کے سر پر پہنچ گئے۔ اب انہوں نے مسلمانوں کے حالات دیکھنے کیلئے بالترتیب بُدَیل بن وَرْقَاء خُزاعی، عُروہ بن مسعود ثَقفی اور حُلَیس بن

1 بخاری، 3/74، حدیث: 4178، 4179 ملخصاً
2 بخاری، 2/223، حدیث: 2731 ملخصاً

علقمہ اور مِکْرَز کو بھیجا۔ کافروں کا سر درد یہ بھی تھا کہ ان کا جو بھی نمائندہ آتا مسلمانوں کا ہمنوا بن جاتا اور واپسی پر کافروں کو انہیں عمرے کی اجازت دینے کی سفارش کر دیتا، یوں وہ خوب سٹپٹاتے۔ اب ان کی ایک پریشانی یہ بھی تھی وہ کھلم کھلا آپ کے لشکر پر حملہ نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمان حرم کی حد کے بالکل پاس تھے، نیز اگر وہ ایسا کر دیتے تو پورے عرب میں شور مچ جاتا کہ قریش کعبے کے متولی تو تھے ہی اب وہ اس کے مالک اور ٹھیکیدار بن گئے ہیں۔ جسے چاہتے ہیں عمرے کی اجازت دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں قتل کر دیتے ہیں، آج ان کا یہ سلوک مسلمانوں سے ہے کل کو کسی اور کے ساتھ بھی ہو گا۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو روکنے کے لیے طرح طرح کی چالیں چلیں کہ کسی طرح یہ لوگ واپس چلے جائیں اور عمرہ نہ کریں۔ لیکن مسلمان عمرہ کیے بغیر جانے پر تیار نہ تھے۔

حضرت عثمان بطورِ سفیر

جب کافروں کے سفیروں کی سفارت کاری کسی کام نہ آئی تو حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے ان کے پاس اپنا سفیر بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ آپ نے حضرت عمر کو اس کام کیلئے طلب فرمایا۔ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے عرض کی کہ قریش میری جان کے دشمن ہیں! وہ مجھے ہرگز نہیں چھوڑیں گے، اس کام کیلئے آپ حضرت عثمانِ غنی کو بھیجیں، ان کے وہاں تعلقات بھی ہیں اور ان کے خاندان کا اثر و رسوخ بھی ہے، پھر وہ خود بھی نرم مزاج ہیں تو کامیابی کا امکان زیادہ نظر آتا ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے یہ تجویز پسند فرمائی اور حضرت عثمان کو دس افراد کے ساتھ مکہ بھیجا تاکہ وہ کافروں کو قائل کریں کہ مسلمانوں کو عمرے کی اجازت دی جائے۔ (1)

1 مواہب لدنیۃ، 3/277 ملخصاً

www.dawateislami.net

بیعتُ الرضوان

حضرت عثمانِ غنی مکہ پہنچے اور قریش کے سرداروں کو یقین دلانے لگے، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے، انہوں نے حضرت عثمان کو پیش کش کی کہ آپ خود طواف کر لیں! دوسروں کی بات مت کریں! مگر حضرت عثمان نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ہرگز اس گھر کا طواف نہ کروں گا جب تک کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اس کا طواف نہ فرمالیں۔ بات بڑھ گئی اور ان کا قیام وہاں طول پکڑ گیا۔ ایسے میں یہ افواہ سرگرم ہو گئی کہ حضرت عثمان کو قریش نے شہید کر دیا ہے۔ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تک جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ یہ فرما کر آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان سے فرمایا کہ تم سب لوگ میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کرو کہ آخری دم تک تم لوگ میرے وفادار رہو گے۔ تمام صحابہ نے یہ عہد لے کر آپ کی بیعت کی۔ یہی وہ بیعت ہے جس کا نام تاریخِ اسلام میں "بیعتُ الرضوان" ہے۔ اس درخت اور اس کے نیچے ہونے والی بیعت کا ذکر قرآنِ پاک میں دو مقامات سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 7 اور سورۂ فتح کی کئی آیات میں آیا ہے۔ یہ بیعت ہو جانے کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمانِ غنی کی شہادت کی خبر غلط تھی، وہ حیات تھے اور ٹھیک تھے۔ [1]

صلحِ حدیبیہ کا معاہدہ

کافروں تک جب یہ خبر پہنچی کہ محض افواہ کی بنیاد پر مسلمانوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کر لیا ہے تو وہ بڑے پریشان ہوئے، اب وہ اس مسئلے کا سنجیدہ حل نکالنے کیلئے آمادہ ہو گئے۔ یوں انہوں نے خطیبِ قریش سہیل بن عَمرو قریشی کو بھیجا، جس نے حاضرِ خدمت

1 دلائل النبوۃ للبیہقی، 4/133 ملتقطاً وملخصاً

www.dawateislami.net

ہو کر معاہدہ کیا۔ اس کی شرائط یہ تھیں: ☆فریقین کے درمیان 10 سال تک جنگ نہیں ہو گی۔ ☆اِس سال مسلمان عمرہ کئے بغیر واپس چلے جائیں، آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں اور صرف تین دن مکے میں قیام کریں۔ ☆مسلمان اپنے ساتھ تلوار کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ لائیں اور وہ بھی نیام میں رہے۔ ☆مکے سے جو شخص مدینے چلا جائے تو اُسے واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مدینے سے مکے آگیا تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ ☆قبائلِ عرب کو اختیار ہو گا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کر لیں۔ [1]

حدیبیہ پر خیمۂ مصطفےٰ کے مکان کی تصویر

مصطفےٰ جانِ رحمت — مسلمانوں کی کیفیت

بظاہر اس معاہدے کی اکثر شقوں سے مسلمان دبتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ بالخصوص "کسی مسلمان کو پناہ نہ دینے اور اسے واپس کرنے کی شرط" اس شرط کا ہاتھوں ہاتھ نظارہ ہوا جب معاہدے پر دستخط نہ ہوئے تھے کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آیا جس سے مسلمان تڑپ اٹھے۔ یوں اس معاہدے سے تقریباً تمام مسلمان غم ناک اور پریشان تھے، بظاہر یہ معاہدہ کافروں کی مرضی کو تسلیم کرنے جیسا تھا۔ لیکن مستقبل میں کیا ہو گا

1 الکامل فی التاریخ، 2/87 تا 89 ملخصاً- السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص 431

اسے اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے بہتر کوئی نہ جانتا تھا۔ آپ نے اپنی قربانی کی، بال ترشوائے اور واپسی کیلئے تیار ہوگئے۔ یوں صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان بھی تیار ہوگئے۔ [1]

صلح کی حکمتیں

معاہدے کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں مگر اپنے اندر دُوررَس نتائج رکھتی تھیں۔ آنے والے واقعات نے ثابت کیا کہ یہ صلح بعد میں ہونے والی فتوحات کی کُنجی ثابت ہوئی۔ اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ظاہر کی نظر میں اسلام کے لئے دَبتی ہوئی بات تھی اور حقیقت میں ایک بڑی نمایاں فتح تھی جسے اللہ پاک نے ﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۙ﴾ [2] فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ فرماتے تھے: اسلام میں حدیبیہ سے بڑی کوئی فتح نہیں مگر لوگوں کی عقلیں اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے معاملے تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ [3]

سورۂ فتح کی آیت نمبر 25 کی تفسیر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: یہ آیت مسلمانوں کی تسکین کے لئے نازل فرمائی کہ اِس سال (مسلمانو!) تمہیں داخلِ مکّہ نہ ہونے دینے میں کئی حکمتیں تھیں: مکے میں بہت سے مرد و عورت خفیہ طور پر مسلمان ہیں، کفار پر قہر ڈھاتے ہوئے لاعلمی میں تم انہیں بھی روند دیتے۔ نیز وہاں وہ لوگ بھی ہیں جو ابھی کافر ہیں مگر عن قریب اللہ پاک انہیں اپنی رَحمت میں لے گا، اسلام دے گا، ان کا قتل منظور نہیں، ان وجوہات سے کفّارِ مکّہ پر سے قتل و قہر موقوف رکھا گیا۔ [4]

---

1. مغازی للواقدی، ص607 تا 608 ملخصًا- بخاری، 2/223، حدیث: 2731 ملخصًا
2. ترجمہ کنزالایمان: بیشک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی۔ (پ26، فتح:1)
3. سیرت حلبیہ، 3/41
4. فتاویٰ رضویہ، 30/381 ماخوذاً

www.dawateislami.net

غور و فکر کیا جائے تو اس صلح میں مزید کئی حکمتیں نظر آتی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

(1) حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے بعض اوقات مفاہمت و سمجھوتا کر لینے ہی میں دُور اَنْدَیشی اور عافیَّت ہوتی ہے۔ (2) کثیر اور بڑے فوائد کے لئے کوئی چھوٹا فائدہ ترک کر دینا قرینِ حکمت اور عقل مندی ہے۔ (3) فتنہ وفساد اور خون ریزی کا اندیشہ ہو تو کبھی حق پر ہوتے ہوئے بھی اپنا حق چھوڑ دینا چاہیے۔ (4) ذاتی، خاندانی یا معاشرتی جھگڑوں کے وقت بَسا اوقات پیچھے ہٹ جانے سے امن کی بہاریں آجاتی ہیں۔ (5) اگر انتظار کرنے میں زیادہ فائدے کی توقع ہو تو جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔[1] (6) بعض اوقات جنگ و جدال سے ملنے والی فتح ٹال دینے سے رحمت و امن والی فتح مل جاتی ہے۔

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یاد رکھنے کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعے کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

سوال: بئرِ معونہ کا واقعہ اور اس کے اسباق و نتائج بیان فرمائیں؟

سوال: مالِ غنیمت اور مالِ فے میں کیا فرق ہے؟

سوال: غزوۂ خندق کے اسباب اور نتائج بیان کریں؟

سوال: صلحِ حدیبیہ اور اس کے نتائج و اسباق بیان کریں؟

---

1 ماہنامہ فیضانِ مدینہ (اگست 2017)، ص 23

www.dawateislami.net

سترہواں باب

بعد از حدیبیہ تا رحلت شریف

After Hudaybiyah to the Blessed Apparent Passing

سلاطین کے نام دعوتِ اسلام

"صلحِ حدیبیہ" کی شرائط میں سے ایک یہ بھی تھی کہ فریقین دس سال تک کوئی جنگ نہیں کریں گے۔ اس شرط کا مسلمانوں کو خصوصی فائدہ یہ ہوا کہ ہر طرف امن و سکون کی فضا قائم ہو گئی۔ یوں روز روز کی جنگوں اور کافروں سے ہونے والی جھڑپوں کا خاتمہ ہو گیا۔ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرصت کے ان لمحات کو غنیمت جانا اور پوری توجہ کے ساتھ اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی۔ قریب کے علاقے تو پہلے ہی اسلام کی رم جھم سے چمکنے لگے تھے اب آپ نے دور دراز کے قبیلوں، شہنشاہوں اور بادشاہوں کو دین کی دعوت دینے کیلئے قاصد اور مکتوبات بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ مکتوبات بھیجنے پر آپ کو یہ تجویز دی گئی کہ بادشاہ ایسے کسی مکتوب پر توجہ نہیں دیتے جس پر مہر نہ ہو، اس لیے آپ نے اس زمانے کے اعتبار سے چاندی کی انگوٹھی پر مہر کندہ کروائی۔ اس کے نگینے پر بالترتیب اوپر سے اللہ، رسول، محمد کے الفاظ کھدوائے گئے۔ اس مہر کے ساتھ آپ نے سن چھ ہجری میں مختلف بادشاہوں کی طرف قاصدوں کے ذریعے مکتوبات روانہ فرمائے۔ جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

قاصد کا نام	شہر / ملک	بادشاہ / امیر	رویہ و نتیجہ
حضرت دحیہ کلبی	بیت المقدس	ہرقل (قیصر روم)	اسلام کی حقانیت کا قائل ہوا مگر سلطنت کی لالچ میں کلمہ پڑھنے سے محروم رہا۔ ①
حضرت عبد اللہ بن حذافہ	طیسفون	کسریٰ (خسرو پرویز)	خط کو پھاڑ ڈالا، اس کے بیٹے نے اسے قتل کر ڈالا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ ②

1 بخاری، 1 / 12، حدیث: 7 ملخصاً
2 سبل الہدیٰ والرشاد، 11 / 362 ملخصاً

www.dawateislami.net

حضرت عمرو بن امیہ	اکسوم	اصحمہ نجاشی	خط کی تعظیم کی اور اسلام قبول کر لیا۔ (1)
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ	اسکندریہ	مقوقس (شاہِ مصر)	خط کی تعظیم کی، مگر مسلمان نہ ہوا، قیمتی تحائف آپ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی طرف بھیجے۔ (2)
حضرت علا بن حضرمی	بحرین	منذر بن ساویٰ	خط کی تعظیم کی اور قوم کے اکثر افراد کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ (3)
حضرت عمرو بن عاص	عمان	جُلَنْدی کے دو بیٹے جَیفَر اور عبد	خط کی تعظیم کی دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (4)
حضرت سلیط بن عمرو	یمامہ	ہوذہ بن علی	خط کی تعظیم کی، قاصد کا بھی احترام کیا، مگر حکومت کے بدلے میں اسلام قبول کرنے کی شرط رکھی جو منظور نہ فرمائی۔ (5)
حضرت شجاع بن وہب	غوطہ (دمشق)	حارث بن ابی شمر غسانی	مغرور خط کو پڑھ کر برہم ہو گیا اور اپنی فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ اس وجہ سے "غزوۂ موتہ" اور "غزوۂ تبوک" جیسے معرکے پیش آئے۔ (6)

1 سبل الہدیٰ والرشاد، 11/365 ملخصًا

2 سبل الہدیٰ والرشاد، 11/348، 349

3 شرح الزرقانی علی المواہب، 5/34 تا 36 ملخصًا

4 شرح الزرقانی علی المواہب، 5/37 تا 43 ملتقطا

5 مدارج النبوت، 2/229، 228 ملخصًا

6 سبل الہدیٰ والرشاد، 11/359، 358 ملخصًا

www.dawateislami.net

سن چھ ہجری کی متفرق لڑائیاں

سن چھ ہجری میں ہی سریۂ نجد درپیش ہوا جس میں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہُ عنہ ایک لشکر کے ساتھ گئے اور بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کرکے لائے۔ جو کچھ دن بعد مسلمان ہوگئے اور انہوں نے اہلِ مکہ کا دانہ پانی بند کردیا۔ (1) بعد میں حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے حکم پر یہ پیچھے ہٹ گئے۔ اسی سال دس سے زائد ایسے مواقع آئے جن میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے لشکر بھیجے۔

غزوۂ خیبر

اسی سال محرم کے مہینے میں غزوۂ خیبر کا معرکہ ہوا۔ ایک قول کے مطابق یہ سات ہجری کا واقعہ ہے۔ ”خیبر“ (2) عرب میں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہ جگہ کھجور کے درختوں اور ہرے بھرے کھیتوں سے بھرپور تھی، یہاں بہت سے مضبوط قلعے بھی بنے ہوئے تھے۔ مدینے سے جِلاوطن کئے جانے والے یہودیوں نے بھی اسی کو اپنا ڈیرہ بنایا اور خیبر کے یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر کئی حملے کئے۔ شدید نقصان اٹھانے کے باوجود یہودیوں کو چین نہ آیا بلکہ ان کے انتقام کی آگ مزید بڑھ گئی۔ وہ ایک بار پھر مدینہ شریف پر حملے کا منصوبہ بنانے لگے اور قبیلۂ غَطَفان کو بھی اپنا ساتھ دینے پر راضی کرلیا۔ (3)

---

1. مدارج النبوت، 2/189
2. خیبر (Khaybar) مدینہ شریف سے شمال مغرب کی جانب تبوک (Tabuk) جانے والے راستے پر واقع ہے، مدینہ شریف سے اس کا فاصلہ تقریباً 153 کلومیٹر ہے۔ یہاں کی زمین زرخیز اور علاقہ عمدہ کھجوروں کی پیداوار کیلئے مشہور تھا۔ یہاں اتنی کثرت سے باغات تھے کہ شہر نظر نہیں آتا تھا۔ اب نیا شہر قدیم علاقے سے ہٹ کر واقع ہے۔
3. السیرۃ النبویہ لابن ہشام، 2/281

www.dawateislami.net

"غَطفان" عرب کا ایک بہت ہی طاقتور اور جنگ جُو قبیلہ تھا، لہٰذا ان دونوں کے ملنے سے زبردست فوج تیار ہوگئی۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو جب علم ہوا تو آپ سولہ سو صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان کا لشکر لے کر خیبر روانہ ہوئے۔ آپ نے غطفان و یہود کے درمیان وادیٔ رجیع میں قیام فرمایا تا کہ قبیلۂ غطفان والے یہودیوں کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ ①

جنگ کی روداد

یہودیوں کے پاس تقریباً بیس ہزار فوج تھی۔ خیبر کے قلعوں میں سب سے مضبوط قلعہ "قموص" تھا، اس کا سردار مَرحَب پہلوان تھا جو عرب میں ایک ہزار سُواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ ② سب سے پہلے قلعہ "ناعِم" پر لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے، لیکن قلعہ آخرِ کار فتح ہوگیا۔ ③ خیبر کے دوسرے قلعے بھی آسانی سے فتح ہوئے لیکن قلعۂ قَموص میں بہت مشکل پیش آئی۔ "مرحب" پہلوان خود اس قلعے کی حفاظت کے لئے موجود تھا، یہ قلعہ کئی دن تک فتح نہ ہوسکا۔ بالآخر مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے حضرت مولا علی کَرَّمَ اللہُ وجہہُ الکریم کو پرچم عطا فرما کر اس قلعے کی طرف بھیجا اور بالآخر مولا مشکل کشا، حضرت شیرِ خدا کے ہاتھوں قلعہ فتح ہوگیا۔ ④ یوں سن 7 ہجری محرم الحرام سے شروع ہونے والے اس معرکے کا اختتام صفر شریف میں ہوا۔ ⑤

---

1 دلائل النبوۃ للبیہقی، 4/197-مواہب لدنیۃ، 1/282، 281 ملتقطا

2 سیرتِ مصطفٰی، ص 383، 384

3 تفسیر بغوی، پ26، الفتح، تحت الآیۃ:20، 4/177 ملتقطاً

4 سنن کبری للنسائی، 5/109، 110، حدیث: 8403

5 فتح الباری، 8/395

www.dawateislami.net

غزوۂ خیبر میں 93 یہودی مارے گئے جبکہ 15 مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ①

حصن مرحب اور حصن قموص کی تصویر

غزوۂ خیبر کے موقع پر ہی آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا جو خیبر کے ایک سردار کی بیٹی تھیں۔ آپ نے دعوتِ ولیمہ میں کھجور، گھی، پنیر کا مالیدہ کھلایا۔ ②

عمرۃ القضا

حدیبیہ کی صلح میں ایک شرط یہ تھی مسلمان اگلے سال آکر عمرہ کرسکتے ہیں لیکن اس کیلئے محض تین دن مکہ میں رہ سکیں گے۔ ماہِ ذوالقعدہ سن 7 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ

1 شرح الزرقانی علی المواہب، 3/264

2 بخاری، 1/148 حدیث: 371

علیہ واٰلہٖ وسلّم نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ پچھلے سال حدیبیہ میں شریک تھے وہ سب چلیں۔ شہید ہونے والوں کے سوا باقی تمام صحابہ آپ کے ساتھ چلے اور سب نے آپ کے ساتھ عمرے کی یہ عظیم سعادت حاصل کی۔ اسی سفر سے واپسی پر آپ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ ①

غزوۂ موتہ کے اسباب

سن آٹھ ہجری کے اہم ترین واقعات میں سے ایک ''غزوۂ موتہ'' ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر قیصرِ روم کے نام ایک خط دے کر روانہ فرمایا تھا۔ راستے میں قیصر کے ایک امیر شُرَ حْبِیل بن عمرو غسانی نے حضرت حارث کو روک کر پوچھا: کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم) کے قاصد ہو؟ انہوں نے ''ہاں'' میں جواب دیا تو اس بدبخت نے انہیں رسیوں میں باندھ کر بڑی بے دردی سے شہید کر دیا۔ اس حادثے سے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کو صدمہ پہنچا۔ آپ نے تین ہزار مسلمانوں کا لشکر تیار فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے سفید رنگ کا جھنڈا باندھ کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فوج کا سپہ سالار بنا کر روانہ فرمایا اور فرما دیا تھا کہ ان کی شہادت ہو جائے تو قیادت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کریں گے اور پھر ان کے بعد حضرت عبدُاللہ بن رَواحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد جسے مسلمان منتخب کر لیں۔ ②

حیرت انگیز منظر

چشمِ فلک کیلئے حیرت انگیز منظر ہے کہ دو لاکھ دشمن کے مقابلے میں 3 ہزار کا مٹھی بھر

① شرح الزرقانی، 3/328، 329 ملخصاً

② سیرت حلبیہ، 3/96، مواہب لدنیہ، 1/301

دستہ دینِ مصطفوی کی خاطر رواں دواں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنی جانوں کی پرواہ نہیں، نہ تو ان کے پاس بہت زیادہ اسلحہ ہے اور نہ ہی سواریوں کی کثرت، اپنے گھروں سے ہزار کلو میٹر سے بھی زیادہ دوری پر جانوں کے نذرانے راہِ خدا میں دینے کے لئے بے تاب چلتے جارہے ہیں۔ ایک ایک مجاہد کے سامنے 66 دشمن اسلحہ سے لیس ہو کر مقابلے کیلئے تیار ہیں لیکن اللہ کے شیر اُسی پر بھروسہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے جارہے ہیں۔ پھر ایک سفیر کے شہید کئے جانے پر دنیا کی ظاہری سپر پاور کے ساتھ ٹکرانا اس بات کا درس تھا کہ بہادری اور دلیری تعداد سے نہیں نظریات اور قوانین سے ہوتی ہے۔

جنگ کی روداد

مسلمانوں کے کمانڈر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جب دو لاکھ کا لشکر دیکھا تو اس پر مجلسِ مشاورت قائم فرمائی۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارا مقصد فتح یا مال نہیں، بلکہ ہمارا تو مقصود ہی شہادت ہے۔ یہ باتیں سن کر لوگ کہنے لگے: عبد اللہ نے سچ کہا۔ پھر حضرت زید نے آگے بڑھ کر ”موتہ“[1] کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اور لشکر کو ترتیب دیا۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے کُفّار کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے جارحانہ حملہ شروع کر دیا۔ حضرت زید یہ منظر دیکھ کر گھوڑے سے اتر کر میدانِ جنگ میں کُود پڑے، ان کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی نہایت جوش و خروش کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا، کافروں نے آپ پر نیزوں اور بَرچھیوں کی برسات کر دی یوں آپ جوانمردی سے

1 مُوتہ موجودہ اُردن (Jordan) کے شہر کرک (Kerak) اور دریائے اردن کے درمیان کا علاقہ ہے۔ اردن مغربی ایشیا (Western Asia) کا ملک ہے جس کا دارالحکومت عمان (Amman) ہے۔ اُس وقت یہاں شامیوں کی حکومت تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جس میں مسلمانوں کا لشکر مدینہ شریف سے اتنا دور جنگ کیلئے گیا۔ اردن کا مدینہ شریف سے کم از کم فاصلہ ایک ہزار کلو میٹر سے زائد ہے۔

لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ①

حضرت جعفر اور حضرت عبد اللہ کی شہادت

حضرت زید کی شہادت کے بعد حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے پرچم تھام لیا، شیطان نے آپ کے دل میں موت سے نفرت اور زندگی کی مَحبّت بڑھانے کی کوشش کی، آپ نے فرمایا: مؤمنین کے دلوں میں ایمان پختہ ہونے کا وقت تو اب ہے اور تُو مجھے دنیا کی لالچ دے رہا ہے۔ ② یہ کہہ کر دُشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن نے آپ کے دونوں بازو جسم سے جدا کر دیئے۔ آپ نے پھر بھی پرچم نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ جسم کے دو حصے کر دیئے گئے۔ آپ کے جسم کے ایک حصے پر 80 سے زیادہ زخموں کے نشانات تھے۔ ③ اللہ کریم نے عالَمِ برزخ میں انہیں کٹے ہوئے بازؤں کے بدلے دو پَر عطا فرمائے۔ ④ حضرت جعفر کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے حضرت عبدُاللہ بن رَواحہ رضی اللہ عنہ کو پکارا۔ اس وقت یہ لشکر کی دوسری جانب تھے اور تین دن سے بھوکے تھے، اونٹ کے گوشت کا ایک ٹکڑا کھانے کے لئے ہاتھ میں پکڑا ہی تھا کہ حضرت جعفر کی شہادت کا سُن کر اس گوشت کو چھوڑا اور پرچمِ اسلام ہاتھ میں لے کر لشکر کی کمان سنبھال کر بے جگری سے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ دلیری اور جاں بازی کے ساتھ لڑتے ہوئے زخموں سے نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑے اور جامِ شہادت نوش کر گئے۔

”سیف اللہ“ حضرت خالد بن ولید

ان تینوں کی شہادت کے بعد حضرت ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھا لیا اور

---

1 شرح ابی داؤد للعینی، 6/41، 42، حدیث:1557 ملخصاً- سیرتِ مصطفیٰ، ص404

2 دلائل النبوۃ لابی نعیم، جز:2، 1/316

3 مواہب لدنیہ، 1/301 - تاریخ الخمیس، 2/459

4 معجم اوسط، 5/164، حدیث:6932

www.dawateislami.net

Go To Index

مسلمانوں کو آواز دے کر فرمایا کہ اپنے میں سے کسی کو سپہ سالار چُن لو، تو مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چُن لیا اور لشکر کی قیادت ان کے سپرد کر دی۔(1) حضرت خالد نے بکھرے ہوئے مسلمانوں کو جمع کیا، لشکر کی ترتیب تبدیل کرتے ہوئے دائیں، بائیں اور آگے پیچھے کے مجاہدین کی آپس میں جگہ بدل دی، دشمن نے سمجھا شاید مسلمانوں کو مزید مدد مل گئی ہے جس سے ان کے دلوں میں رعب بیٹھ گیا اور وہ شکست کھاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگے۔(2) اس دن مسلمانوں نے شدید لڑائی لڑی، یہاں تک کہ صرف حضرت خالد کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں(3) یہ جنگ سات دن تک جاری رہی۔(4)

جنگ کا نتیجہ

دو لاکھ کے مقابلے میں صرف تین ہزار کا لشکر سات دن تک ڈٹا رہا اور صرف تیرہ مجاہدین شہید ہوئے۔ سات دن کے بعد جب دشمن کا لشکر ہزیمت اٹھاتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا تو حضرتِ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی کمال حکمت و دانائی سے کام لیتے ہوئے لشکر کو پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔ دشمن کی 66 گنا زیادہ تعداد کے ساتھ ٹکرانا، سات دن تک ڈٹے رہنا، صرف 13 مجاہدین کا شہید ہونا، پھر دشمن کے لشکر کا پلٹ کر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکنا اور حضرت خالد بن ولید کا اپنے لشکر کو صحیح وسالم مدینۂ طیبہ لے آنا فتح اور کامیابی سے کم نہیں ہے۔(5)

علمائے کرام کی ایک تعداد ہے جو اس جنگ کو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کے موجود

1. سیرت حلبیہ، 3/97
2. دلائل النبوۃ للبیہقی، 4/370
3. بخاری، 3/97، حدیث: 4265
4. سبل الہدی والرشاد، 6/151
5. شرح الزرقانی علی المواہب، 3/348 ملخصاً

www.dawateislami.net

نہ ہونے کے باوجود غزوہ شمار کرتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم اس جنگ کے حالات براہِ راست دیکھ کر بیان فرمارہے تھے۔ دوسرا اس میں صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان کے لشکر کی کثرت اتنی تھی کہ اور کسی جنگ میں نہ تھی، اس وجہ سے یہ غزوہ شمار کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اس جنگ میں اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم شریک نہیں تھے، لیکن صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان اپنے سے ساٹھ گنا سے بھی زائد لشکر کے سامنے جرأت، دلیری اور بہادری کی تصویر بن کر ڈٹ گئے۔ عموماً جنگوں میں ایک سپہ سالار بھی جنگ میں کام آجائے تو بقیہ لشکر دل چھوڑ بیٹھتا (ہمت ہار جاتا) ہے۔ یہاں لشکر کے تین سپہ سالار یکے بعد دیگرے شہید ہوگئے مگر پھر بھی صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان پورے عزم اور جذبۂ ایمانی سے شہادت کے دروازے پر دستک دیتے رہے، یہاں تک کہ اللہ پاک نے ان مٹھی بھر مجاہدین کا رعب و دبدبہ دشمن کے لشکر پر ڈال دیا اور وہ شکست تسلیم کرتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی بنیادی وجہ صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان کے دلوں کا ایمان کی طاقت سے سیراب اور زرخیز ہونا، اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے ساتھ بے پناہ محبت ہونا اور رب کے وعدوں پر اعلیٰ درجے کا یقین ہونا ہے۔ آج بھی اگر یہی کیفیت پیدا ہو جائے تو کامیابیاں مقدر بنیں گی۔

غزوۂ فتحِ مکہ کے اسباب

سن آٹھ ہجری کے اہم ترین واقعات میں سے ایک فتحِ مکہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ صلحِ حدیبیہ کا معاہدہ کافروں نے اپنی حماقت سے توڑ ڈالا یوں اس عظیم الشان فتح کی راہ ہموار ہوئی۔ عرب کے دو قبیلے تھے: بنو خزاعہ اور بنو بکر۔ یہ دونوں شروع سے ہی ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے، حدیبیہ کے معاہدے کے بعد سارے قبیلے خود مختار تھے کہ جس سے چاہیں معاہدہ کریں۔ بنو خزاعہ قبیلے نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی خدمت میں حاضر

www.dawateislami.net

ہو کر آپ کا حلیف بننے کی خواہش ظاہر کی جو آپ نے منظور فرمائی۔ جبکہ بنو بکر نے فریقِ مخالف یعنی قریشِ مکہ سے معاہدہ کر لیا۔ بنو بکر کچھ عرصے تک تو معاہدے پر عمل کرتے رہے مگر پھر شیطان نے ان کو راہ سجھائی اور انہوں نے بنو خزاعہ پر اچانک سے حملے کا پروگرام بنایا۔ قریشِ مکہ کو نہ صرف اس بارے میں مکمل اعتماد میں لیا بلکہ ان کی حمایت بھی حاصل کی۔ بنو خزاعہ کو گمان بھی نہ تھا کہ ایسا ہو گا کیونکہ وہ معاہدے کے بعد مطمئن تھے۔ بنو بکر نے رات کے وقت حملہ کیا اور بنو خزاعہ کے لوگوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے۔ وہ اس اچانک آنے والی آفت سے بچنے کیلئے حدودِ حرم میں داخل ہو گئے کہ یہاں انہیں امان ملنے کا یقین تھا۔ مگر یہاں بھی انہیں تلواروں اور تیروں کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ صبح ہوئی تو حرم اور اس کے باہر ہر طرف ان کے لاشے بکھرے ہوئے تھے اور زخمی تڑپ رہے تھے، مگر ان کی مدد کرنے والا کوئی نہ تھا۔ قریش ان کے قتل پر مطمئن تھے اور انہیں کوئی فکر نہیں تھی۔

معاہدے کا اختتام

بنو خُزاعہ قبیلے کے بچ جانے والے لوگوں میں سے چند کا وفد مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور فریاد کی۔ آپ نے انہیں تسلی دی اور اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ تحقیق کے بعد آپ نے قریش کے پاس ایک قاصد بھیجا اور انہیں تین تجاویز دیں۔

(1) بنو خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کی جائے۔

(2) اہلِ مکہ بنو بکر سے دوستی کا معاہدہ ختم کر دیں۔

(3) ورنہ حدیبیہ کے معاہدے کے کالعدم (ختم) ہونے کا اعلان کر دیں۔

قریش نے پہلی دو تجویزوں کو اپنے لیے ندامت اور شرمندگی کا باعث سمجھا اور جذبات میں آکر معاہدے کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ قاصد یہ سن کر واپس آ گئے اور

Go To Index

پوری روداد بارگاہِ رسالت میں عرض کی۔ جذبات کی آگ جب سرد ہوئی تو قریش نے ٹھنڈے دل سے پوری صورت حال کا جائزہ لیا، معاہدہ توڑنے کی اپنی بات پر انہیں خوب ندامت ہوئی مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ انہوں نے قاصد مدینے بھیج کر معاہدے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش بے نتیجہ رہی۔

جنگ کی تیاری اور روانگی

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے ہجرت کے آٹھویں سال رمضان کے مہینے میں جنگ کی تیاری کا حکم فرما دیا۔ جنگ کی تیاری بڑی رازداری اور خاموشی سے کی گئی تاکہ قریش تک اس کی اطلاع نہ پہنچے۔ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم ماہِ رمضان کی دس تاریخ کو کم و بیش دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض قبائل راستے میں ساتھ ہوئے تو لشکر کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔[1] آپ نے مکہ میں داخلے سے پہلے فوج کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک حصے میں آپ خود موجود تھے جبکہ دوسرا حصہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں دے کر انہیں دوسرے راستے سے مکہ میں داخلے کا حکم فرمایا۔ آپ نے امن کیلئے اعلان فرمایا جو ہمارے مقابل نہیں آئے گا اس کے لیے امان ہے۔ اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ مسلمان بغیر کسی بڑی جنگ کے مکہ شریف میں داخل ہوگئے۔ لشکرِ انصار کے کمانڈر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جہاں سے گزرتے تو یہ رجزیہ شعر پڑھتے: اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ، اَلْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْکَعْبَۃُ یعنی آج کا دن سخت لڑائی کا دن ہے، آج کعبہ میں خون بہانے کا دن ہے۔ ان کے اشعار سن کر قریش بڑے پریشان ہوئے، انہیں اپنا سلوک یاد آنے لگا اور یہ یقین ہونے لگ گیا کہ زمین باوجود وسعت کے ان پر تنگ ہوگئی ہے۔ قریش

1 شرح الزرقانی علی المواہب، 3/395 ملخصاً

www.dawateislami.net

کے بعض افراد نے حضرت سعد کی یہ بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تک پہنچا کر دہائی دی۔ آپ نے فرمایا: سعد نے ٹھیک نہیں کہا، اس کے بعد آپ نے حضرت سعد سے جھنڈا لے کر ان کے ہی صاحبزادے حضرت قیس کو عطا فرما دیا۔ تاکہ انہیں حقیقت کا ادراک بھی ہو جائے اور ان کا دل بھی نہ ٹوٹے۔ (1)

عاجزی و انکسار کے پیکر

دنیا کا اصول ہے کہ جب کوئی بڑی فتح ملے تو فاتحین کی شان ہی الگ ہوتی ہے۔ سر فخر سے بلند ہوتے، سینے خوشی سے پھولے ہوتے، گردنیں بالکل سیدھی ہوتیں، باچھیں کھلی ہوتیں، گفتگو کا تیور بھی بدلا ہوتا اور انداز بھی شاہانہ ہو جاتے ہیں، اَلْغَرَض! فاتحین کی ایک ایک کیفیت اور ایک ایک ادا گویا چیخ چیخ کر فتح کا اظہار کر رہی ہوتی ہے۔ لیکن فاتحِ مکہ، والیٔ مدینہ، امام الانبیا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جب مکہ میں داخل ہوتے ہیں تو آپ کی عاجزی و انکساری کی شان ہی عجب ہے۔ حال یہ کہ گردن اتنی جھکی ہوئی ہے کہ کجاوہ سرِ انور کے بوسے لینے کے قریب ہے۔ اللہ اکبر!! (2)

مکہ شریف میں داخلہ

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم مکے میں داخل ہوتے ہی اپنی چچازاد بہن حضرت اُمِّ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے، وہاں غسل فرمایا اور پھر آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھی۔ (3) حضرت اُمِّ ہانی نے عرض کیا کہ میں نے دو افراد کو امان

---

(1) شرح الزرقانی علی المواہب، 3/402 تا 406 ملخصاً وملتقطاً
(2) شرح الزرقانی علی المواہب، 3/434
(3) بخاری، 3/104، حدیث: 4292

www.dawateislami.net

دی ہے لیکن میرے بھائی حضرت علی ان کے پیچھے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے ام ہانی! جسے تم نے امان دے دی ہے اسے ہماری طرف سے بھی امان ہے۔[1] اس وقت آپ کا جھنڈا جنت المعلیٰ کے قریب موجود "مسجدِ فتح" کے پاس گاڑا گیا۔ فتحِ مکہ کے موقع پر چند ایسے مجرم تھے جن کے بارے میں آپ نے حکم فرمایا کہ یہ جہاں بھی ہوں ان کی گردن اتار دی جائے۔[2] کچھ وہ بھی تھے جو اس وقت فرار ہو گئے تھے، لیکن بعد میں انہوں نے اسلام کے دامن میں پناہ لے کر امن کے پروانے حاصل کئے تھے۔[3] باقی سب کیلئے عام معافی کا اعلان تھا، اس شر

1 شرح الزرقانی علی المواہب، 3/446 ملخصاً
2 شرح الزرقانی علی المواہب، 3/436تا439 ملخصاً
3 مدارج النبوۃ، 2/301، 302 ملخصاً
4 شرح الزرقانی علی المواہب، 3/422 ملخصاً-438، 439

www.dawateislami.net

بیت اللہ شریف میں داخلہ

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اس کے بعد اونٹنی پر بیٹھ کر اپنے ساتھ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بٹھا کر مسجدِ حرام کی طرف روانہ ہوئے۔[1] زمانے کی عجب چال ہے کہ ”بت شکن“ حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہاتھوں کی یادگار خانۂ خدا میں آج تین سو ساٹھ بت قطار در قطار موجود ہیں۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دور کی یاد تازہ کرتے ہیں اور بنفسِ نفیس ایک چھڑی لے کر بتوں کو مار مار کر گراتے جاتے ہیں۔[2] ﴿وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا(۸۱)﴾[3] یہ آیتِ مبارکہ وردِ زباں ہے۔ یوں اندر و باہر سارے بت گرا کر وہاں سے نکلوائے پھر کعبے کے اندر تشریف لے گئے۔ بیت اللہ شریف کے تمام گوشوں میں تکبیر پڑھی اور دو رکعت نماز بھی ادا فرمائی اس کے بعد باہر تشریف لائے۔[4]

دشمنوں کے ساتھ سلوک

اس کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم دشمنوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ آج اہلِ مکہ اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کیلئے سر جھکائے آپ کے سامنے تھے۔ ان میں آپ کو سب و شتم کا نشانہ بنانے والے بھی تھے اور آپ کی راہ میں کانٹے بچھانے والی بھی۔ آج وہ بھی تھے جو آپ

1. بخاری، 3/104، حدیث:4289 ملخصاً
2. بخاری، 3/103، حدیث:4287
3. ترجمہ: اور تم فرماؤ کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا۔ (پ15، بنی اسرائیل:81)
4. بخاری، 1/156، حدیث:398 ملخصاً

www.dawateislami.net

کو دورانِ عبادت ستاتے تھے اور وہ بھی تھے جو آپ کے مبارک گھر میں گندگیاں ڈال کر پریشان کرتے تھے۔ آج وہ بھی تھے جو آپ کو ساحر، مجنون اور دیوانہ کہتے تھے اور وہ بھی تھے جو آپ کے غلاموں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے تھے۔ آج شعبِ ابی طالب میں آپ کو ساتھیوں سمیت محصور کرنے والے بھی تھے اور اس محصوری میں بھوک سے بلکتے بچوں کے رونے پر لطف اندوز ہونے والے بھی۔ آج آپ کی شان میں گستاخیاں کرنے والے بھی تھے اور دوسروں کو ان گستاخیوں پر ابھارنے والے بھی۔ آج آپ کے مخلص ساتھیوں کو مارنے پیٹنے والے بھی تھے اور رب کے گھر میں اس کی عبادت کو مشکل بنانے والے بھی، آج آپ کے نام لیواؤں کو سرزمینِ حرم چھوڑ کر حبشہ کے در و دیوار تک پہنچانے والے بھی تھے اور آپ کو اس "بلدِ امین" سے نکالنے والے بھی۔ آج آئے روز جنگوں کے سیلاب مدینے کے در و دیوار سے ٹکرانے والے بھی تھے اور شہدائے اُحُد کے مقدس لاشوں کے مثلہ کرنے والے بھی۔ الغرض وہ سارے دشمن قطار میں تھے جو پچھلے کئی سالوں سے آپ اور آپ کے ساتھیوں کے حوصلے آزمارہے تھے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟ ان مزاج شناسوں نے اپنے قصور و عیوب سے آنکھیں پھیر کر آپ کی رحمت کو ابھارتے ہوئے جواب دیا: اَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ یعنی آپ کرم والے بھائی اور کرم والے باپ کے بیٹے ہیں۔ [1] یہ جواب سن کر آپ کے لبوں کو جنبش ہوتی ہے اور کریمانہ لہجے میں فرماتے ہیں: لَاتَثْرِيْبَ

1 سنن الکبری للبیہقی، 9/199، حدیث: 18275

عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ فَاذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ یعنی آج تم پر کوئی الزام نہیں ہے، جاؤ! تم سب آزاد ہو۔[1]

عام معافی کے نتائج

جان کے پیاسے دشمنوں پر قبضہ پا کر انہیں عام معافی اور مکمل آزادی کا مژدۂ جاں فزا سنا کر آپ نے رہتی دنیا تک کے تمام فاتحین کیلئے ایک نمونہ قائم فرما دیا۔ آپ کے اس کرم و رحمت کا نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے بڑے دشمنوں کی گردنیں جھک گئیں، ان کے سَر خَم ہونے لگے اور ان کے دل و دماغ سے اسلام کی دشمنی کے جالے چھٹنے لگے اور وہ بیگانوں کی صف سے نکل کر اپنوں میں شامل ہونے لگ گئے۔ یوں رب کا دین غالب آنے لگا اور عرب کی سرزمین بڑی تیزی سے کفر و شرک کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکلنے لگی۔ مکہ شریف کے قیام کے دوران آپ نے چند خطبے بھی دیئے جن میں اسلام کی بنیادی باتوں پر روشنی ڈالی اور جاہلیت کے رسم و رواج کو ختم کرنے کے احکامات عطا فرمائے۔ اس دوران آپ نے دیگر احکامات کے ساتھ ساتھ مکے کے اطراف میں موجود بت بھی ختم کروا دیئے۔

غزوۂ حنین

اب تک بہت سے قبیلے ایسے تھے جنہیں اسلام کی حقانیت کا اعتراف تھا مگر وہ قریشِ مکہ کے ڈر کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ فتحِ مکہ کے بعد یہ ڈر بھی ختم ہو گیا اور اس عظیم الشان فتح سے تقریباً پورے عرب پر اسلام کا حق ہونا ظاہر ہو گیا۔ یوں کئی قبائل اسلام قبول کرنے لگے۔ مگر اس خبر کے بعد قبیلۂ ہوازن کے لوگ دیگر چند چھوٹے

[1] شرح الزرقانی علی المواہب، 3/449 ملخصاً

www.dawateislami.net

قبائل کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملے کی نیت سے نکل پڑے۔رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ بارہ ہزار کا لشکر لے کر ان کے مقابلے کو نکلے۔مکہ اور طائف کے درمیان ”حنین“ ① نامی جگہ پر دشمن سے آمنا سامنا ہوا۔ شروع میں مسلمانوں نے خوب ہاتھ دکھائے اور ایسا حملہ کیا کہ کافروں کی فوج میدان چھوڑ کر بھاگنے لگی۔مگر ان کی وہ فوج جو گھات لگائے ہوئے تھی اس نے جب حملہ کیا تو اسلامی لشکر میں افراتفری مچ گئی۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ثابت قدم رہے اور اس نازک موقع پر آپ نے انصار و مہاجرین کو پکارا، اس کے ساتھ ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن کی آواز بلند تھی، انہیں حکم دیا کہ وہ انصار و مہاجرین کو بلائیں۔ان کی آواز سنتے ہی انصار و مہاجر دونوں واپس پلٹے اور کفار کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔انہوں نے پھر سے بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ تھوڑی ہی دیر میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔کفار بھاگ نکلے، کچھ قتل ہوئے اور ایک تعداد نے ہتھیار ڈال دیئے اور واضح فتح نے اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے قدموں کا بوسہ لیا۔اس غزوہ میں ہزاروں قیدی اور ڈھیروں ڈھیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ②

اوطاس کا سریہ

حنین میں کافروں کی فوجیں شکست کھا کر کچھ تو ”اوطاس“ چلی گئیں اور کچھ ”طائف“ کے قلعے میں پناہ گزیں ہوئیں۔انہیں مکمل طور پر شکست دینے کیلئے ان دونوں جگہوں پر حملہ

---

① حنین ایک وادی ہے، جو مکہ شریف سے تقریباً 29 اور مدینہ شریف سے 462 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔
② شرح الزرقانی علی المواہب، 3/496 ملخصاً

www.dawateislami.net

Go To Index

کرنا ناگزیر ہو گیا۔ آپ نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو کمانڈر بنا کر تھوڑی فوج "اوطاس" بھجوا دی۔ حضرت ابو عامر تو شہید ہو گئے لیکن اسلامی لشکر فتح یاب ہوا۔ ان کے فوجی گرفتار ہوئے اور قیدی بنے۔ ①

غزوۂ طائف

اوطاس کے بعد طائف ② میں پناہ لینے والی فوج کی باری آئی۔ یہ وہی شہر ہے جہاں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ساتھ ظالمانہ سلوک ہوا تھا لیکن آپ نے یہاں کے لوگوں کی ہدایت کیلئے دعا فرمائی تھی۔ طائف کے چاروں طرف فصیل تھی اس لیے یہ بہت مضبوط پناہ گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے پہلے یہاں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر بھیجا، بعد میں خود بھی تشریف لے آئے۔ کافروں نے جب اسلامی لشکر کو دیکھا تو وافر مقدار میں دانہ پانی لے کر طائف میں چلے گئے اور دروازے بند کر دیئے۔ انہوں نے لشکرِ اسلام پر پوری قوت سے تیروں کی بوچھاڑ کر دی جس سے کچھ مسلمان شہید ہوئے اور کچھ زخمی ہوئے۔ دو ہفتوں سے زائد محاصرہ جاری رہا مگر شہر فتح ہونے کی امید نہیں تھی۔ شہر کی دیواریں اتنی مضبوط تھیں کہ منجنیق بھی اثر نہ ڈال سکی۔

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے جنگ کے ماہرین سے مشورہ کیا تو حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسولَ اللہ! لومڑی اپنے بھٹ میں ہے۔ اگر کوشش جاری رہی تو

① شرح الزرقانی علی المواہب، 3/532، 533 ملتقطا
② اس کا ذکر طائف کے سفر کے دوران گزر چکا ہے۔

www.dawateislami.net

پکڑلی جائے گی لیکن اگر چھوڑ دی جائے تب بھی ہمیں نقصان پہنچانے کی ہمت نہیں ہے۔ یہ سن کر آپ نے محاصرہ اٹھالینے کا حکم دے دیا۔[1] واپسی پر آپ نے طائف والوں کیلئے یہ دعا فرمائی: یااللہ! بنو ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں مسلمان بنا دے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ چند سال بعد بنو ثقیف خدمت میں آکر خود بخود مسلمان ہو گئے۔[2]

محاصرہ چھوڑنے کی وجوہات یہ تھیں کہ طائف خاصہ مضبوط قلعہ تھا، پھر انہوں نے وافر مقدار میں راشن وغیرہ جمع کیا ہوا تھا، یوں ان کے جلد ہتھیار ڈالنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ جبکہ مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنی بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے زیادہ دنوں تک مدینہ شریف سے باہر نہیں رہ سکتے تھے۔

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ طائف کے اطراف میں اکثر قبیلے مسلمان ہو چکے تھے، خود بنو ثقیف کے بھی کئی افراد مسلمان ہو گئے تھے، یوں اب طائف کی جنگی حیثیت ایسی نہ تھی کہ اس کے لیے کوئی بڑا خطرہ مول لیا جاتا۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مستقبل کے حالات جان لینے والے مصطفٰی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بنو ثقیف کو مسلمان ہوتا دیکھ رہے تھے۔ طائف سے جاتے ہوئے ان کیلئے کی جانے والی دعا میں بھی یہ اشارہ ملتا ہے۔ بہر حال محاصرہ ختم ہوا اور مسلمانوں کا لشکر وہاں سے کوچ کر گیا اور آپ کی دعا مقبول ہوئی کہ کچھ ہی عرصے بعد بنو ثقیف مسلمان ہو گئے۔

---

1 طبقات ابن سعد، 2/120 ملتقطاً

2 شرح الزرقانی علی المواہب، 5/121

www.dawateislami.net

مالِ غنیمت کی تقسیم

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم طائف کے محاصرے کے بعد ”جعرانہ“[1] تشریف لائے۔ یہاں غنیمت کے مال کا بہت بڑا ذخیرہ جمع تھا۔جس میں چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں، کئی من چاندی اور چھ ہزار قیدیوں سمیت اور بھی بہت کچھ تھا۔[2] آپ نے تازہ ایمان قبول کرنے والے بڑے بڑے سرداروں اور غریب مسلمانوں سمیت کئی لوگوں کو بڑے بڑے انعامات عطا فرمائے۔ کسی کو تین سو، کسی کو دو سو اور کسی کو سو اونٹ عطا فرمائے اسی طرح چاندی اور بکریاں بھی بڑی فیاضی سے آپ نے مختلف افراد کو عطا فرمائیں۔[3]

سن آٹھ ہجری کے متفرق واقعات

(1) اسی سال فرزندِ رسول حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی حضرتِ ماریہ رضی اللہ عنہا سے ولادت ہوئی۔

(2) اسی سال صاحب زادیِ رسول حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔

(3) اسی سال مسجدِ نبوی شریف میں منبر رکھا گیا۔ اس سے پہلے منبر نہیں تھا۔[4]

---

1 جعرانہ کا مسجدِ حرام سے فاصلہ تقریباً 26 کلومیٹر جبکہ بائی روڈ فاصلہ تقریباً 33 کلو میٹر ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں سے تین سو سے زائد انبیائے کرام نے عمرے کا احرام باندھا ہے۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بھی اسی موقع پر یہاں سے عمرے کا احرام باندھا۔ اس جگہ سے عمرے کو بڑا عمرہ بھی کہا جاتا ہے۔

2 شرح الزرقانی علی المواہب، 4/19

3 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص506 بتغیر قلیل

4 سیرتِ مصطفیٰ، ص470، 471 ملتقطاً

www.dawateislami.net

غزوۂ تبوک

سن نو ہجری کے اہم ترین واقعات میں سے ایک ”غزوۂ تبوک“ [1] ہے۔ اس غزوے کا سبب یہ بنا کہ مدینے میں خبر پہنچی کہ رومی عیسائیوں کا ایک لشکر مدینہ شریف پر حملے کا ارادہ رکھتا ہے۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے مدینے میں بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے کے بجائے مناسب سمجھا کہ ان سے وہیں پر ہی نمٹ لیا جائے، یوں آپ تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک کیلئے نکلے۔ یہ سفر بہت طویل تھا، موسم بھی گرم تھا اور تقریباً پورا حجاز قحط کی لپیٹ میں تھا، ایسے میں ہر طرف غربت و افلاس کے ڈیرے تھے۔ اسی وجہ سے اس جنگ کو ”جَیشُ العُسْرَۃِ (تنگ دستی کا لشکر)“ بھی کہا جاتا ہے۔ یہی وہ غزوہ ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیق نے پورا جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے گھر کا آدھا سامان بارگاہِ رسالت میں پیش کیا۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے دل کھول کر خرچ کیا، دیگر صحابہ نے بھی اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بہر حال تیاری کے بعد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم لشکر لے کر تبوک روانہ ہوئے۔ تبوک پہنچ کر لشکر کو پڑاؤ کا حکم دیا، دور دور تک رومی لشکر کا نام و نشان نہیں تھا۔ دراصل رومیوں کو جب لشکرِ اسلام کی شان و شوکت اور تعداد کا پتہ چلا تو ان پر ہیبت چھا گئی اور رعب کی وجہ سے انہیں مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ لشکرِ اسلام بیس دن کے قیام کے بعد وہاں سے واپس آیا۔ اس طرح تبوک اور اس کے آس پاس کے کئی علاقے اسلامی سلطنت میں داخل ہو گئے۔

---

1 تبوک (Tabuk) مدینہ شریف سے 552 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے جبکہ بائی روڈ یہ فاصلہ تقریباً 682 کلو میٹر ہے۔ جہاں لشکرِ اسلام نے پڑاؤ ڈالا تھا وہ جگہ آج قلعۂ تبوک والبرکۃ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ وہ آخری غزوہ ہے جس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بنفسِ نفیس سفر فرمایا ہے۔

www.dawateislami.net

مسجدِ ضرار کا واقعہ

مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم اسی غزوے سے واپسی پر جب مدینہ شریف کے قریب ایک علاقے میں ٹھہرے تو منافقین نے آپ سے درخواست کی کہ اُن کی مسجد میں تشریف لے چلیں۔ دراصل منافقوں نے مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کیلئے ایک مرکز بنایا اور ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کیلئے اسے مسجد کا نام دے دیا۔ اس میں بیٹھ کر منافقین مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ اللہ پاک نے ان کی اس سازش کا پردہ چاک فرمایا اور سورۂ توبہ کی آیات نازل فرما کر آپ کو اس جگہ جانے سے روکا۔ تب رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے بعض صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان کو حکم دیا کہ اس مسجد کو گرا کر جلا دیں۔ [1]

حضرت صدیقِ اکبر بطور امیرِ حج

اسی سال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے ذوالقعدہ کے مہینے میں تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ حج کیلئے مکہ مکرمہ روانہ فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہُ عنہ کو امیرِ حج، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہُ عنہ کو نقیبِ اسلام اور حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کو مُعلِّم مقرر فرمایا۔ اسی حج میں یہ اعلان کیا گیا کہ اب کوئی بھی ننگا ہو کر طواف نہیں کر سکے گا اور نہ کوئی مشرک بیت اللہ میں داخل ہو سکے گا۔ [2]

وفود کے آنے کا سال

حج کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام لانے لگے۔ اسلام کا ایسا ڈنکہ بجا کہ عرب کے دور

1. تفسیر خازن، پ11، التوبۃ، تحت الآیۃ:107، 2/281
2. السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص527، 528 ملتقطا - بخاری، 3/128، حدیث:4363 بتغیر قلیل

www.dawateislami.net

دراز علاقوں سے بھی کثرت سے لوگوں کے وفود آئے، اسی وجہ سے اس سال کو "عَامُ الوُفُود" بھی کہتے ہیں۔ "وُفُودٌ" عربی میں "وَفْدٌ" کی جمع ہے۔ وفد ایک سے زائد افراد کے گروہ کو کہتے ہیں۔ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تبلیغ کیلئے جب مبلغین کو بھیجتے تو بعض قبیلے مبلغین کے ہاتھوں مسلمان ہو جاتے جبکہ بعض قبائل اس بات کے خواہش مند ہوتے کہ براہِ راست بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر جمالِ نبوت کی زیارت کریں اور اپنے اسلام کا اظہار کریں۔ اسی لیے کچھ لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے نمائندے بن کر مدینہ شریف آتے اور خود اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی زبانِ مبارک سے دعوتِ اسلام سن کر اپنے اسلام کا اعلان کرتے اور پھر واپس اپنے اپنے قبیلوں میں جا کر انہیں بھی مسلمان کرتے۔ ایسے وفود مختلف زمانوں میں مدینے آتے رہے مگر نو ہجری میں ان کی قطار لگ گئی۔ ایک قول کے مطابق اس سال تقریباً 60 وفد آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ان وفود کے استقبال کیلئے خاص اہتمام فرماتے تھے اور ان کی خوب مہمان نوازی ہوتی تھی۔ آپ خود ان سے بڑی خندہ پیشانی سے گفتگو فرماتے، ان کی باتوں کو مکمل توجہ سے سنتے، مناسب جوابات عطا فرماتے، ان کی حاجتوں کی تکمیل کا سامان فرماتے اور پھر انہیں اسلام کے ضروری احکام و عقائد وغیرہ کی تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ ہر وفد کو ان کے حساب سے تحائف و انعامات بھی عطا فرماتے تھے۔

سن نو ہجری کے متفرق واقعات

(1،2) اسی سال زکوۃ کا حکم نازل ہوا اور سود کو حرام قرار دیا گیا۔ بعد میں سود کی حرمت کا خوب اعلان ہوا۔ [1]

[1] سیرتِ مصطفیٰ، ص504

www.dawateislami.net

(3) حبشہ کے بادشاہ حضرت اصحمہ نجاشی رضی اللہ عنہ کی وفات بھی اسی سال ہوئی۔ ①

مصطفیٰ جانِ رحمت حجۃ الوداع

سن دس ہجری کا اہم اور عظیم الشان واقعہ "حجۃ الوداع" ہے۔ اسے حجۃ الوداع اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا آخری حج تھا اور آپ نے ہجرت کے بعد یہی ایک حج فرمایا۔ جیسے ہی آپ نے اس حج کا اعلان فرمایا لوگوں کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے۔ ایک بہت بڑی تعداد آپ کی رفاقت کا شرف پانے کیلئے بے قرار ہو گئی۔ حضرت جابر فرماتے ہیں: "لوگوں کی بہت بڑی تعداد مدینے آگئی، سب کی ایک ہی تمنا تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے نقشِ قدم پر چلیں اور حضور جو بھی عمل کریں لوگ اس کی پیروی کریں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم بہت بڑی تعداد کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے اور مقامِ ذوالحلیفہ (ابیارِ علی) آکر قیام فرمایا۔ یہیں احرام باندھا اور نفل پڑھے، پھر اپنی اونٹنی "قصواء" پر جلوہ فرما ہوئے اور تلبیہ پڑھتے ہوئے ایک ٹیلے پر تشریف لے گئے اور باآوازِ بلند تلبیہ کہا، لوگ بھی آپ کے ساتھ لبیک کی صدائیں بلند کرنے لگے۔" ②

یقیناً یہ مناظر کہ جب امامُ الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اپنے ایک لاکھ سے زائد غلاموں کے ساتھ تلبیہ پڑھتے ہوئے سوئے مکہ روانہ ہوں گے تو شمس و قمر، شام و سحر، سنگ و شجر اور سب خشک و تر جھومنے لگے ہوں گے۔ تلبیہ کی یہ مدھ بھری صدائیں آج سے پہلے نہ سنی گئیں اور نہ قیامت تک سنائی دیں گی، کیونکہ ان آوازوں میں اللہ کے حبیب صلی اللہ

---

① شرح الزرقانی علی المواہب، 5/25

② مسلم، ص489، حدیث:2950 ملتقطاً

www.dawateislami.net

علیہ واٰلہٖ وسلّم کی مبارک آواز کا رس گُھلا ہوا تھا۔

اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم ذوالحج شریف کی چار تاریخ کو مکے میں داخل ہوئے، طواف فرمایا، مقامِ ابراہیم میں نفل ادا فرمائے، صفا و مروہ کی سعی فرمائی، 8 ذوالحجہ کو منیٰ تشریف لے گئے، پھر 9 تاریخ کو عرفات گئے، یہاں آپ نے کمبل کے ایک خیمے میں قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپ اپنی اونٹنی "قصواء" پر سوار ہوئے اور خطبہ پڑھا۔ اس خطبے میں آپ نے بہت سے ضروری احکامات کا اعلان فرمایا اور زمانۂ جاہلیت کی تمام برائیوں اور بیہودہ رسموں کو مٹانے کا اعلان فرمایا۔ ①

الوداعی خطبے کے اقتباسات

اس خطبے کے چند اقتباسات یہ ہیں:

☆ (اے لوگو!) اپنے رب سے ڈرو اور نمازِ پنجگانہ ادا کرو! رمضان کے روزے رکھو! مالوں کی زکوٰۃ دو! اپنے اہلِ امر کی اطاعت کرو! تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ②

☆ اللہ کریم فرماتا ہے: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔" پس کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر بَرتری ہے سوائے تقویٰ کے۔ ③ ☆ آگاہ رہو! بے شک تمہاری عورتوں پر تمہارے کچھ

1 آخری نبی کی پیاری سیرت، ص 121

2 ترمذی، 2/119، حدیث: 616

3 معجم کبیر، 18/12، حدیث: 16

www.dawateislami.net

حقوق ہیں اور تمہاری عورتوں کے بھی تم پر کچھ حقوق ہیں۔ تمہارا اپنی عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ اپنی عزت کی حفاظت کریں اور جو تمہیں پسند نہیں اسے گھر میں نہ آنے دیں، آگاہ رہو کہ تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے کہ تم انہیں اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ۔ [1] ☆ اے لوگو! بے شک میں تمہارے درمیان وہ چھوڑے جارہا ہوں کہ تم اسے تھامے رکھو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے: اللہ کی کتاب اور میرے اہلِ بیت۔ [2] ☆ پس جو حاضر ہے وہ غائب تک (میرا پیغام) پہنچادے، کیونکہ بہت مرتبہ سننے والے سے زیادہ محفوظ کرنے والا وہ ہوتا ہے جس تک پہنچایا گیا ہے۔ [3] ☆ خطبہ کے بعد آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ لوگوں نے کہا: ہم گواہی دیں گے کہ بے شک آپ نے پیغام پہنچا دیا اور حق ادا کر دیا اور نصیحت فرمادی۔ پھر آپ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف بلند فرمائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! تو گواہ رہنا! (یہ جملہ تین بار فرمایا۔) [4]

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کا یہ خطبہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ جامعیت و اختصار میں بھی بے مثل و بے مثال ہے۔ یہ ایک خطبہ قیامت تک کیلئے امت کے ہر درد کا درماں ہے۔ اس خطبے میں بیان کئے گئے اصول اور ضوابط اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ خطبہ وحیِ الٰہی کا آئینہ دار ہے۔ یہ خطبہ تمام اسلامی تعلیمات کا نچوڑ اور حقوق و فرائض کا عالمی منشور ہے۔ یہ خطبہ آج بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے تھا۔

---

1 ترمذی، 3/387، حدیث: 1166

2 ترمذی، 5/433، حدیث: 3811

3 بخاری، 1/577، حدیث: 1741

4 مسلم، ص490، حدیث: 2950۔ ماہنامہ فیضانِ مدینہ (جون 2023)، ص15، 16

حج کی تکمیل

عرفات کے ساتھ منیٰ شریف میں بھی آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں اور بعد میں سوالوں کے جوابات عطا فرماتے ہوئے حج کے بہت سے مسائل ارشاد فرمائے۔ پھر قربان گاہ تشریف لے گئے اور کچھ اونٹ اپنے مبارک ہاتھوں سے نحر فرمائے، بقیہ نحر کرنے کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا۔ قربانی سے فارغ ہو کر حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو شرف بخشا کہ ان سے سرِ انور کے بال مبارک اتروائے۔ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ بال لوگوں میں تقسیم کر دیں۔[1] حلق کے بعد آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! سر منڈانے والوں کو بخش دے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: یارسولَ اللہ! بال چھوٹے کرانے والوں کیلئے بھی دعا فرمادیں۔ آپ نے دوبار پھر وہی دعا کی۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی تیسری مرتبہ کی التجا کو شرفِ قبول بخشا اور کہا: اے اللہ! قصر کرنے والوں کو بھی بخش دے۔[2] طوافِ وداع کے بعد آپ مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ شریف واپس تشریف لائے۔

جیشِ اسامہ کی روانگی

یہ ایک سریہ ہے اور یہ وہ آخری لشکر ہے جسے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے روانہ فرمایا۔ 26 صفر سن گیارہ ہجری کو آپ نے رومیوں سے جنگ کی تیاری کا حکم فرمایا اور دوسرے دن حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا کمانڈر مقرر فرمایا۔ انہیں حکم فرمایا

1 سیرت حلبیہ، 3/377 ملتقطاً
2 سیرت حلبیہ، 3/378

www.dawateislami.net

کہ لشکر لے کر ایسی جلدی سے جاؤ کہ دشمن کو کچھ پتہ نہ چلے۔ حضرت اسامہ نے مدینہ سے ایک کوس دور قیام فرمایا اور وہاں لشکر جمع ہوتا رہا۔ حضرت اسامہ اور جہاد کیلئے جانے والے دیگر مجاہدین 10 ربیع الاول کو مزاج پرسی کیلئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرتِ اسامہ نے بارہ ربیع الاول کو کوچ کرنے کا اعلان فرمایا۔ اس دن لشکر کوچ کیلئے تیاری کر رہا تھا کہ پیغام آیا کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی طبیعت مبارک شدید ناساز ہے۔ یہ سن کر حضرت اسامہ و دیگر صحابہ مدینے آ گئے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے وصالِ ظاہری کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے دوبارہ اس لشکر کو روانہ فرمایا۔[1]

دین کی مضبوط عمارت

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ظاہری حیات کا آخری سال ہجرت کا گیارہواں سال ہے۔ 23 سال کے عرصے میں آپ نے شجرِ اسلام کی ایسی آبیاری فرمائی کہ حق اور سچ آفتاب کی طرح روشن ہو گیا۔ توحید کی بنیادیں ہمیشہ کیلئے مضبوط ہو گئیں، کفر و شرک کی کالی چادر تار تار ہو گئی اور انسانی عقل جہالت کے اندھیروں سے نکل کر روشنی کی مسافر بن گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے باصلاحیت اور ہر اعتبار سے قابل افراد کی ایسی منظم جماعت تیار فرما دی جو اسلامی تعلیمات کے فروغ میں آپ کی جانشین ثابت ہوئی۔ اسلام ہر اعتبار سے ایسا محفوظ ہوا کہ دین کی تکمیل کا مژدہ بھی سنا دیا گیا۔ گویا اب اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی زندگی کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ اب وہ وقت آن پہنچا تھا کہ خدا کے حبیب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنے سے پہلے انبیائے کرام کی طرح اس دنیا سے پردہ فرما جائیں۔

1 مدارج النبوت، 2/409،410

www.dawateislami.net

Go To Index

مرضِ وفات اور اس کی کیفیت

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کی طبیعت ماہِ صفر کے آخری بدھ کو ناساز ہوئی۔ بیماری کا آغاز اُمُّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہُ عنہا کے گھر سے ہوا۔ بیماری کا دورانیہ 13 دن تک تھا۔(1) مرضِ وِصال کے دوران آپ نے خود 40 غلام آزاد فرمائے۔(2) گھر میں سات دینار رکھے تھے جو آپ نے منگوا کر حضرت علی رضی اللہُ عنہ کے ذریعے تقسیم فرما دیئے۔ گھر میں ذرہ بھر بھی مال نہ چھوڑا۔(3) یہاں تک کہ پیر کی شام چراغ میں تیل نہ رہا، حضرت عائشہ رضی اللہُ عنہا نے کسی انصاری خاتون کو تیل لینے کیلئے بھیجا۔ حضرت شاہ عبد الحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سبحان اللہ! ابھی ابھی دینار صدقہ کئے اور گھر میں چراغ کے لئے تیل تک نہیں۔ اِس میں اتباع کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے کہ گھر میں کچھ نہیں رکھتے، جو مال ہوتا ہے وہ بھی خرچ کر دیتے ہیں۔ خدا اور رسول سے محبت کرنے والوں کو اس کی پیروی کرنی چاہئے۔(4) مرضِ وفات میں حضرت فاطمہ رضی اللہُ عنہ کو بلایا اور انہیں اپنے وصال کی خبر دی جس سے وہ رو پڑیں۔ بعد میں انہیں یہ بھی بتایا کہ سب سے پہلے وہی آپ سے ملیں گی تو وہ ہنس پڑیں۔(5) مرض کی وجہ سے آپ نے دیگر ازواجِ پاک سے حضرتِ

1 سیرت سید الانبیاء، ص596
2 مدارج النبوت، 2/418
3 مدارج النبوت، 2/424
4 مدارج النبوت، 2/425
5 بخاری، 3/153، حدیث:4433 ملخصاً

www.dawateislami.net

Go To Index

عائشہ رضی اللہُ عنہ کے حجرے میں رہنے کی اجازت طلب فرمائی، تمام امہات المؤمنین نے اجازت دے دی۔ یوں آخری 8 دن سیدہ عائشہ کے حجرے میں قیام فرما رہے۔[1] آخر کے کچھ دن جب مرض میں شدت ہوئی تو آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہُ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ یوں انہوں نے جمعرات کی عشا سے پیر کی نمازِ فجر تک 17 نمازیں پڑھائیں۔[2] 8 ربیع الاول بروز جمعرات آپ منبر کی جانب آئے اور تشریف فرما ہو کر خطبہ بھی ارشاد فرمایا، اس میں اپنی وفات کا اشارہ دیا جسے صرف حضرت ابو بکر نے سمجھا۔[3]

عظیم حادثے کا دن

بارہ ربیع الاول کو پیر کے دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ آپ کے حکم پر نمازِ فجر پڑھا رہے تھے۔ مصطفٰے جانِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے کمرے کا پردہ ہٹایا اور اپنے غلاموں کو دیکھا۔ آپ کا رخِ انور ایسے چمکنے لگا جیسے مصحف کا ورق ہو۔ پھر آپ نے تبسم فرمایا۔ نمازیوں کو جب احساس ہوا کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم انہیں دیکھ رہے ہیں تو قریب تھا کہ وہ نماز توڑ دیتے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو اور پردہ ڈال دیا۔[4] بیماری کے ایام میں ہی آپ نے صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان کو جنازے سے متعلق یہ

1 سیرت سید الانبیاء، ص597

2 سیرت سید الانبیاء، ص600- سیرت مصطفٰے، ص542، مدارج النبوۃ، 2/ 421

3 سیرت سید الانبیاء، ص600 ملخصًا

4 بخاری، 1/ 242، حدیث:680

www.dawateislami.net

وصیت فرمائی: ”جب میرا انتقال ہو جائے، مجھے غسل دینا، کفن پہنانا، اِسی گھر میں میری قبر کے کنارے پر اِسی چارپائی پر مجھے لٹا دینا اور کچھ وقت کے لئے حجرے سے باہر نکل جانا کیونکہ سب سے پہلے میری نمازِ جنازہ جبریلِ امین، پھر میکائیل، پھر اِسرافیل، پھر ملکُ الموت اپنے لشکروں سمیت پڑھیں گے، اِس کے بعد میرے اہلِ بیت سے مَرد، پھر عورتیں، پھر گروہ در گروہ داخل ہو کر نمازِ جنازہ[1] اَدا کرنا۔“ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[2]

اسی دن حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے تو اُن کے ہاتھ میں سبز مسواک تھی، حضور نے رغبت فرمائی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُسے نرم کرکے پیش کیا، آپ نے اُسے عادتِ کریمہ سے ہٹ کر زیادہ استعمال فرمایا۔[3] رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا بیماری کے ایام میں آخری کلام اور دعا مبارک یہ تھی: ”اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَ اَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی یعنی اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور رفیقِ اعلیٰ سے مجھے ملادے۔“[4] اِسی دن جانِ عالم، خاتم الانبیاء والمرسلین، رحمتِ دوعالم، بے کسوں کے

---

1 اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے جنازۂ اقدس پر نماز کے باب مختلف ہیں۔ بہت سے علماء اسی کے قائل ہیں کہ نماز نہ ہوئی، لوگ گروہ در گروہ صلاۃ و سلام عرض کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جب تک بیعت نہ ہوئی تھی، لوگ فوج در فوج آتے اور نماز پڑھتے جاتے۔ جب بیعت ہو گئی تو حضرت ابوبکر شرعاً ولی بن گئے پھر اِنہوں نے جنازۂ مقدس پر نماز پڑھی۔ ان کے بعد پھر کسی نے نہ پڑھی۔ (فتاویٰ رضویہ، 9/314 ملخصاً)

2 سیرت سید الانبیاء، ص600

3 مدارج النبوت، 2/426- سیرت سید الانبیاء، ص602

4 ترمذی، 5/299، حدیث: 3507

www.dawateislami.net

سہارے، دوجہاں کے راج دلارے، نبی رحمت، شفیعِ امت، مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آپ کے پردہ فرمانے سے پورے مدینے میں غم کی کیفیت تھی۔ تمام لوگ غم سے نڈھال تھے۔ اسلامی تعلیمات سب کے پیش نظر رہیں البتہ فطری تقاضوں کے مطابق رنج و الم کا اظہار ہوتا رہا۔

آپ کو غسل دینے کی سعادت حضرت علی، حضرت اسامہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہم نے حاصل کی۔ غسل کیلئے پانی اسی بئرِ غرس سے لایا گیا جسے آپ نوش فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جہاں وصال ہوا تھا وہیں حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بغلی قبر شریف تیار کی، حضرت علی، حضرت فضل بن عباس، حضرت قثم بن عباس اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم اجمعین نے جسمِ اقدس کو قبرِ منور میں اتارا۔ [1]

ذہنی آزمائش

سیرتِ طیبہ کو یادرکھنے کی نیت سے درجِ ذیل سوالوں کے جوابات پر غور کریں

سوال: غزوۂ موتہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

سوال: فتحِ مکہ کے اسباب اور اس فتح کے نتائج بیان فرمائیں؟

سوال: بیت اللہ شریف میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے داخلے کی کیفیت بیان فرمائیں؟ نیز آپ نے فتحِ مکہ کے بعد اپنے دشمنوں سے جو سلوک کیا اس پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیں؟

سوال: غزوۂ طائف اور اس کے نتائج و وجوہات بیان فرمائیں؟

سوال: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے آخری ایام کے کوئی سے پانچ عمل بیان فرمائیں؟

[1] ابن ماجہ،2/284، 286،حدیث:1628 ملتقطا

www.dawateislami.net

اٹھارہواں باب

متفرقات

Miscellaneous

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے کاتبین [1]

وہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان جو قرآنِ پاک کی آیات اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی تحریروں کی کتابت کرتے تھے، اِنہیں "کاتبینِ رسول" کہا جاتا ہے۔ ان میں سے چند کے نام مع مختصر تعارف پیش ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق تیمی قرشی صحابی ہیں، اسلام کے پہلے خلیفہ، عشرۂ مبشرہ میں شامل، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے اولین جانشین، ہجرتِ مدینہ کے وقت رفیقِ سفر ہونے کے ساتھ ساتھ کاتبِ رسول ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے۔

حضرت عمر فاروق عدوی قرشی صحابی ہیں، مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ ہیں، دعائے مصطفٰی سے ایمان کی دولت نصیب ہوئی اور دنیا میں ہی زبانِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے جنت کی بشارت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ کاتبِ رسول ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

حضرت عثمان غنی اموی قرشی صحابی ہیں، اسلام کے تیسرے خلیفہ، دامادِ رسول اور جامع القرآن ہیں۔ عشرۂ مبشرہ میں شامل ہونے کے ساتھ کاتبِ رسول ہونے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں۔

حضرت مولا علی ہاشمی قرشی صحابی ہیں، اسلام کے چوتھے خلیفہ اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے چچا زاد بھائی اور داماد ہیں۔ عشرۂ مبشرہ میں شامل ہونے کے ساتھ کاتب رسول ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

حضرت حَنظلہ بن ربیع تمیمی صحابی ہیں، آپ مشہور کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم میں سے ہیں، آپ تمام کاتبین کے نائب تھے اور ہر ایک کے غیر حاضر ہونے کی صورت میں لکھتے تھے۔

حضرت اُبَی بن کعب انصاری صحابی ہیں، سید القراء لقب، فقیہ صحابہ میں سے ہیں، تمام غزاوات میں شرکت کے ساتھ ساتھ مدینے شریف میں وحیِ رسول لکھنے والے سب سے پہلے صحابی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

---

1 تمام کاتبینِ رسول کا تعارف "سبل الہدی، 11/375تا393" سے لیا گیا ہے۔

www.dawateislami.net

حضرت زبیر بن عوام نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں، عشرۂ مبشرہ میں شامل ہونے کے ساتھ کاتبِ رسول ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

حضرت عامر بن فُہَیرہ ازدی صحابی ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام، سابقون الاولون میں شامل ہیں۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک ہونے کے ساتھ ساتھ کاتبِ رسول بھی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ انصاری صحابی ہیں، بیعت عقبہ ثانیہ میں ایمان لائے اور مدینہ منورہ کے بارہ نقیبوں میں شامل ہونے کے ساتھ ساتھ کاتبِ رسول کا اعزاز بھی رکھتے ہیں۔

حضرت ثابت بن قیس انصاری خزرجی صحابی ہیں، خطیبِ انصار اور خطیبِ رسول لقب ہے۔ غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت کے ساتھ ساتھ کا تبِ رسول ہونے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں۔

حضرت خالد بن سعید یہ قریشی صحابی ہیں اور سابقون الاولون سے ہیں۔ سب سے پہلے بسم اللہ شریف لکھنے کے ساتھ کاتبِ رسول ہونے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ اموی قرشی صحابی ہیں، پہلے بادشاہِ اسلام ہونے کے ساتھ ساتھ کاتبِ رسول ہونے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے مؤذن [1]

1. حضرت بلال بن رَباح رضی اللہ عنہ
2. حضرت عبد اللہ بن عمرو بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ
3. حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ
4. حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ

---

[1] الشجرۃ النبویۃ فی نسب خیر البریۃ از امام یوسف بن حسن مقدسی، مطبوعہ دار ابن کثیر، ص 82

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے خدمت گزار ①

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ (سفرِ ہجرت میں انہیں یہ سعادت ملی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہُ عنہ (مدینے میں دس سال تک خدمت کی سعادت پائی)

حضرت بلال بن رباح رضی اللہُ عنہ (حضرت ابو بکر کے آزاد کردہ غلام)

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہُ عنہ (رات کو خدمت کیلئے پیش رہتے تھے)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہُ عنہ (مبارک نعلین (جوتے) سنبھالتے تھے)

حضرت قیس بن سعد رضی اللہُ عنہ (صاحبِ لواءِ رسول)

حضرت مغیرہ بن شُعبہ رضی اللہُ عنہ (حضور علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کیلئے سفر میں وضو کا برتن رکھتے تھے)

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اموال کے منتظم

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہُ عنہ

حضرت معیقیب رضی اللہُ عنہ

حضرت بلال بن رباح رضی اللہُ عنہ

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے رازدار ②

حضرت انس بن مالک رضی اللہُ عنہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہُ عنہ

خاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہُ عنہا

1 اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اپنے ”غلام“ بھی تھے، یہاں ان کے سوا خدمت گزاروں میں سے چند کے نام ”الشجرۃ النبویۃ فی نسب خیر البریۃ، ص87“ سے پیش کیے جا رہے ہیں۔

2 الشجرۃ النبویۃ فی نسب خیر البریۃ، ص91، 92

Go To Index

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مقرر کردہ قاضی

حضرت مولیٰ علی رضی اللہُ عنہ

حضرت مُعاذ بن جَبَل رضی اللہُ عنہ

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی غذائیں (1)

بعض سبزیاں

کدّو شریف: حضرت جابر رضی اللہُ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم سے کدو کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ہم اسے بہت کھاتے ہیں۔

(ابن ماجہ، 4/28، حدیث:3304)

گوشت: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے مختلف جانوروں کا گوشت تناول فرمایا، جن میں اونٹ، بکری، دنبہ، بھیڑ، مرغ، خرگوش، بٹیر اور مچھلی شامل ہے۔ ان میں بکری کی دَستی کا گوشت پسند فرماتے تھے۔

(شمائلِ محمدیہ للترمذی، ص102 تا 112 ماخوذاً)

ککڑی: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کو کھجور ککڑی کے ساتھ ملا کر کھاتے دیکھا۔

(مسلم، ص870، حدیث:5330)

سرکہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہُ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کھانے کی کوئی چیز ہے؟ تو عرض کی گئی: سرکہ ہے۔ فرمایا: سرکہ بہترین سالن ہے اور یہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کا سالن ہے۔

(ابن ماجہ، 4/34، حدیث:3318)

---

1 ہماری تحقیق کے مطابق وہ غذائیں (ماکول و مشروب) جو اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے استعمال فرمائیں یا جن کا ذکر فرمایا؛ ان کی تعداد 60 سے کچھ زائد ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔

www.dawateislami.net

کلیجی: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ ذبح کیا اور اس کی کلیجی اور کوہان کو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے لیے بھونا۔

(مسلم، ص774، حدیث:4678)

ستو: حضرت سوید بن نعمان رضی اللہُ عنہ کا بیان ہے: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ایک دفعہ ستو بھگونے کا حکم دیا، پھر وہ ستو آپ نے بھی کھائے اور ہم نے بھی کھائے۔

(بخاری، 1/ 93، حدیث:209 ملخصاً وملتقطا)

بعض پھل

انگور: حضرتِ ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے: میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی زیارت کے لئے گیا تو دیکھا کہ آپ انگور تناول فرمارہے تھے۔

(معجم کبیر، 12/ 115، حدیث:12727)

کھجور: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو دیکھا کہ وہ کھجور کے ساتھ کھیرا اور ککڑی کھارہے تھے۔

(مسلم، ص1130، حدیث:2043)

خربوزہ: حضرت انس رضی اللہُ عنہ کا بیان ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم خربوزے کو تر کھجوروں کے ساتھ تناول فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ خربوزے کی ٹھنڈک کھجور کی گرمی کو ختم کر دے گی۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، 7/ 209)

تربوز: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تربوز کو تر کھجور کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے۔

(ترمذی، 3/ 332، حدیث:1850)

بعض مشروبات

ٹھنڈا پانی: حضرت عائشہ رضی اللہُ عنہا فرماتی

دودھ: حضرت اُمّ الفضل رضی اللہُ عنہا کا بیان

Go To Index

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کو محبوب ترین شربت ٹھنڈا میٹھا تھا۔

(ترمذی، 3/356، حدیث:1902)

کچی لسی: حضرت انس رضی اللہُ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے پاس پانی ملا ہوا دودھ لایا گیا تو آپ نے اسے نوش فرمایا۔(بخاری، 3/588، حدیث:5612ملتقطاً)

ہے کہ عرفہ کے دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ بھیجا تو آپ نے نوش فرمالیا۔

(بخاری، 1/ 555، 556، حدیث:1661ملتقطاً)

شہد: حضرت عائشہ صدِّیقہ رضی اللہُ عنہا فرماتی ہیں: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم میٹھی چیز اور شہد پسند فرماتے تھے۔

(بخاری، 4/17، حدیث:5682)

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی بعض سواریاں [1]

بعض گھوڑے

سَکْب: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے یہ گھوڑا بنو فَزارہ کے ایک شخص سے دس اَوْقِیہ میں خریدا تھا، غزوۂ اُحُد میں اسی پر سوار ہو کر شرکت فرمائی تھی۔

لِزَاز: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کو یہ گھوڑا مُقَوْقِس (والیِ مصر) نے تحفے میں دیا تھا۔ آپ اسے سیاہ رنگت کی وجہ سے پسند فرماتے تھے۔

سَبْحَة: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے یہ گھوڑی ایک اَعرابی سے خریدی تھی۔

المُرْتَجِز: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے یہ گھوڑا ایک شخص سے خریدا تھا۔ اسی سودے پر حضرتِ خُزیمہ نے گواہی دی تھی اور آپ نے ان کی شہادت کو دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔

---

1 رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی بعض سواریوں کا تعارف "ماہنامہ فیضان مدینہ (دسمبر 2018) اور سبل الہدیٰ والرشاد، 7/396تا429" سے لیا گیا ہے۔

www.dawateislami.net

بَحر: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے یہ گھوڑا یمن کے تاجروں سے خرید ا تھا۔

ظَرِب: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو یہ گھوڑا حضرت فروہ بن عمرو جذامی رضی اللہ عنہ نے تحفے میں پیش کیا تھا۔

لُحَیف: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو یہ گھوڑا عامر بن مالِک عامری نے تحفے میں پیش کیا۔

وَرْد: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو یہ گھوڑا حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے تحفے میں پیش کیا تھا۔

بعض دراز گوش (گدھے)

عُفَیْر: نبی کریم صلی ا للہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو یہ مقوقِس (والیٔ مصر) نے تحفے میں بھیجا تھا۔

یَعْفُوْر: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو یہ خیبر میں ملا، یہ آپ کے حکم پر صحابۂ کرام علیہمُ الرضوان کو گھر سے بلا کر لاتا تھا۔

بعض اونٹ اور اونٹنیاں

مُکْتَسَب: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو یہ اونٹ غزوۂ بدر میں بطورِ غنیمت ملا۔

عَضْبَاء: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی یہ اونٹنی کبھی دوڑ سے پیچھے نہیں رہی تھی۔

قَصْویٰ: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے لئے یہ اونٹنی حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے چار سو درہم کے عوض خریدی۔ اسی پر آپ نے ہجرت فرمائی۔

صَہْبَاء: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے حجۃُ الوداع کے دن اس اونٹنی پر سوار ہو کر رَمی فرمائی تھی، یعنی مِنٰی کے مقام پر شیطان کو کنکریاں ماری تھیں۔

بعض خچر

دُلْدُل: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو یہ خچر مُقَوْقِس (والیٔ مصر) نے تحفتاً پیش کیا تھا۔

فِضّة: نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو یہ خچر فروہ بن عمرو جذامی رضی اللہ عنہ نے تحفتاً پیش کیا تھا۔

www.dawateislami.net

مصادر ومراجع

قرآن مجید	کلام الٰہی	****
کتاب کانام	مصنف / مؤلف / متوفی	مطبوعات
تفسیر طبری	امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی 310ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت 1420ھ
تفسیر بغوی	امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی، متوفی 516ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت 1414ھ
تفسیر محرر الوجیز	امام ابو محمد عبد الحق بن غالب المحاربی، متوفی 542ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت 1422ھ
تفسیر کبیر	امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسین رازی، متوفی 606ھ	دار احیاء التراث العربی 1420ھ
تفسیر قرطبی	امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی، متوفی 671ھ	دار الفکر بیروت 1999ء
تفسیر مدارک	امام ابو البرکات محمد بن احمد بن محمود نسفی، متوفی 710ھ	دار المعرفۃ بیروت 1421ھ
تفسیر خازن	امام علی بن محمد ابراہیم، متوفی 741ھ	دار الکتب العربیۃ الکبریٰ 1415
تفسیر جلالین	امام جلال الدین محلی، م 863ھ۔ امام جلال الدین سیوطی، م 911	کراچی
تفسیر روح البیان	امام اسماعیل حقی بروسوی، متوفی 1127ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت
تفسیر روح المعانی	امام محمود بن عبد اللہ حسینی آلوسی، متوفی 1270ھ	دار احیاء التراث العربی 1420ھ
بخاری	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی 256ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت 1419ھ
مسلم	امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری النیسابوری، متوفی 261ھ	دار الکتاب عربی بیروت 1427ھ
ابو داوٗد	امام ابو داود سلیمان بن الاشعث الازدی سجستانی، متوفی 275ھ	دار احیاء التراث العربی 1421ھ
ترمذی	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفی 279ھ	دار الفکر بیروت 1414ھ
ابن ماجہ	امام محمد بن یزید قزوینی، متوفی 273ھ	دار المعرفۃ بیروت 1416ھ
مصنف عبد الرزاق	امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع صنعانی، متوفی 211ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت 1421ھ
مصنف ابن ابی شیبہ	امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبۃ، متوفی 235ھ	دار قرطبہ بیروت 1427ھ
مسند امام احمد	امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ	دار الفکر بیروت 1414ھ
سنن دارمی	امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی، متوفی 255ھ	دار الکتاب العربی 1407ھ
معجم کبیر	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی 360ھ	دار احیاء التراث العربی 1422ھ
معجم اوسط	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی 360ھ	دار الفکر بیروت 1420ھ
مستدرک	امام محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ حاکم نیسابوری، متوفی 405ھ	دار المعرفۃ بیروت 1427ھ
حلیۃ الاولیاء	حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی، متوفی 430ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت 1418ھ
مسند الفردوس	امام شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ دیلمی، متوفی 509ھ	دار الفکر بیروت 1418ھ
فتح الباری	امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی 852ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت 1425ھ
عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی، متوفی 855ھ	دار الفکر بیروت 1418ھ

Go To Index

ارشاد الساری	علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد قسطلانی، متوفی 923ھ	دار الفکر بیروت 1421ھ
در مختار	علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی، متوفی 1088ھ	دار المعرفہ بیروت 1420ھ
حاشیۃ الدسوقی علی شرح الکبیر	علامہ محمد بن احمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1230ھ	دار الفکر بیروت
کتاب المغازی	امام موسیٰ بن عقبہ بن ابو عیاش الاسدی، متوفی 141ھ	جامعہ ابن زہر 1994ء
السیر والمغازی	امام محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی، متوفی 151ھ	دار الفکر بیروت 1398ھ
کتاب المغازی	امام محمد بن عمر بن واقد، متوفی 207ھ	مؤسسۃ الاعلمی بیروت 1409ھ
سیرت نبویہ	امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام، متوفی 213ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1422ھ
اخبار مکہ	امام ابو الولید محمد بن عبد اللہ بن احمد الازرقی، متوفی 250ھ	دار الاندلس بیروت 1403ھ
اخبار مکہ	امام محمد بن اسحاق بن عباس الفاکہی، متوفی 272ھ	دار خضر بیروت 1414ھ
انساب الاشراف	امام احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری، متوفی 279ھ	دار الفکر بیروت 1417ھ
تاریخ طبری	امام ابو جعفر بن جریر طبری، متوفی 310ھ	دار ابن کثیر بیروت 1428ھ
شرف المصطفیٰ	امام ابو سعد عبد الملک بن ابو عثمان محمد نیسابوری، متوفی 406ھ	دار البشائر الاسلامیہ 1424ھ
دلائل النبوۃ	حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی، متوفی 430ھ	مکتبۃ العصریہ 1406ھ
دلائل النبوۃ	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی 458ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1408ھ
الشفاء	علامہ قاضی عیاض مالکی، متوفی 544ھ	دار الفکر بیروت 1409ھ
الملل والنحل	علامہ ابو الفتح محمد بن عبد الکریم شہرستانی، متوفی 548	دار السرور بیروت
تاریخ ابن عساکر	امام ابو القاسم علی بن حسن شافعی، متوفی 571ھ	دار الفکر بیروت 1415ھ
المنتظم فی تاریخ الملوک والامم	امام ابو الفرج عبد الرحمن بن جوزی، متوفی 597ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1412ھ
الوفا باحوال المصطفیٰ	امام ابو الفرج عبد الرحمن بن جوزی، متوفی 597ھ	مکتبۃ العصریہ 1432ھ
الکامل فی التاریخ	امام ابو الحسن علی بن ابو الکرم محمد بن محمد شیبانی، متوفی 630ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1407ھ
سیرت نبویہ	حافظ ابو الفداء اسماعیل بن کثیر، متوفی 774ھ	دار الفکر بیروت 1398ھ
البدایہ والنہایہ	حافظ ابو الفداء حافظ ابن کثیر دمشقی، متوفی 774ھ	دار الفکر بیروت 1418ھ
جامع الآثار	امام شمس الدین محمد بن عبد اللہ دمشقی، متوفی 842ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 2009ء
امتاع الاسماع	امام احمد بن علی بن عبد القادر المقریزی، متوفی 845ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1420ھ
الروض الانف	امام ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی، متوفی 851ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
وفاء الوفا	امام نور الدین علی بن احمد السمہودی، متوفی 911ھ	دار احیاء التراث العربی 1419ھ
مواہب لدنیہ	علامہ شیخ احمد بن محمد قسطلانی، متوفی 923ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1416ھ
سبل الہدیٰ والرشاد	امام محمد بن یوسف شامی، متوفی 942ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1414ھ
تاریخ الخمیس	امام شیخ حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری، متوفی 966ھ	مؤسسۃ شعبان بیروت
سیرت حلبیہ	علامہ ابو الفرج نور الدین علی بن ابراہیم حلبی، متوفی 1044ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1422ھ

www.dawateislami.net

مدارج النبوت	علامہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی 1052ھ	نوریہ رضویہ پبلشنگ
شرح الزرقانی علی المواہب	امام محمد الزرقانی بن عبد الباقی المالکی، متوفی 1122ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1417
سیرت نبویہ	علامہ احمد بن زینی دحلان، متوفی 1304ھ	دار القلم العربی 1417ھ
معالم مکۃ التاریخیہ والاثریہ	علامہ عاتق بن غیث البلادی، متوفی 1431ھ	دار مکۃ 1400ھ
فقہ السیرۃ النبویہ	ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی، متوفی 1434ھ	دار الفکر 1411ھ
صفۃ الصفوۃ	امام ابو الفرج عبد الرحمن بن جوزی، متوفی 597ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 2002ء
طبقات الکبریٰ	امام محمد بن سعد بن منیع الہاشمی بصری، متوفی 230ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1410ھ
الاستیعاب	امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد قرطبی، متوفی 463ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1422ھ
معجم البلدان	شیخ شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ، متوفی 626ھ	دار احیاء التراث العربی 2020ء
اسد الغابۃ	امام ابو الحسن عزالدین علی بن محمد الجزری، متوفی 630ھ	دار احیاء التراث العربی 1417ھ
الاصابۃ	علامہ امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی 852ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1415ھ
نہایۃ الارب	امام شہاب الدین احمد بن عبد الوہاب نویری، متوفی 733ھ	دار الکتب العلمیہ
آثار البلاد واخبار العباد	امام زکریا بن محمد بن محمود القزوینی، متوفی 682ھ	دار صادر بیروت
انوارِ جمالِ مصطفیٰ	علامہ شاہ نقی علی خان قادری، متوفی 1297ھ	شبیر برادرز لاہور
فتاویٰ رضویہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری، متوفی 1340ھ	رضا فاؤنڈیشن لاہور 1427ھ
بہارِ شریعت	مفتی محمد امجد علی اعظمی، متوفی 1367ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی 1429ھ
سیرت رسول عربی	علامہ محمد نور بخش توکلی، متوفی 1367ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی 2014ء
فیروز اللغات	فیروز الدین، متوفی 1368ھ	فیروز سنز لاہور 2012ء
مراٰۃ المناجیح	مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی 1391ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت	مفتی اعظم ہند محمد مصطفےٰ رضا خان، متوفی 1402ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی 1430ھ
سیرتِ مصطفیٰ	علامہ عبد المصطفےٰ اعظمی، متوفی 1406ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی 1429ھ
جلوۂ جاناں	علامہ ابو النصر منظور احمد شاہ صاحب متوفی 1440ھ	مکتبہ نظامیہ
سیرت الانبیاء	ابو صالح مفتی محمد قاسم عطاری	مکتبۃ المدینہ کراچی
رفیق المعتمرین	امیر اہل سنت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی	مکتبۃ المدینہ کراچی 1433ھ
عاشقان رسول کی 130 حکایات	امیر اہل سنت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی	مکتبۃ المدینہ کراچی 1433ھ
آخری نبی کی پیاری سیرت	محمد حامد سراج عطاری مدنی (شعبہ سیرت مصطفی، المدینۃ العلمیہ دعوتِ اسلامی)	مکتبۃ المدینہ کراچی 1444ھ
آخری نبی کے والدین کریمین	مؤلفینِ شعبہ ماہنامہ خواتین، المدینۃ العلمیہ دعوتِ اسلامی	ویب ایڈیشن 1444ھ
فیضانِ فاروقِ اعظم	مؤلفینِ شعبہ فیضانِ صحابہ واہل بیت، المدینۃ العلمیہ (دعوتِ اسلامی)	مکتبۃ المدینہ کراچی 1435ھ
التیسیر فی علم التفسیر	عبد اللہ نعیم صدیقی عطاری (شعبہ تحقیقی کتب، المدینۃ العلمیہ دعوتِ اسلامی)	مکتبۃ المدینہ کراچی 1445ھ

یاد داشت

(دَورانِ مُطالعہ ضَرورتاً انڈر لائن کیجیے، اِشارات لکھ کر صفحہ نمبر نوٹ فرمالیجیے، ان شاءَاللہ عِلم میں ترقی ہوگی)

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کتاب کا تعارف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت طیبہ ہر مسلمان کیلئے اہم ہے۔ قرآن کریم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت ہی مسلمانوں کیلئے سب سے اہم مصدر و مرجع ہے۔ کتاب "سیرت مصطفیٰ جان رحمت" جدید طرز تحریر کے ساتھ سیرت کے باب میں ایک احسن اضافہ ہے جس میں مستند و معتبر کتب سے حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں اولاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت طیبہ کو تسلسل سے تحریر کیا گیا ہے۔ بعد میں قارئین کی آسانی کیلئے سیرت طیبہ کو 18 ابواب میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے 15 ابواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیدائش سے رحلت تک کی سیرت کا بیان ہے۔ ماسوا ابواب میں کتاب کا پہلا باب زمانۂ جاہلیت کے بیان پر ہے، دوسرا باب مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آباء و اجداد کے مختصر ذکر پر مشتمل ہے، جبکہ آخری (اٹھارویں) باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کاتبین، مؤذنین، خدمت گزاروں اور راز داروں سمیت آپ کی غذاؤں، سواریوں وغیرہ سے متعلق معلومات پیش کی گئی ہیں۔

978-969-722-725-9
01013452

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، کراچی
UAN +92 21 111 25 26 92 0313-1139278
www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net
feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net